وَمَا اَصَابَكُم مِن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوْ عَنْ كَثِيْرٍ (سورۃ الشوریٰ)

اور اے لوگو! تم پر جو مصیبت پڑتی ہے، تو تمہارے اپنے ہی کرتوت سے اور اللہ تعالیٰ تمہارے بہت سے قصور اور گناہوں کو درگذر کرتا ہے

قرآن و حدیث کی روشنی میں ترغیبِ اعمالِ صالحات کیلئے قیمتی نصیحتیں و نادر واقعات

دعوتِ فکر وعمل

از

شیخ طریقت حبیب الامت حضرت مولانا ڈاکٹر حکیم محمد ادریس حبان رحیمی ایم ڈی حفظہ اللہ چرتھاولی

خلیفہ ومجاز حضرت حاذق الامتؒ پرنامبٹ (خلیفہ ومجاز حضرت مسیح الامتؒ جلال آبادی) بانی و مہتمم دار العلوم محمدیہ و خانقاہ رحیمی بنگلور

مرتب

مولانا حکیم محمد عثمان حبان دلدار قاسمی

ناظم تعلیمات دار العلوم محمدیہ بنگلور کرناٹک

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب : دعوتِ فکر وعمل

تالیف : حبیب الامت حضرت مولانا ڈاکٹر حکیم محمد ادریس حبان رحیمی

مرتب : مولانا حکیم محمد عثمان حبان دلدار قاسمی

کتابت وتزئین : مولانا فہیم احمد قاسمی سرسی سیتامڑھی حبان گرافکس بنگلور

باہتمام : جناب حماد مصطفی شیروانی صاحب

تعداد : گیارہ سو(۱۱۰۰)عدد

قیمت :

سن اشاعت : ۲۰۱۶ء

ناشر : مدینہ بک ڈپو جامع مسجد دہلی۔6

مرتب کا مکمل پتہ

RAHEEMI SHIFA KHANA

#248, 6th Cross, Gangondanahalli Main Road,
Nayandhalli Post, Maysore Road
BANGALORE - 560039 (INDIA)
Ph.: 080-23180000, 23397836/72
www.raheemishifakhana.com
E-mail.: raheemishifakhana@yahoo.com

فہرست

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
1	انتساب اور ثواب	13
2	حروفِ عثمان	14
3	جنت ہے جن کی طلبگار	15
	دنیا ہی میں جنت کی خوشبو	16
	رسول پاک ﷺ کا سلام	17
	جنتی عورت	17
4	انفاق فی سبیل اللہ	19
5	زکوٰۃ کے لئے حلال مال شرط ہے	22
6	اہل دل کی زیارت	23
	صاحب دل کو تلاش کر	24
	بایزید بسطامی کا واقعہ	24
	دنیا کے جھانسے میں نہ آنا	25
7	اخلاص عبادات اور نیک اعمال کی اساس	28

	ریاکاری سُراب ہے	29
	مومن کے نیک کام کا نتیجہ	30
	دنیا میں عمل کا مفہوم	30
	اسلامی عبادات کا قالب	31
	امن وسلامتی کی حقیقت	32
8	صدقے کی حقیقت	33
	انسان کے ہر جوڑ کی طرف سے صدقہ	34
	نیکی کا حکم اور بدی سے روکنا بھی صدقہ	34
9	ہمدردی وغم خواری	36
	مومن کا رشتہ	36
	مومن کامل کی پہچان	37
	محبت وشفقت	38
	ہمدردی وغم خواری	39
	مقرب بندے	40
10	بے کسوں کی دستگیری	42
	غلام کا بھی اکرام	44
11	استغناء دل کی بے نیازی کا نام	48
	استغفار کی حقیقت	49
	تقویٰ کی حقیقت	49
	عبادتِ خداوندی	50
	توکل علیٰ اللہ کی حقیقت	51
	انفاق فی سبیل اللہ کا خلاصہ	52
	اہل علم ومعرفت پر خرچ کرنا	52
	صلہ رحمی کا جامع مفہوم	53

	کمزوروں کے طفیل رزق	54
	پے در پے حج وعمرہ	54
	ہجرت دارالکفر	55
12	بیعت الرضواں	56
	صلح حدیبیہ کے نتائج	58
13	دعوت وتبلیغ کیلئے داعی کا کردار	61
	داعیانہ صفات کا حامل ہونا ضروری	62
14	ترکِ عمل کا نام توکّل نہیں	64
15	سبق آموز حالات وواقعات	66
	بھائی سے محبت کی فضیلت	66
	کتّے کو پانی پلانے پر مغفرت	67
	بلّی کو بھوکا رکھنے پر عذاب	68
	عابد پر ماں کی بددعا کا اثر	68
	فکر آخرت کی ترغیب	70
16	رشوت ایک خطرناک جرم	72
	رشوت کا انجام بد	73
	رشوت نقائص کو مستحکم کرتی ہے	74
	بہت سی ہلاکتوں میں رشوت کا دخل	74
	رشوت نحوست پیدا کرتی ہے	75
	رشوت فتنہ وفساد کا ذریعہ	75
17	درسِ اُخوت	77
	تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں	78
	اخوت کے متعلق حضور ﷺ کے ارشادات	79
18	مظلوم کی بددعاء سے بچو!	81

	ظلم کی قباحت	82
	حقوق العباد کی پامالی	83
	ظالم کی حیرانی وبے بسی	84
	ظالم کو آج نہیں کل پتہ چلے گا	85
	مظلوم کی پذیرائی	86
	حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ کو نصیحت	87
19	ضیافت ومہمان نوازی انبیاء علیہم السلام کی سنت	88
	عشق الٰہی کے جلوے	91
	عشق ایک قیمتی موتی ہے	91
	حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کی دعا	92
	ایک عاشق کا واقعہ	93
	حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق	94
	حضرت خواجہ شیخ احمد کا عشق	94
	حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عشق الٰہی	95
20	جنت کی طرف رہنمائی	96
	سچ بولنے والے کا مقام	96
	جھوٹ بولنا ایمان کے منافی	98
	عادل بادشاہ کا مقام	99
	آخرت میں سبقت لے جانے والے	100
	رضائے الٰہی کا مستحق	100
	جنت کا آسان راستہ	101
	نیک اولاد باقیات الصالحات ہیں	102
	نیک بیوی کی علامت	103
	نیک شوہر کی پہچان	104

	بہنوں سے حسنِ سلوک	106
	بھائیوں سے حسنِ سلوک	106
	خالہ اور چچا کی فضیلت	106
	رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک	107
	پڑوسیوں کے ساتھ مہربانی	108
	مہمانوں کی خاطر تواضع	109
	یتیموں کے حقوق	110
	بیوہ اور مساکین کی خبر گیری	110
	بوڑھوں اور بزرگوں کی خدمت	111
	اہل ایمان کے ساتھ بھلائی	111
	عوام الناس پر مہربانی کا حکم	112
21	یتامیٰ اور مساکین کی کفالت جہاد فی سبیل اللہ کے برابر	113
	یتیموں کے مال میں بددیانتی اور اسراف نہ کرو	114
22	''صبر'' فضائل واخلاق	118
	عفت و پاکدامنی بھی صبر ہے	118
	ضبطِ نفس بھی صبر ہے	119
	شجاعت بھی صبر کا مظہر ہے	120
	اہل عزیمت کا شیوہ	121
23	قربِ الٰہی کا ذریعہ	122
	اللہ تعالیٰ کے اہل وعیال	122
	قیامت کے دن کا ساتھی	123
	امام احمد بن حنبل کا خواب	124
24	علم وعمل	126
	لیکن اے انسان!	127

	پیغمبروں کے آنے کا مقصد	128
	علم اور یقین کی حقیقت	129
	علم کے ساتھ عمل ضروری	130
	عمل کی رغبت ضروری	130
	انسانوں کی دستگیری	131
	خدا کے آخری پیغمبر کی تلقین	132
	خدایا تیری خدائی برحق!	132
	حضور ﷺ نے توحید کی صدا لگائی	133
	حضرت غامد رضی اللہ عنہ کا ایمان	135
	حضور ﷺ نے انمول موتی عطا کئے	136
	آپ ﷺ کے احسانات	137
25	مظلوم کی دعا	139
	میدان جنگ میں دعا کی اہمیت	141
26	حسد گناہوں کی جڑ	143
	حسد فتنوں کی آگ	144
	حاسد پریشانی اور غم میں مبتلا رہتا ہے	145
	حسد اشتراق کو ختم کر دیتا ہے	146
	حسد پستی تک پہونچاتا ہے	147
27	اسلام کی سربلندی کیلئے مسلمانوں میں اتحاد واتفاق ضروری	148
	قرآن مجید کا تاکیدی حکم	149
	حضور ﷺ کا امن فارمولا	149
	عیسائیوں کی شرمناک شکست	150
	سیلاب کے جھاگ کی طرح	151
	دجال مدینہ منورہ میں داخل نہیں ہوگا	152

28	اسلام میں حق تلفی و قطع رحمی کی گنجائش نہیں	154
	کینہ اور بغض کی نحوست	155
	شرک نا قابل معافی جرم	155
	تین دن سے زیادہ بول چال بند نہ کرے	157
	حضور ﷺ کے امتی ہونے کا تقاضہ	158
29	اسلام میں حیاء کی اہمیت اور فحاشی کی مذمت	159
30	خدا یاد آئے جن کو دیکھ کر	167
31	خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے پیر و مرشد	173
32	عطر محبوبِ حق ﷺ کو پسند تھا	176
	آپ ﷺ عطر کا ہدیہ واپس نہیں فرماتے تھے	176
	عطر کا ہدیہ واپس کرنا ممنوع ہے	176
	عطر محبوب ہے	177
	عطر حنا کی فضیلت	177
	لوگوں کا اکرام عطر سے کرنا سنت ہے	178
	مختلف مواقع پر عطر کا استعمال	178
33	زندگی کے حقائق کو سمجھنے کی توفیق	179
34	سورۃ البقرہ کی دو آیتوں کی فضیلت	183
35	جن کیلئے موت ہے زندگی!	185
	شیخ سعدی کو آسمانی تحفہ	186
36	وساوس کیلئے حضور ﷺ کی دعا	187
	وسواس کی بیماری	188
	ایک عجیب و غریب واقعہ	190
	حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا جماعت نہ ملنے پر رونا	192
	جماعت کے فوت ہونے پر افسوس	192

37	حضرت عین القضاۃ ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک مؤثر دعاء	194
	اللہ کی بندوں سے منہ پھیرنے کی علامت؟	195
38	درود شریف دعا کی قبولیت کا ذریعہ ہے	197
	آداب درود شریف	200
39	قلب کی موت نفس کی خواہشات سے	202
40	تواضع کی حقیقت	209
	تزکیۂ نفس کی ضرورت و اہمیت	209
	علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ دربارِ اشرفی میں	210
	حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت	211
	حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی بے نفسی	211
	تصنع اور تواضع	212
	حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی بصیرت	213
41	مغفرت کا ذریعہ	215
	زمین پر ناجائز قبضہ کا عذاب	215
	زمین کاشت کیلئے دینا	216
42	افاداتِ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ	219
	دو وظیفے	222
43	امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور حرص علم	223
	مسئلہ سوچتے سوچتے موت آ گئی	224
	یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ کی بے تابی	224
	ابو ریحان بیرونی کا ذوق	225
	بوقت موت استفتاء سینہ پر	225
	ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اور ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ ڈابھیل میں	225
	حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا حافظہ	226

	مطالعہ کی بیماری	226
	مال کا بھوکا	228
	آج کا طالب علم	228
	زیادتی علم کی دعا	229
	حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد	229
	وہ صعوبتیں اور یہ سہولتیں	229
	برف کا کارخانہ کھلا اور پانی گرم ہوگیا	230
	سہولیات نے بیڑا غرق کیا	231
	علم بھی بے نیاز ہے	232
44	کھڑے ہو کر کھانے کی ممانعت	233
	کھانے کا سنت طریقہ	233
	کھڑے ہو کر کھانے پینے کے طبی نقصانات	236
	مختصر یہ کہ	237
45	حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ	238
46	حشر ونشر	244
	پہاڑ دھول بن کر اڑ جائیں گے	245
	قیامت کے دن ہر شخص برہنہ ہوگا	245
	انسانوں کو اپنا ہوش نہ ہوگا	246
	حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا	247
	سارے معاملات اللہ کے ہاتھ ہیں	248
	حوضِ کوثر	249
	حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال ہوگا	249
	تمام صحابہ عادل وثقہ ہیں	250
	منافقین کا ذکر	251

	چہرے کے بل چلایا جائے گا	252
	چلنے سے متعلق مثالیں	253
	قیامت کے دن بعض سر کے بل چلیں گے	254
47	سائل اور حاجت مندوں کے حقوق	255
	اللہ تعالیٰ سوال فرمائیں گے	256
	جنت کے بادشاہ لوگ	257
	مسکرانا بھی صدقہ ہے	258

☆☆☆

دعوتِ فکروعمل کا

انتساب

اور

ثواب

بحمد اللہ تعالیٰ دعوتِ فکر وعمل فکر آخرت اور اصلاحی مضامین کے عناوین پر مشتمل کتاب ''دعوتِ فکروعمل'' کا انتساب اور ثواب والد بزرگوار حضرت حبیب الامت عمت فیوضھم کے بڑے ابا یعنی تایا جان شیخ الانصار الحاج شریف احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور جناب رفیق احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور چچا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی دونوں رفیقۂ حیات کے نام معنون کررہا ہوں اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور درجات بلند فرمائے۔آمین!

ان کی خوبیاں اور ان کے شریفانہ مزاج کی جھلکیاں
ہمارے لئے مشعلِ راہ ہیں۔

محمد عثمان حبان دلدار قاسمی

خانقاہ رحیمی احاطہ دارالعلوم محمدیہ بنگلور کرناٹک

20 ربیع الاول 1437ھ بروز جمعہ

حروف عثمان

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد

اللہ تبارک و تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ فکر آخرت، تقویٰ، پرہیزگاری اور اصلاحی مضامین پر مشتمل والد بزرگوار شیخ طریقت حبیب الامت حضرت مولانا ڈاکٹر حکیم محمد ادریس حبان رحیمی دامت برکاتہم کے پسند فرمودہ مضامین جومختلف مواقع پر مجلس میں اور خصوصی مجالس میں سنائے گئے یا ارشاد فرمائے گئے تمام کو یکجا کرکے ایک ضخیم مسودہ تیار ہوگیا۔اوراب حضرت والا کی اجازت سے اس کو شائع کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں۔

اللہ تعالیٰ اس خاکسار کے لئے اس کتاب کو ذریعۂ آخرت بنائے۔اور پڑھنے والوں کو زیادہ سے زیادہ استفادہ کا موقع عطا فرمائے اور سب کے لئے نجات کا ذریعہ بنائے۔ نیز حضرتِ والا کا سایہ عاطفت تادیر قائم و دائم رکھے۔

آمین ثم آمین یا رب العلمین

طالب دعا

محمد عثمان حبان دلدار قاسمی

خانقاہ رحیمی احاطہ دارالعلوم محمدیہ بنگلور کرناٹک

یکم جنوری 2016ء مطابق 20 ربیع الاول 1437ھ بروز جمعہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جنت ہے جن کی طلبگار

عَنْ رَبِيْعَةَ بنِ كَعْبِ الاَسْلَمِى رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: كُنْتُ اَبِيْتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلىَّ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاٰتِيْه بِوَضُوئِهِ وَحَاجَتِه، فَقَالَ لِىْ سَلْ. فَقُلْتُ: اَسْئَلُكَ مُرَافقَتَكَ فِى الْجَنَّةِ . فَقَالَ: اَوْ غير ذٰلِك؟ قُلْتُ: هُوَ ذَاكَ ، قَالَ: فَأَعِنّى عَلٰى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ.

(مسلم. کتاب الصلوٰۃ، باب فضل السجود والحث علیہ، صفحہ ۱۹۳)

حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رات گذارتا تھا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کے لئے پانی اور ضرورت کی کوئی چیز لا دیتا (ایک دن خوش ہوکر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ سے مانگو، میں نے کہا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنت میں آپ کی رفاقت کا سوال کرتا ہو (یعنی جنت میں مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت نصیب ہوجائے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے علاوہ کچھ اور (بھی مانگ لو) میں نے کہا کہ بس وہی (مجھے کافی ہے) چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سجدوں کی کثرت کے ساتھ اپنے لئے میری مدد کرو۔

دنیا ہی میں جنت کی خوشبو

ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے جنگ احد کے دن اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اگر میں (اللہ کی راہ میں) قتل کیا جاؤں تو میں کہاں ہوں گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں (یہ سن کر) انہوں نے اپنے ہاتھ کی کھجوریں پھینک دیں اور لڑتے ہوء شہید ہو گئے۔

جنگ احد (شوال سن ۳ ھ میں جب خالد بن ولید (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) نے پیچھے سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا اور کفار و مسلمان آپس میں برسرِ پیکار ہو گئے تو کچھ لوگ تو میدان جنگ سے نکل بھاگے اور کچھ لوگ ہوش وحواس کھو بیٹھے۔ اسی دوران حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے تو دشمن نے یہ افواہ پھیلا دی کہ (نعوذ باللہ) محمد صلی اللہ علیہ وسلم قتل کر دیئے گئے۔ اس سے مسلمانوں کا رہا سہا ہوش بھی جاتا رہا۔ اکثر لوگوں کے حوصلے ٹوٹ گئے، بعض لوگوں نے لڑائی سے ہاتھ روک لیا۔ اور مایوس ہوکر ہتھیار پھینک دیئے، کچھ لوگوں نے سوچا کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی سے مل کر کہا جائے کہ وہ ابوسفیان سے ان کے لئے امان طلب کر دے۔ چند لمحے بعد ان کے پاس سے حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ کا گذر ہوا، دیکھا کہ لوگ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں۔ پوچھا کس چیز کا انتظار ہے؟ جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قتل کر دیئے گئے۔ حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے کہا: تو اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تم لوگ زندہ رہ کر کیا کرو گے؟ اٹھو! اور جس چیز پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جان دی اسی پر تم بھی جان دے دو، اس کے بعد کہا: اے اللہ! ان لوگوں نے (یعنی مسلمانوں نے) جو کچھ کہا ہے اس پر میں تیرے حضور معذرت کرتا ہوں اور ان لوگوں نے (مشرکین نے) جو کچھ کیا ہے اس سے برأت اختیار کرتا ہوں، یہ کہہ کر

آگے بڑھے، آگے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی، انہوں نے دریافت کیا، ابوعمر کہاں جارہے ہوں؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ آہا: جنت کی خوشبو کا کیا کہنا۔ اے سعد! میں اسے احد کے پرے محسوس کررہا ہوں۔ اسکے بعد وہ آگے بڑھے اور مشرکین سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ (الرحیق المختوم، ص:۴۳۲، مطبوعہ المجلس العلمی، علی گڑھ)

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ احد کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بھیجا کہ میں حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کو تلاش کروں، اور فرمایا کہ اگر وہ دکھائی پڑ جائیں تو انہیں میرا سلام کہنا اور کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دریافت کررہے ہیں کہ تم اپنے آپ کو کیسا پارہے ہو؟ حضرت زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں مقتولین کے درمیان چکر لگاتے ہوئے ان کے پاس پہونچا تو وہ آخری سانس لے رہے تھے۔ انہیں نیزے، تلوار اور تیر کے ستر سے زیادہ زخم آئے تھے۔ میں نے کہا: اے سعد! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو سلام کہتے ہیں اور دریافت فرمارہے ہیں کہ مجھے بتاؤ۔ اپنے آپ کو کیسا پارہے ہو، انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام! آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کردیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جنت کی خوشبو پارہا ہوں، اور میری قوم انصار سے کہو کہ اگر تم میں سے ایک آنکھ بھی ہلتی رہی اور دشمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچ گیا تو تمہارے لئے اللہ کے نزدیک کوئی عذر نہ ہوگا، اور اسی وقت ان کی روح پرواز کرگئی۔ (الرحیق المختوم، ص:۴۵۳)

جنتی عورت

عَنْ عَطَاءِ بْنِ اَبِی رباح قَالَ: قال لِیْ اِبْنُ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أُرِیْکَ امْرَأَةً مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ؟ قُلْتُ بَلٰی! قَالَ هٰذِهِ الْمَرْأَةُ

السَّوْدَاءُ اَتَتِ النَّبِیَّ صلی الله علیه وسلم قَالَتْ: اِنِّی اُصْرَعُ وَ اِنِّی أَتَكَشَّفُ فَادْعُ اللّٰهَ تعالیٰ لِیْ قَالَ: اِنْ شِئْتِ صَبَرْتِ وَلَكِ الْجَنَّةُ وَاِنْ شِئْتِ دَعَوْتُ اللّٰهَ اَنْ یُّعَافِیَكِ، قالت: اَصْبِرُ، قالت: فَاِنِّی اَتَكَشَّفُ، فَادْعُ اللّٰهَ اَنْ لاَ اَتَكَشَّفَ، فَدَعَالَهَا۔ " (بخاری، کتاب الرمضی باب فضل من یصرع من الریح، ومسلم کتاب البر والصلة باب ثواب المومن فیمایصیبه من مرض...... ص ۳۱۸)

حضرت عطاء بن ابی رباح سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا: کیا میں تمہیں ایک جنتی عورت نہ دکھاؤں؟ انہوں نے کہا کہ کیوں نہیں؟ کہا کہ یہ کالی عورت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہنے لگی، مجھے مرگی کا دورہ پڑتا ہے جس کی وجہ سے میں بے پردہ ہوجاتی ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے میرے لئے دعا کیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو صبر کرو (بدلے میں) تمہارے لئے جنت ہے اور اگر چاہو تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں کہ وہ تمہیں (اس بیماری سے) سے عافیت دے۔ اس (عورت) نے کہا کہ میں صبر کرتی ہوں مگر چونکہ میں بے پردہ ہوجاتی ہوں (اس لئے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ سے دعا کیجئے کہ میں بے پردہ نہ ہوا کروں۔ چنانچہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے دعا فرمادی۔

☆☆☆

انفاق فی سبیل اللہ

''وَاِنْ کَانَ ذُوْ عُسْرَۃٍ فَنَظِرَۃٌ اِلٰی مَیْسَرَۃٍ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ''. (البقرہ: ۲۸۰) ''اگر قرضدار تنگدست ہوتو اسے خوشحال ہونے تک مہلت دواور صدقہ کردینا تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے اگر تم اس کا فائدہ جانو''۔

ارشاد ہوا ہے کہ آدمی کو خیرات کرنے میں بھی حد سے نہ گزرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کا مقصد یہ نہیں ہے کہ اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ کاٹ کر خیرات کی جائے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ سیدھے سادے طریقے سے زندگی بسر کرنے کے لئے جتنی ضرورت انسان کو ہوتی ہے اتنا اپنی ذات پر اور اپنے بال بچوں پر صرف کرے اور جو باقی بچے اسے خدا کی راہ میں دے۔

''وَیَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ''. (البقرہ: ۲۱۹) ''پوچھتے ہیں کہ ہم کیا خرچ کریں؟ اے نبی! کہہ دیجئے کہ جو ضرورت سے زیادہ ہو''۔

''وَالَّذِیْنَ اِذَا اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَکَانَ بَیْنَ ذٰلِکَ قَوَامًا''. (الفرقان: ۶۷) ''اللہ کے نیک بندے وہ ہیں کہ جب خرچ کریں تو نہ فضول خرچی کریں اور نہ بہت تنگی کر جائیں۔ بلکہ ان کا طریقہ ان دونوں انتہاؤں کے بیچ میں ہو''۔

وَلَاتَجْعَلْ یَدَکَ مَغْلُوْلَۃً اِلٰی عُنُقِکَ وَلَا تَبْسُطْھَا کُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا''. (بنی اسرائیل: ۲۹)

''نہ تو اپنا ہاتھ اتنا سکیڑلو کہ گردن سے بندھا ہوا ہے اور اتنا کھول دو کہ حسرت زدہ بیٹھے رہو اور لوگ بھی تم کو ملامت کریں''۔

آخر میں یہ بھی سن لیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے مستحقین کی پوری فہرست بتادی ہے۔ جس کو دیکھ کر آپ کو معلوم ہوسکتا ہے کہ کون کون لوگ آپ کی مدد کے مستحق ہیں۔ اور کن کا حق اللہ تعالیٰ نے آپ کی کمائی میں رکھا ہے:

''فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّہٗ وَالْمِسْکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ''. (الروم: ۳۸)

''اپنے غریب رشتہ داروں کو اس کا حق دے اور مسکین اور مسافر کو''۔

''وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ''. (البقرہ: ۱۷۷) ''اور نیک وہ ہے جو خدا کی محبت میں مال دے اپنے غریب رشتہ داروں کو اور یتیموں اور مسکینوں کو اور مسافر کو اور ایسے لوگوں کو جن کی گردنیں غلامی اور اسیری میں پھنسی ہوئی ہوں''۔

'' وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ، وَابْنِ السَّبِیْلِ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ''. (النساء: ۳۷) ''اپنے ماں باپ اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور قرابت دار پڑوسیوں اور پاس کے بیٹھنے والوں اور مسافروں اور اپنے لونڈی غلاموں کے ساتھ سلوک کرتے رہو''۔

'' یُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ مِسْکِیْنًا وَّیَتِیْمًا وَّاَسِیْرًا، اِنَّمَا نُطْعِمُکُمْ لِوَجْہِ اللّٰہِ لَا نُرِیْدُ مِنْکُمْ جَزَآءً وَّلَا شُکُوْرًا، اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَبِّنَا یَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِیْرًا''. (الدھر: ۱۰)

اور نیک لوگوں کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تم کو محض خدا کے لئے کھلا رہے ہیں۔ تم سے کوئی بدلہ یا شکریہ نہیں چاہتے۔ ہم کو تو اپنے خدا سے اس دن کا ڈر لگا ہوا ہے۔ جس کی شدت کی وجہ سے لوگوں کے منہ سکڑ جائیں گے اور تیوریاں چڑھ جائیں گے۔

لِلۡفُقَرَآءِ الَّذِیۡنَ اُحۡصِرُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ لاَ یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ ضَرۡباً فِی الۡاَرۡضِ یَحۡسَبُہُمُ الۡجَاہِلُ اَغۡنِیَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ، تَعۡرِفُہُمۡ بِسِیۡمَاہُمۡ لاَ یَسۡئَلُوۡنَ النَّاسَ اِلۡحَافاً، وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ خَیۡرٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیۡمٌ ".(البقرہ: ۲۷۳)

خیرات ان فقیروں کے لئے ہے جو اپنا سارا وقت خدا کے کام میں دے کر ایسے گھر گئے ہیں کہ اپنی روٹی کمانے کے لئے دوڑ دھوپ نہیں کر سکتے ان کی خود داری کو دیکھ کر تم گمان کرتے ہو کہ وہ غنی ہیں مگر ان کی صورت دیکھ کر تم پہچان سکتے ہو کہ ان پر کیا گزر رہی ہے (ان کو خود جا کر دو۔ کیونکہ) وہ ایسے لوگ نہیں ہیں کہ لوگوں سے لپٹ لپٹ کر مانگتے پھریں۔ ان کو (ڈھانک چھپا کر) جو کچھ بھی تم خیرات دو گے۔ اللہ کو اس کی خبر ہوگی اور وہ اس کا بدلہ دے گا"۔

سالکین کے لئے ضروری ہے کہ وہ زندگی کے ہر مرحلہ پر اتباع سنت کو ملحوظ رکھیں، صالحین ومشائخ کے طریق کو اپنائیں مال جمع کرنا یا مال سے محبت کرنا یا کنجوسی کرنا ایسی صفات ہیں جو سالکین کے دستور کے منافی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بندوں کی خدمت اور ان کی کفالت کا فریضہ انجام دینا بھی طریقت میں شامل ہے۔

(محمد ادریس حبان رحیمی)

☆☆☆

زکوٰۃ کے لئے حلال مال شرط ہے

ناجائز کمائی کے ذریعہ جو مال حاصل ہوتا ہے دراصل وہ مال خبیث اور ملک حرام ہے۔ شرع شریف میں اس کا حکم یہ ہے کہ اس کو مالک کے حوالے کر دے اگر مالک کا پتہ نہ چلے یا اس تک پہنچانا مشکل و دشوار ہو تو قانون اسلامی کی روشنی میں اس کو فقراء ومساکین میں خیرات کر دینا چاہئے۔ ردالمختار، ج:۲،ص:۲۸ میں ہے:

"فِی الۡقِنۡیَةِ لَوۡ کَانَ الۡخَبِیۡثُ نِصَاباً لاَ یَلۡزِمُہُ الزَّکوٰۃُ لِاَنَّ الۡکُلَّ وَاجِبُ التَّصَدُّقِ عَلَیۡہِ فَلاَ یُفِیۡدُ اِیۡجَابَ التَّصَدُّقِ بِبَعۡضِہٖ".

"اگر حرام مال نصاب تک پہنچتا ہے تب بھی اس میں زکوٰۃ واجب نہیں کیونکہ کل مال حرام کو صدقہ کرنا واجب ہے پھر مال کا کچھ حصہ صدقہ کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔ حرام کمائی کرنے والا سخت گنہگار اور مستحق عذاب شدید ہے۔ ایسے شخص کو چاہئے کہ بارگاہ یزدی میں کمال تضرع کے ساتھ توبہ کرے اپنے اس فعل پر نادم و پشیمان رہے اور آئندہ ایسا نہ کرنے کا پختہ ارادہ کر لے۔

مال حرام میں ادا ہونے والی زکوٰۃ سے متعلق ذہن نشین رہے کہ زکوٰۃ کے واجب ہونے کی شرطوں میں ایک یہ بھی ہے کہ آدمی نصاب کا مالک ہو۔ چونکہ ناجائز طریقہ سے کمانے والا دراصل اس مال کا مالک ہی نہیں تو اس میں زکوٰۃ کے واجب ہونے کا سوال ہی نہیں بلکہ حرام مال سے زکوٰۃ ادا کرنا ایمان اور عقائد اسلام کے منافی ہے اسلام کے رکن کو اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق استعمال کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ ☆☆☆

اہل دل کی زیارت

کسی نے کیا خوب کہا کہ:

سر کی بات نہ کر۔ یہ تو دو ڈنڈے کھانے سے بھی جھک جاتا ہے۔ کھڑکی چھوٹی ہو تو اس میں سے گزر جانے کے لئے جھک جاتا ہے۔ اس کے جھکنے میں عقیدت کم، فریب زیادہ ہوتا ہے۔ کہیں مطلب نکالنے کیلئے جھکتا ہے اور کہیں الزام میں گرفتار کرنے کیلئے جھکتا ہے۔ اس لئے اس کی بات نہ کر۔ دل کی بات کر۔

دل کا حال، کسی صاحب دل سے پوچھ، اس کی شان وشوکت میں لب کشائی کر سکتا ہے، میں کیا جانو؟ دراصل عنوان ہی غلط ہو گیا ہے بیچے نہیں جاتے، پیش کئے جاتے ہیں، دل خریدے نہیں جاتے ہیں، بلکہ دل لوٹے جاتے ہیں۔ خرید وفروخت، در بدر بکنے والی چیزوں کی ہوتی ہے، جب کہ دل کہتا ہے۔

تاجر کی جیب سے مجھے قید صدف بھلی
در در بکوں یہ بات گوارا نہیں مجھے

میرے لئے تو یہ ایک المیہ ہے کہ میں ایک ایسے دل کا مالک ہوں جس کی قیمت ایک دمڑی بھی نہ پڑے۔ تو دوست کے حضور، ایسا دل

پیش نہ کر۔ اس کے دربار میں اس دل کی قدر و منزلت ہے۔ جس کی وسعت ایسی ہو۔ جس میں سات آسمانوں کا سا سیٹ ایک دو نہیں سو سیٹ بھی رکھے جائیں تو ایک کونے میں سما جائیں۔

صاحب دل کو تلاش کر

اگر تیرے پاس بھی ایسا دل نہیں، تو کوئی صاحب دل تلاش کرتے ہیں۔ ان کے حضور اگر مردہ دل پیش کیا جائے اور وہ کہیں۔ بھئی یہ کوئی قبرستان ہے۔ جہاں مردے کو لے آئے ہو۔ چل لے جا یہاں سے۔ ہمارے ہاں وہ دل لے کر آ جس کی وجہ سے عالم میں بقا ہو۔ تو تم جواب میں کہو۔ میرے محسن۔ میرے مربی۔ میرے محبوب۔ ایسے دل تو روشن ہوتے ہیں۔ جب کہ جس دنیا میں جہاں میں بستا ہوں۔ یہ سراسر تاریکی ہے۔ تاریکی میں روشن دل کہاں؟ اس دنیا کو تو ایسے دل سے ازل سے دشمنی ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ تو ایسا سخی ہے کہ عیب دار دل بھی معیوب نہیں سمجھتا۔ بلکہ تیری دکان پر ناکارہ مال بھی پوری قیمت سے فروخت ہو جاتا ہے۔

بایزید بسطامی کا واقعہ

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بابا جی کو دیکھا اور ان میں اہل دل کی شان پائی۔ وہ شیخ دل کی آنکھ سے عالم ملکوت کی سیر سے محظوظ ہو رہے تھے۔ اہل دل جب آنکھ بند کرتے ہیں تو ان کے دل ملکوت کے روشن دان بن جاتے ہیں۔ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ ان کے سامنے بیٹھ گئے۔ اور احوال دریافت کئے۔ محسوس ہوا۔ ناداری اور غربت کا پہرہ بھی ہے۔ بابا جی نے پوچھا۔ بایزید کہاں کا ارادہ ہے؟ جواب دیا۔ خانہ کعبہ کا۔ اللہ تعالیٰ کے گھر کا طواف کرنے جا رہا ہوں۔ پوچھا۔ کتنا سفر خرچ

تیرے پاس ہے۔ بایزید نے کہا۔ دوسو درہم نقد موجود ہیں۔ شیخ غلبۂ حال میں تھا۔ بولا۔ وہ درہم میرے حضور ڈھیر کر دے اور حاجت مندوں پر رقم خرچ کر یہ حج سے بہتر ہے۔ اس اللہ کی قسم! جس نے مجھے اور تجھے صاحب حال بنایا اور صاحب دل بھی۔ اس ذات نے میرے دل کو اپنے گھر سے زیادہ فضیلت دی ہے۔ میرا سارا وجود اور میرا دل اس کے اسرار و رموز کا۔ انوار و تجلیات کا۔ فیوض و برکات کا گھر ہے۔ جب سے اس نے میرے دل کو اپنا گھر بنایا ہے۔ وہ اسی میں مقیم ہے جب کہ وہ کعبے میں کبھی گیا ہی نہیں۔

خبردار یہ کبھی نہ سمجھنا کہ وہ مجھ سے جدا ہے۔ اللہ نے کعبے کو صرف ایک بار اپنا گھر کہا ہے اور مجھے ہر روز، ہر رات، ہزار بار کہتا ہے ۔ لبیک یا عبدی، لبیک یا عبدی۔ اے میرے بندے میں حاضر ہوں۔ اے میرے بندے میں حاضر ہوں۔

دنیا کے جھانسے میں نہ آنا

اہل دل کی زیارت گویا اللہ کی زیارت ہے۔ ایسے دل کی اور دل والوں کی دنیا ازلی دشمن ہے۔ دنیا کے جھانسے میں نہ آنا۔ کوئی دل والا تلاش کر۔ ایسے صاحبان دل اپنی شان و شوکت کی وجہ سے عیب دار دل بھی خرید لیتے ہیں۔

اے اللہ! ہمیں دنیا داری کے عشق سے بچا۔ اس کے عشق میں تو عشق، عاشق اور معشوق سے بچا۔ اس کے عشق میں تو عشق، عاشق اور معشوق تینوں فنا ہو جاتے ہیں۔

شیراں والا گیٹ، لاہور کے اندر ایک شخص تھا۔ انتہائی ذلیل و کمینہ، بداخلاق و بدکردار، دنیا کا ہر عیب اس کے ذہن و فکر اور جسم سے یوں چمٹا ہوا تھا جیسے میرے ساتھ مکاری۔ چوری، ڈاکہ زنی، راہزنی، زنا کاری، ہر عیب اس میں موجود تھا۔ حتیٰ کہ

اس نے اپنی معصوم بیٹی کو بھی معاف نہ کیا۔ محلے میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جسے اس سے نفرت نہ ہو۔ وہ جدھر سے گزر جاتا۔ نفرتوں سے بھبھوکے دماغوں کو شل کر جاتے۔

دنیا فانی ہے۔ ہر کمال کو زوال ہے۔ ہر عروج کو پستی ہے۔ ہر مسکرانے والے پھول کو مرجھانا ہے۔ مرجھانے کا وقت آ گیا۔ زوال و پستی نے اپنے دروازے، کھڑکیاں کھول دیں اور مرض موت نے اسے اپنے شکنجے میں لے لیا۔ آخری لمحات کے آنے میں ابھی وقت باقی تھا کہ اس کی شریک حیات نے، اس کی بیوی نے اسے تلقین کا ایک انوکھا انداز نکالا۔ اس نے سوچا۔ اگر کلمہ طیبہ کو کہا تو کہیں انکار نہ کر دے اور دنیا سے کفر کی سیاہ چادر اوڑھ کر ہی نہ چلا جائے۔

اس نے تمہید باندھی۔ میرے سر کے تاج! بتا اس ساری کائنات میں سات آسمانوں اور زمینوں میں سب سے بڑا کون ہے؟ اس کے ذہن میں تھا کہ اس آخری وقت میں صرف اتنا ہی کہہ دے کہ اللہ! تو شاید نجات کی کوئی صورت نکل آئے۔

لیکن اس نے اپنی بیوی کا سوال سنا۔ تو جھنجھلا کر بولا تجھے خبر نہیں۔ اس ساری کائنات میں۔ ان سات آسمانوں اور زمینوں میں سب سے بڑا میرا گناہ ہے۔ یہ کہا اور آخری ہچکی لی اور سب سے بڑے پاپی نے، سب سے بڑے سخی کے حضور دل رکھ دیا۔ ٹوٹا پھوٹا دل۔ شکست خوردہ دل۔

بیوی پر رقت طاری ہوگئی۔ یہ رقت اس کے مرنے پر غم و اندوہ کی رقت نہ تھی۔ یہ رقت تو فرحت و انبساط کی تھی۔ خوشی و مسرت کی تھی۔ وہ خوشی سے جھوم گئی۔

لوگوں کو خبر ہوئی وہ ...... مرگیا ہے۔ ابھی نفرتوں، لعنتوں کے ناپاک جھونکے، اپنے اثرات مدھم نہ کر سکے تھے۔ کہ ایک صاحب دل کو مالک نے کہا جاؤ۔ میرے اس بندے کی جنازہ پڑھاؤ۔ وہ گھر سے نکلے لوگوں سے پوچھتے۔ اس نام کا محلے میں کون شخص ہے۔ لوگ کہتے۔ بابا جاؤ۔ اسکے غسل کی بات نہ کرو۔ خود

جا کر غسل کرو کہ اسکا نام لینے سے بھی لوگوں پر غسل واجب ہو جاتا ہے۔لیکن انہوں نے کسی بات پر کان نہ دھرے اور پوچھتے پوچھتے اس کے گھر پہنچ ہی گئے۔گھر والوں نے انہیں دیکھا تو بیوی کی رقت چیخوں میں بدل گئی۔لوگ سمجھے۔اس بدکردار خاوند کے مرنے پر رو رہی ہے۔لوگ مجھے کیا جانیں کہ وہ کیوں رو رہی ہے۔وہ تو خوشی و مسرت سے پاگل ہو رہی تھی کہ اسکے مالک نے اسکے خالق نے،اس کے خاوند کے غلیظ گندے دل لیکن ٹوٹے پھوٹے دل کی،شکستہ خوردہ دل کی قیمت کیا لگا دی۔

(عبدالحق ظفر چشتی)

اچھے اچھوں کو تو سبھی چاہتے ہیں، بروں کے ہیں خریدار مدینے والے،محبت تو پہلے سرکار مدینہ ﷺ سے ہوتی ہے پھر اسی محبت پر مالکِ کُل اللہ عزّ وجل کی مہر لگتی ہے۔

☆☆☆

اخلاص

عبادات اور نیک اعمال کی اساس

خلوص نیت ایک ایسی چیز ہے کہ جس پر نہ صرف افراد کے اخلاق و سیرت کا دارومدار ہے بلکہ معاملات کی درستی بھی اسی سے آتی ہے۔یہی خلوص نیت ہے جو نہ صرف تمام عبادات میں جاری و ساری ہے بلکہ اس سے قومیت اور تہذیب کی حفاظت ہوتی ہے۔تمدن اور معاشرت کا خمیر اسی سے تیار ہوتا ہے۔اسلام محض ایک مذہب نہیں بلکہ اخلاق،تہذیب، معاشرت،تمدن سب کچھ ہے۔اسی لئے نیت کی حیثیت سے اس نظام میں عنصر اساسی کی ہے۔

دراصل نیت قلبی ارادے کو کہتے ہیں۔اسلام میں انسان کی اندرونی غرض وغایت کو ہر اچھے یا برے کام کی بنیاد قرار دیا گیا ہے۔اسلامی عبادات اور نظام معاشرت میں قلبی کیفیت اور اس کی اندرونی نیت کو اہم دخل ہے۔نماز سے بڑھ کر کوئی نیک کام نہیں ہوسکتا لیکن اگر وہ بھی نمود و نمائش یا دکھاوے کی خاطر کی جائے تو اس سے ثواب جاتا رہتا ہے۔اسی طرح اگر آپ کسی کی امداد اس لئے کریں کہ لوگ

آپ کی تعریف کریں تو اسلام کی نگاہ میں یہ نیکی کا کام شمار نہ ہوگا کیونکہ اس میں خلوص نیت کارفرما نہ تھی۔ اس لئے حدیث شریف میں ہے۔ تمام اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔ صحیح اور صالح عمل کے لئے دل کا غیر مشکوک یقین اور غیر متزلزل عقیدت کی ضرورت ہے۔ خلوص نیت ہمارے تمام اعمال کی اساس ہے جس کے بغیر ہر عمل بے بنیاد ہے۔

ریا کاری سُراب ہے

اسلام میں جس عبادت کا مقصد صرف دکھانا ہو، اس کی حقیقت سراب سے زیادہ نہیں، ''سورۃ البقرہ'' میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ''اے ایمان والو! تم اپنی خیرات کو احسان جتا کر یا ستا کر برباد نہ کرو، جس طرح وہ اپنے مال کو برباد کرتا ہے جو لوگوں کے دکھاوے کے لئے خرچ کرتا ہے اور عذاب آخرت پر یقین نہیں رکھتا''۔

''صحیح بخاری'' کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ہر شخص کے لئے وہی ہے جس کی وہ نیت رکھے تو جس کے ہجرت کی نیت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف ہے تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف ہے اور جس کی ہجرت کی غرض دنیا کمانا ہے تو اس کی ہجرت اسی کی طرف ہے، جس کی غرض سے اس نے ہجرت کی''۔

غرض عمل کا نیک وبد ہونا تمام تر نیت اور ارادے پر موقوف ہے۔ اسی لئے اسلامی عقائد اور ایمانیات میں نیت کو بہت دخل ہے۔ خلوص نیت نہ ہو تو زندگی کا بڑے سے بڑا کام حسن خلق یا عبادت کے دائرے سے خارج ہو جاتا ہے۔ اسلامی شریعت میں نفس عمل مطلوب نہیں بلکہ اصل چیز نیت یا غرض وغایت ہے۔ عمل قالب اور اس کی روح نیت یا ارادہ ہے۔ روح نہیں تو بے جان قالب کس کام آسکتا ہے۔

ہمارے ہر کام کی ادانی یا اعلیٰ، بلند اور پست متعدد غرض وغایتیں ہوسکتی ہیں۔ کسی مالی یا جسمانی معاوضہ کی خاطر کوئی نیک کام کرنا سب سے پست مقصد ہے۔

مومن کے نیک کام کا نتیجہ

یہی سبب ہے کہ کوئی انسان کسی کے ساتھ کتنا ہی عمدہ برتاؤ کرے، مگر جب اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کی تہہ میں اس کی فلاں ذاتی غرض تھی، تو اس کام کی قدر و قیمت اس کی نگاہ سے گر جاتی ہے۔ تعلیمات محمدی ﷺ میں جنت کو ایک مومن کے نیک کام کا لازمی نتیجہ ضرور کہا گیا ہے، مگر اسے نیک کام کی غرض وغایت قرار نہیں دیا گیا۔ اسی طرح اگر کوئی جہاد اس لئے کرتا ہے کہ اس سے اظہار شجاعت ہو یا مال غنیمت جمع کرنے کی نیت ہو تو اس سے ثواب نہیں ملے گا کیونکہ اس کی نیت میں فتور تھا۔ ثواب اس وقت ملتا ہے جب جہاد خالصتاً اللہ کے لئے ہو۔ اللہ کے نام کا بول بالا کرنے کے لئے ہو۔

تاریخ اس حقیقت پر شاہد عادل ہے کہ انہی افراد اور قوموں پر فوز وفلاح اور کامیابی کے دروازے کھلے ہیں، جنہیں ربانی حقائق کا یقین تھا اور جن کی نیت صاف تھی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا وہ قانون ہے جس میں نہ کبھی بال برابر فرق ہوا اور نہ ہوگا۔

دنیا میں عمل کا مفہوم

نجات کا مدار صرف خلوص نیت یعنی ایمان اور عمل دونوں کو قرار دیا ہے۔ پہلی چیز یہ ہے کہ ہماری نیت صاف ہو پھر یہ کہ اس کے مطابق ہمارا عمل درست اور صحیح ہو۔ ان دونوں باتوں سے فلاح وکامیابی حاصل ہوتی ہے۔ اس دنیا میں عمل کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ اس کے اندر اعمال خیر کی تمام جزئیات داخل ہیں۔ اس میں ہر وہ

کام داخل ہے جس کی غرض اللہ کی خوشنودی ہو۔ اس لئے اخلاق ومعاملات اگر خلوص نیت کے ساتھ کئے جائیں تو وہ عبادت میں داخل ہو جاتے ہیں۔

اسلامی عبادات کا قالب

اسلامی عبادات نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ سب کیلئے نیت کا ہونا ضروری ہے۔ نماز کیا ہے؟ مخلوق اپنے دل زبان، ہاتھ، پاؤں سے اپنے خالق کے سامنے بندگی اور عبودیت کا اظہار۔ یہی خلوص نیت ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ بھی ان عبادات میں سے ہے جن میں نیت کا ہونا ضروری ہے۔ روزے کی بنیادی شرط نیت ہے، بغیر نیت کے روزے کی تکمیل نہیں ہوتی۔ چنانچہ اگر اسلامی عبادات کا قالب، روح یعنی خلوص نیت سے خالی ہو جائے تو صرف جسم کی ریاضت رہ جاتی ہے۔ جو اصل مقصود نہیں۔

اسلام میں خلوص نیت کی اہمیت یہ ہے کہ وہ عمل صالح کی علت وسبب ہے۔ یعنی وہ عمل کے لئے راستہ بناتا ہے۔ کیونکہ خلوص نیت کا نتیجہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت اور اس کے فیصلے کے آگے سر جھکانا ہے۔ نماز میں خشوع وخضوع، زکوٰۃ وخیرات دینا، عفت وپاک دامنی، امانت، ایفائے عہد، نماز کی پابندی، فرائض کی ادائیگی ان سب باتوں کا انحصار خلوص نیت پر ہے۔ اہل ایمان کے اوصاف کا آغاز بھی خلوص نیت سے کیا گیا ہے۔ اور نجات بھی اسی پر رکھا گیا ہے۔ اس سے جو نتیجہ نکلتا ہے، وہ یہ ہے کہ خلوص نیت اسلامی عبادات اور ایمان کی اولین وآخری نشانی ہے۔ اسلئے اسلام میں ایمان اور عبادات کے ساتھ نیت پر زور دیا گیا ہے۔

ایک حدیث میں ایمان کی شناخت، خلوص نیت کو بتایا گیا ہے۔ جو کسی نمائش یا ذاتی نفع نقصان کے لئے نہ ہو بلکہ اللہ اور صرف اللہ کے لئے ہو۔ جس فعل میں ارادہ اور خلوص نیت شامل نہیں، اس کی اخلاقی

حیثیت نہیں، بجز خلوص نیت کے دنیا بھر میں کوئی ایسی شئے نہیں جسے علی الاعلان یا بلا کسی قید وشرط کے اچھا کہا جا سکے۔

امن وسلامتی کی حقیقت

نیت کا تعلق قلب سے ہے۔ قلب کی اندرونی کیفیت اور حالت کی درستی کے لئے یہ اعتقاد ضروری ہے کہ اللہ قادر مطلق ہے۔ وہی انسان وزمین کا پیدا کرنے والا ہے اور اسی کے ہاتھ میں اقتدار اعلیٰ ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''انسان کے بدن میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے وہ اگر درست ہو تو تمام بدن درست رہتا ہے اور اگر وہ بگڑ گیا تو تمام بدن بگڑ جاتا ہے اور وہ ٹکڑا ہے قلب''۔ (صحیح بخاری)

انسان امن وسلامتی کا بھوکا ہے۔ لیکن وہ اس امن وسلامتی کو اسباب راحت کے انبار میں تلاش کرتا ہے اور نہیں پاتا۔ دنیا میں امن کا گوشہ ڈھونڈتا ہے اور وہ اسے نہیں ملتا لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ امن وسلامتی خود انسان کے پاس موجود ہے۔ اور وہ ہے قلب کی صحیح حالت یا خلوص نیت۔ بیشک، خلوص نیت رکھنے والے لوگ امن والے مقام میں ہیں۔ اس لئے ہمیں چاہئے کہ ہم ہر نیک کام اور عبادات میں خلوص نیت کو پیش نظر رکھے تاکہ اس کے ذریعہ دین ودنیا، دونوں میں فلاح وکامرانی حاصل کرسکیں۔

☆☆☆

صدقے کی حقیقت

رسول اللہ ﷺ نے انسانوں کو بتایا کہ اللہ نیکیوں کا بڑا قدر دان ہے۔ وہ معمولی خیر کے کام پر بے شمار اجر وثواب عطا فرماتا ہے۔ درحقیقت اس کے کرم اور جود وسخا کے لئے بندوں کی نیکیاں بنیاد ہیں۔ بس ذرا بندے کی طرف سے اطاعت شعاری اور بندگی کا اظہار ہو جائے۔ وہ بے حد وحساب ثواب دیتا ہے۔

حدیث کی کتابوں میں رسول اللہ ﷺ کے بے شمار ارشادات منقول ہیں۔ جن میں آپ ﷺ نے معمولی معمولی کاموں کو بڑی بڑی نیکیاں قرار دیا ہے اور ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عظیم اجر کی خوش خبری سنائی ہے۔ ذیل میں آپ ﷺ کے ایسے ہی چند ارشادات نقل کئے جا رہے ہیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا! کون سا عمل سب سے افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''اللہ پر ایمان اور اس کے راستے میں جہاد، پھر میں نے پوچھا کس طرح کے غلام کے آزاد کرنے میں زیادہ ثواب ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا! وہ غلام جو اپنے مالک کے نزدیک سب سے عمدہ اور سب سے قیمتی ہو۔ پھر میں نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ اگر میں یہ

دونوں کام نہ کرسکوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا، کوئی آدمی کچھ کام کر رہا ہو یا کچھ بنا رہا ہو تو اس کی مدد کر دو، یا کسی کمزور کا کچھ کام کر دو، میں نے عرض کیا اللہ کے رسول ﷺ اگر میں اعمال صالحہ نہ کرسکوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا، لوگوں کو تم سے تکلیف نہ پہنچے، یہ تمہاری طرف سے اپنے اوپر صدقہ ہے''۔ (صحیح بخاری)

انسان کے ہر جوڑ کی طرف سے صدقہ

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا، انسان کے ہر ہر جوڑ پر (اللہ کی نعمتوں کے شکر کے طور پر) صدقہ لازم ہے۔ (صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو لازمی طور پر فکر ہوئی کہ اتنے صدقے کون کرسکتا ہے؟ مگر) آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ ''سبحان اللہ'' کہنا صدقہ ہے۔ ایک مرتبہ ''لا الہ الا اللہ'' کہنا صدقہ ہے۔ نیکی کا حکم کرنا صدقہ ہے، بدی سے روکنا صدقہ ہے اور ہر جوڑ کے بدلے ایک صدقہ کرنے کے لئے یہ بھی کافی ہے کہ چاشت کے وقت دو رکعت پڑھ لی جائیں (اسی سے انسان کے ہر جوڑ کی طرف سے ایک صدقہ ہو جائے گا)

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا! آدمیوں کے درمیان انصاف کرو، یہ بھی صدقہ ہے۔ کسی کو سواری پر سوار کرادو، یہ بھی صدقہ ہے، کسی کا سامان، اٹھوادو، یہ بھی صدقہ ہے۔ نماز کے لئے جاتے ہوئے ہر قدم صدقہ ہے۔ راستے میں کوئی گندگی یا تکلیف دہ چیز ہٹا دو یہ بھی صدقہ ہے۔ (صحیح مسلم)

نیکی کا حکم اور بدی سے روکنا بھی صدقہ

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں کچھ غریب مسلمانوں نے حاضر ہو کر یوں گذارش کی، اے اللہ کے رسول ﷺ! مالدار سارا

اجر وثواب لے جاتے ہیں، ہم نماز، روزے کی نیکیاں کرتے ہیں تو وہ بھی کرتے ہیں، مگر وہ اپنی ضروریات سے زائد مال میں سے صدقہ کرتے ہیں (اور ہم غریب حسرت ہی کرتے رہتے ہیں) آپ ﷺ نے فرمایا! اللہ نے تمہارے لئے بھی صدقہ کرنا ممکن بنایا ہے۔ سن لو، یقیناً ہر مرتبہ ''سبحان اللہ'' کہنے میں صدقہ کا ثواب ہے۔ ہر مرتبہ ''لا الہ الا اللہ'' کہنے میں صدقے کا ثواب ہے۔ نیکی کا حکم صدقہ ہے۔ بدی سے روکنا صدقہ ہے، حضور اکرم ﷺ کے فرمان کی روشنی میں۔

اہل طریقت اور خانقاہوں کی چہار دیواری میں رہنے والے بے شمار صدقات انجام دینے کا فریضہ انجام دے سکتے ہیں۔ جس سے لازمی صدقے کا ثواب بھی حاصل ہوگا اور اللہ تعالیٰ سے ملنے کا شوق رکھنے والے بندوں کو قربِ الٰہی بھی نصیب ہوگا۔ (محمد ادریس حبان رحیمی)

☆☆☆

ہمدردی وغم خواری

دنیا میں بسنے والے ان گنت انسان اپنے مفاد کی دوڑ دھوپ میں رہ سکتے ہیں، نہ انہیں حالات کی فکر اور نہ گرد وپیش کا احساس۔ لیکن ایک مومن دنیا میں انسانیت فراموشی کی زندگی نہیں گذار سکتا، اور بندگان خدا کو بھول کر سفینۂ حیات کو آگے نہیں بڑھا سکتا، کیوں کہ اسکو جس سانچے میں ڈھالا گیا، جن تعلیمات سے آراستہ کیا گیا اور جس درد واحساس کی متاع گراں مایہ سے نوازا گیا وہ کبھی اسکو مفادات کی حد تک کوشش کرنے والا اور اپنی ہی زندگی کو چمکانے والا نہیں بنا سکتی۔ ایک مسلمان کو تو انسانی ہمدردی وغم خواری کا خوگر بنایا گیا، دوسروں کیلئے تڑپنے والا اور دوسروں کی مجبوریوں کو سمجھنے والا بنایا گیا۔

قرآن وحدیث میں اس کی بہترین تعلیم وتربیت کی گئی، اور ہمدردی وغم خواری کی فضیلتیں بیان کی گئیں تا کہ ہر مومن اسی آئینہ میں اپنی زندگی کو سنوارے اور انسانیت کے کام آکر پروردگار کی خوشنودی حاصل کرنے والا بنے۔

مومن کا رشتہ

اللہ تعالیٰ نے ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے جو رشتہ جوڑا ہے اس کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ حقیقت تو یہ ہے کہ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ (الحجرات:۱۰)

نبی کریم ﷺ نے اپنے مبارک ارشادات میں اس کی مزید اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے فرمایا کہ: ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے تعلق ایک مضبوط عمارت جیسا ہے اس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو مضبوط کرتا ہے، پھر آپ ﷺ نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے میں داخل کر کے بتایا۔ (بخاری:۴۶۱)

آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ: سب مسلمان ایک شخص واحد کی طرح ہیں، اگر اس کی آنکھ دکھے تو اس کا سارا جسم دکھ محسوس کرتا ہے، اسی طرح اس کے سر میں تکلیف ہو تو بھی تمام بدن تکلیف میں شریک ہوتا ہے۔ (مسلم:۴۶۹۳)

مطلب یہ کہ پوری امت مسلمہ گویا ایک جسم و جان والا وجود ہے، اس کے افراد کے اعضاء ہیں، کسی ایک عضو میں اگر تکلیف ہو تو اسکے سارے اعضاء تکلیف محسوس کرتے ہیں، اسی طرح پوری ملت اسلامیہ کو ہر مسلمان فرد کی تکلیف محسوس کرنی چاہئے۔ اور ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہونا چاہئے۔ (معارف الحدیث:۶/۱۲۹)

مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے انداز میں فرمایا کہ: میدان جنگ میں اگر کسی ترک کے تلوے میں ایک کانٹا چبھ جائے، تو قسم خدائے اسلام کی کہ کوئی ہندوستان کا مسلمان، مسلمان نہیں ہوسکتا، جب تک وہ اس کی چبھن کو تلوے کی جگہ اپنے دل میں محسوس نہ کرے، کیونکہ ملت اسلامیہ ایک جسم واحد ہے اور مسلمان خواہ کہیں ہوں، اس کے اعضاء و جوارح ہیں۔ (خطبات آزاد:۱۸)

اس طرح اسلام نے مسلمانوں کو ایک لڑی میں پرویا، اور تمام سرحدوں اور دوریوں کو مٹا کر اخوت والفت کے کبھی نہ ختم ہونے والے رشتہ میں جوڑا۔

مومن کامل کی پہچان

ہمدردی وغم خواری اور الفت و محبت کو پروان چڑھانے کے لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: قسم اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، کوئی

بندہ مومن کامل نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہی نہ چاہے جو اپنے لئے چاہتا ہو۔ (بخاری:۱۲)

ایک مرتبہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے دریافت کرنے پر ایمان کے افضل ہونے کی علامت کو بیان کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ تم سب، لوگوں کے لئے وہی چاہو اور وہی پسند کرو جو اپنے لئے چاہتے اور پسند کرتے ہو اور اس چیز اور اس حالت کو سب کیلئے سب لوگوں کیلئے ناپسند کرو جو اپنے لئے ناپسند کرتے ہو۔ (مسند احمد:۲۱۵۵۶)

نبی کریم ﷺ نے اپنے ان ارشادات میں یہ واضح فرمادیا کہ ایمانِ کامل کی یہ نشانی ہے کہ ایک ایمان والا جس چیز کو اپنے لئے اچھی اور فائدہ کی سمجھے وہی اپنے مسلمان بھائی کے لئے بھی سمجھے، اور جس میں اس کو نقصان نظر آئے یا اس کو بھلی معلوم نہ ہو تو کسی اور کے لئے بھی نہ چاہئے، اسی صفت کی بنیاد پر ہمدردی و محبت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور اسی سے الفت واخوت کا ماحول فروغ پاتا ہے۔

محبت وشفقت

ساری دنیا کی مخلوق خدا کی بنائی ہوئی ہے، تمام انسان اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں، اس بنیاد پر ہر ایک سے محبت کرنا اور ہر ایک سے شفقت کا معاملہ کرنا بھی ایمان کی پہچان ہے، کیوں کہ مومن کسی سے محبت کرتا ہے تو بھی اللہ کے لئے اور کسی سے بغض رکھتا ہے تو بھی اللہ کے لئے۔ (بخاری:۶۲۳) اور انسانی ہمدردی وغم خواری بھی اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب دل میں مخلوق کی محبت ہو، اسی کو دلوں میں جاگزیں کرنے کے لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: تم زمین والوں کے ساتھ رحم کا معاملہ کرو، آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا۔ (ابوداؤد:۴۲۹۲) اور دوسری جگہ فرمایا کہ اس شخص پر اللہ کی رحمت نہیں ہوتی، جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔ (بخاری:۶۸۵۲)

الطاف حسین حالی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا ہے کہ:

خدا رحم کرتا نہیں اس بشر پر
نہ ہو درد کی چوٹ جس کے جگر پر
کرو مہربانی تم اہل زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرشِ بریں پر

شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ فرماتے ہیں کہ: اللہ کی محبت کا حق یہ ہے کہ اس کے بندوں کے ساتھ محبت کی جائے، اگر بندوں سے محبت نہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے محبت نہیں۔ جب تک اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے محبت نہ ہو تو، اللہ سے محبت کا دعویٰ سچا نہیں ہوسکتا۔ (اصلاحی خطبات)

ہمدردی وغم خواری

جب مسلمان ان تمام اوصاف کا حامل ہوگا، وہ آپسی ایمانی رشتہ کو سمجھنے والا ہو، پسند وناپسند میں یکساں سوچنے والا ہو، اور خلق خدا کی محبت بھی دل میں ہو تو پھر یقیناً وہ ہمدردی وغم خواری میں برابر شریک رہے گا اور اس بات کا ثبوت دے گا کہ:

خنجر چلے کسی پر تڑپتے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

اسی کو نبی کریم ﷺ نے اپنے مختلف ارشادات میں بیان فرمایا، ایک جگہ فرمایا کہ: ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے (اس لئے) نہ خود اس پر ظلم کرے، نہ ظلم کا نشانہ بننے دے، جو کوئی اپنے ضرورت مند بھائی کی حاجت پوری کرے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی کرے گا، اور جو کوئی کسی مسلمان کو تکلیف ومصیبت سے نجات دلائے گا، اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن کی مصیبت و پریشانی سے نجات عطا

کرے گا، اور جو کسی مسلمان کی پردہ داری کرے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ داری کرے گا۔ (مسلم:۴۶۸۳)

ایک جگہ فرمایا کہ: جس کو مسلمانوں کے مسائل ومعاملات کی فکر نہ ہو وہ ان میں سے نہیں۔ (مخلص ایمان والوں میں سے نہیں)۔ (المعجم الصغیر للطبرانی:۹۰۹)

آپ ﷺ نے ہمدردی ہی کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا کہ: ایک مسلمان کی دعا اپنے بھائی کے حق میں غائبانہ قبول ہوتی ہے اور ایک فرشتہ اس کے پاس آمین کہتا ہے اور کہتا ہے کہ جو خیر اس نے اپنے بھائی کے حق میں مانگا اللہ تعالیٰ اسے بھی عطا کرے۔ (ابن ماجہ:۲۸۹۰)

علامہ ابن القیم جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ: جس کا ایمان جتنا قوی ہوگا اتنی اس کے اندر ہمدردی زیادہ ہوگی، اور جس کا ایمان جتنا کمزور، اس کی ہمدردی بھی اتنی کمزور ہوگی، اللہ کے نبی ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ سب سے زیادہ ہمدردی وغم خواری کرنے والے تھے۔ (الجموع القیم من کلام ابن القیم:۱/۵۳۵)

آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ: جو مسلمان کسی مسلمان کو عریانی کی حالت میں کپڑے پہنائے اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں سبز جوڑے عطا کرے گا، جو مسلمان کسی مسلمان کو بھوک کی حالت میں کھانا کھلائے تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں پھل اور میوے کھلائے گا، اور جو کوئی کسی پیاسے مسلمان کو پانی پلائے اللہ تعالیٰ اس کو نہایت نفیس شرابِ طہور پلائے گا جس پر مہر لگی ہوئی ہوگی۔ (ترمذی:۲۳۸۶)

مقرب بندے

نبی کریمؐ کے اور بھی بے شمار ارشادات اس سلسلہ میں موجود ہیں، آپؐ نے مختلف انداز میں بہت سے رشتہ داروں، پڑوسیوں، ماتحتوں اور دیگر افراد کے ساتھ

ہمدردی وغم خواری کی تعلیم دی اور لوگوں کے حوصلوں کو اس معاملہ میں ابھارا، تا کہ دنیا میں کوئی انسان بھی کسمپرسی کی حالت میں رہنے نہ پائے اور پریشانیوں ومجبوریوں سے زندگی دوچار نہ ہو، کتنی مشفقانہ تعلیمات سے اور کس قدر خیر خواہانہ ارشادات سے ایک مسلمان کو اسکی ذمہ داریوں کا احساس دلایا، کتنے مسلمان ہیں جو اپنی ان ذمہ داریوں کو ادا کررہے ہیں؟ اور انسانی ہمدردی وخیر خواہی کی بنیاد پر خدا کے بندوں کی ضرورت کو خدا ہی کے دیئے ہوئے مال ومتاع سے پوری کررہے ہیں؟ اس وقت امت عجیب دور سے گذر رہی ہے، جو جذبات ہمدردی کے ہونے چاہئے لوگ آج دوسروں سے درکنار خود اپنے قریبی رشتہ داروں بلکہ بعض تو اپنے والدین کا ساتھ اپنا نے کیلئے تیار نہیں ہیں۔ کسمپرسی بے چارگی، اور اجنبیت کا حسرت زدہ ماحول چھایا ہوا ہے۔ اور ہر کوئی اپنی فکر میں اور اپنی دنیا کو خوب سے خوب تر سجانے کی کوشش میں لگا ہوا ہے، چاہے اس کیلئے حقوق کو تلف کرنا ہی کیوں نہ پڑے اور عداوت ودشمنی کا برتاؤ کیوں نہ کرنا پڑے۔ یقیناً یہ بہت بڑا کام ہے کہ ایک انسان کی سعی وکوشش سے کسی بے قرار فرد کو آرام وراحت نصیب ہو، پریشان حالوں کی دست گیری ہو اور کسی کی زندگی سنور جائے۔ ایسے بندے خدا کے مقرب اور نبیؐ کے پسندیدہ ہیں۔

اپنے لئے تو کوئی بھی کرتا ہے جستجو
اوروں کی زندگی کو بنانا کمال ہے

☆☆☆

بے کسوں کی دستگیری

لاکھوں درود وسلام ہوں اس نبی رحمت پر جو اس دنیا میں بے کسو، مجبوروں، اور مظلوموں کا مسیحا بن کر آئے اور جن کی آمد نے انسانیت کے تنِ مردہ میں نئی روح پھونکی اور ظلم وجور کے ایوانوں میں زلزلے آئے، آپ کی آمد سے پہلے کمزوروں اور معاشرے کے خستہ حال افراد کا کوئی پرسان حال نہیں تھا، طاقتوروں کا راج تھا کمزور مزید کمزور ہوتے جارہے تھے، مظلوم ظلم کی چکی تلے خوب پسے جارہے تھے، معاشرہ کے سارے کمزور طبقات موت وحیات کی کشمکش سے دوچار تھے۔ خواتین کی حالت زار ناقابل بیان تھی، ان سے حق زندگی بھی چھین لیا جارہا تھا، شیر خوار بچیاں زندہ درگور کی جارہی تھیں، خاندان کے بوڑھوں کا کوئی پرسان حال نہیں تھا، یتیموں کے ساتھ ان کے سر پرست انتہائی ظالمانہ سلوک روا رکھتے تھے، مسکینوں اور غریبوں کو دھتکار دیا جاتا تھا، ایسی گھٹاٹوپ تاریکیوں میں فاران کی چوٹیوں پر وہ آفتاب طلوع ہوا جس کی ضیاء پاشیوں سے ہر انسانی طبقہ مستفید ہوا، ظلم وجبر کی تاریکیاں چھٹ گئیں، آپ نے اعلان فرمایا، اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ ۔ (ترمذی:۲/۵۸)

تم اہل زمین پر رحم کرو آسمان والا (خدا) تم پر رحم کرے گا، نیز آپ نے یہ بھی اعلان فرمایا ''اللہ اس پر رحم نہیں کرتا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا''۔ اتنا ہی نہیں آپ نے اس شخص کو بد بخت قرار دیا جس سے رحمت چھین لی جائے، آپ میں غریبوں سے الفت اور خلق خدا سے شفقت ورحمت اس قدر رچ بس گئی تھی کہ خدا نے آپ کا تعارف ان الفاظ میں فرمایا: ''لَقَدْ جَآءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَؤُوْفٌ رَّحِيْمٌ''۔ (التوبہ:۱۲۸)

''تمہارے پاس تم میں سے ایک رسول آئے ہیں تمہاری پریشانی ان پر گراں گذرتی ہے وہ تمہارے خیر خواہ ہیں اور رحم کرنے والے ہیں۔

آپ کو مسکینوں سے اس قدر محبت تھی کہ اکثر آپ یوں دعا فرماتے ہیں: ''اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِىْ مِسْكِيْنًا وَتَوَفَّنِىْ مِسْكِيْنًا وَاحْشُرْنِىْ فِىْ زُمْرَةِ الْمَسَاكِيْن''۔ ''اے اللہ مجھے مسکین بنا کر زندہ رکھ اور مسکینی میں موت دے اور میرا حشر مساکین کیساتھ فرما''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب اس کی وجہ دریافت فرمائی تو فرمایا مساکین اغنیاء سے چالیس سال پہلے جنت میں جائیں گے عائشہ! تو مسکین کو کھجور کا ٹکڑا ہی کیوں نہ دے مگر اسے خالی ہاتھ واپس نہ لوٹا، اے عائشہ مسکینوں سے محبت کرتی رہا کر اور انہیں اپنے سے قریب کر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تجھے قریب رکھے گا۔ (ترمذی۲/۵۸)

ایک موقعہ پر آپ نے فرمایا تم مجھے اپنے کمزوروں میں تلاش کرو، تمہیں اپنے ضعفاء کی بدولت روزی دی جاتی ہے اور تمہاری مدد کی جاتی ہے۔ (ابوداؤد:۱/۳۴۹)

آپ کی نگاہ میں غرباء اور معاشرہ کے کمزور افراد کی بے پناہ قدر تھی ایک مرتبہ ایک شخص کو دیکھ کر آپ نے اپنے پاس بیٹھے ایک صاحب سے پوچھا کہ اس شخص کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے، ان صاحب نے کہا کہ یہ معزز لوگوں

میں سے ہے، اس لائق ہے کہ اگر وہ نکاح کا پیغام دے تو اسے قبول کیا جائے اور سفارش کرے تو قبول کی جائے۔ سرکار دوعالم ﷺ خاموش رہے، کچھ دیر بعد ایک غریب آدمی کا گذر ہوا تو اس کے بارے میں ان کی رائے پوچھی تو وہ کہنے لگے۔ یہ ایک فقیر مسلمان ہے جس سے کوئی نہ نکاح کرے گا اور نہ کوئی اس کی سفارش مانے گا اور نہ کوئی اس کی بات سنے گا، اس پر نبی رحمت ﷺ نے فرمایا یہ ایک ان جیسوں سے بھری دنیا سے بہتر ہے۔ (بخاری:۲/۹۵۴)

آپ ہمیشہ غرباء کو اپنے ساتھ رکھتے قریش کے لوگ غریبوں کے ساتھ آپ کے غیر معمولی رویہ کو دیکھ کر ناراض ہوتے تھے اور کہتے تھے کہ کیا ہم میں سے اللہ نے انہی پر احسان کیا ہے؟ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سرکار دوعالم ﷺ مسجد میں داخل ہوئے اور فقراء کے ساتھ بیٹھ گئے، آپ نے انہیں جنت کی بشارت سنائی تو خوشی سے ان کے چہرے کھل اٹھے، حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ منظر دیکھ کر افسوس ہوا کہ میں اس میں نہ تھا۔

(دارمی۲/۳۳۹)

آپ کے لئے یہ بات نا قابل برداشت تھی کہ کوئی کسی مسکین کو ذلیل کرے، ایک مرتبہ آپ ؐ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو کسی مسکین کو ذلیل کرتے دیکھا تو ان سے کہا کہ جو نیکی اور مدد ان کو حاصل ہوگی وہ انہی فقراء کا نتیجہ ہوگی اور وہ ان مساکین کے ممنون ہوں گے۔ (بخاری:۱/۴۰۵)

غلام کا بھی اکرام

بے کس اور تنگ حال لوگوں میں ایک طبقہ یتیموں کا ہے، آپ ﷺ یتیموں کے ساتھ بڑی شفقت فرماتے تھے، اور اپنی امت کو یتیموں کے ساتھ حسنِ سلوک کی

تاکید فرماتے تھے،ایک موقعہ پرآپ نے فرمایا:"اَنَا وَ کَافِلُ الْیَتِیْمِ کَھَاتَیْنِ" میں اوریتیم کی کفالت کرنے والا قیامت کے دن اتنے قریب ہوں گے جیسی یہ دو انگلیاں ہیں، خادموں اور ملازموں کے ساتھ بھی بے حد شفقت فرماتے تھے۔

حضرت معاویہ بن سوید کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں ہم بنی مقرن کے پاس ایک ہی خادمہ تھی جس کو ہم میں سے کسی نے مارا جب رسول اللہ ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ نے ان سے فرمایا اسے آزاد کردو لوگوں نے بتایا کہ ان کے پاس صرف وہی خادمہ ہے تو آپ نے فرمایا کہ جب تک کام ہے اس سے کام لیں ورنہ اسے آزاد کردیں۔(مسلم:۵۱/۲)

حضرت ابومسعود سے روایت ہے کہ میں نے کوڑوں سے اپنے غلام کو مارا تو پیچھے سے ایک آواز سنی، مڑکر دیکھا تو رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ابو مسعود! یہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ کو تم پر تمہارے غلام سے زیادہ قدرت حاصل ہے۔

(صحیح مسلم:۵۱/۲)

غلاموں کے بارے میں حسن سلوک کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا کہ غلام تمہارے بھائی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے ماتحت کردیا ہے تو جس کے پاس غلام بھائی ہو جو کھائے اس کو کھلائے اور جو پہنے اسے پہنائے اوراس کی سکت سے زیادہ اس سے کام نہ لے، اوراگر لے تو اس کی مدد کرے۔(بخاری:۸۹۳/۲)

معاشرہ کا ایک بے بس طبقہ بوڑھوں اور عمر رسیدہ افراد کا ہے،آپ نے ان کے تعلق سے احترام اوراکرام کا حکم دیا،اورفرمایا کہ جو بڑوں کا احترام ملحوظ نہ رکھے۔ وہ ہم میں سے نہیں،ایک روایت میں ہے کہ جو بڑی عمر والوں کے حقوق کو نہ جانے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔(الادب المفرد۳۳۴/۲)

بیوہ خواتین کی بھی آپ خبرگیری فرماتے تھے اورلوگوں کو اس کی ترغیب دیتے تھے، چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر حضرت سراقہ بن جعشم ؓ سے فرمایا کہ کیا میں تم کو بتلاؤں کہ سب سے بڑا صدقہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا ضرور ارشاد فرمائیں، آپ نے فرمایا تم اپنی اس بیٹی کا خیال رکھو جو تمہارے پاس لوٹا دی گئی ہو اور تمہارے علاوہ کوئی اس کی نگہداشت کرنے والا نہ ہو۔(الادب المفرد:۷۸/۲)

اسی طرح ایک موقع پرآپ نے فرمایا بیوہ اور مسکین کی نگہداشت کرنے والا (ان کے کام کرنے والا) ایسا ہے جیسے اللہ کے راستہ میں کوئی جہاد کرنا یا ایسا شخص جو دن کے روزے رکھتا ہے اور رات کو عبادت کرتا ہے۔(الادب المفرد:۱۰۸/۲)

الغرض بےکسوں بے بسوں اور خستہ حالوں کی دستگیری رسول اللہ ﷺ کا وصف خاص تھا یہی وجہ ہے کہ جب پہلی وحی کے نزول کے بعد آپ اپنے گھر آئے اوراپنی پریشانی کا اظہار فرمایا تو آپ کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ ؓ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا: وَاللّٰہُ لاَ یُخْزِیْکَ اللّٰہُ اَبَدًا اِنَّکَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَحْمِلُ الْکَلَّ وَتَقْرِی الضَّیْفَ وَتُعِیْنُ عَلٰی نَوَائِبِ الْحَقِّ"

(خدا آپ کو ہرگز رسوا نہیں کرے گا اس لئے کہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں اور کمزوروں کا بوجھ اپنے سر لیتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں، بےکسوں کی دستگیری کرنے والے نبی کی امت کو بھی دنیا بھر کے ضعیفوں کمزوروں اور معاشرہ کے کچلے ہوئے طبقات کی دستگیری کے لئے آگے بڑھنا چاہئے، ایسے عظیم المرتبت نبی سے نسبت رکھنے والے ہم مسلمانوں کا حال اس قدر گیا گذرا ہے کہ پڑوسی کی تک خبر نہیں لیتے اور افراد خاندان میں بے شمار لوگ ہمارے تعاون کے محتاج ہیں لیکن ہم کبھی ان سے ہمدردی کے دو بول تک نہیں بولتے، آج ہمیں اپنے رسول کے اسوہ کو اپنانے کی ضرورت ہے۔

الطاف حسین حالی نے کیا خوب کہا:

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا
وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماویٰ
یتیموں کا والی غلاموں کا مولیٰ

حالی رحمۃ اللہ علیہ

☆☆☆

استغناء دل کی بے نیازی کا نام

قرآن پاک میں کئی مقامات پر توبہ واستغفار کے ذریعہ رزق میں برکت اور دولت میں فراوانی کا ذکر ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کا قول نقل کیا ہے:

''میں نے ان (قوم) سے کہا اپنے رب سے معافی مانگو، بلاشبہ وہ بڑا بخشنے والا ہے، وہ تم پر خوب بارش برسائے گا، تمہیں مال واولاد کی فراوانی بخشے گا، تمہارے لئے باغ پیدا کرے گا اور نہریں جاری کرے گا''۔ (سورۃ النوح: ۱۰-۱۱)

اسی طرح حضرت ہود علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو استغفار کی دعوت دی:

''اور اے میری قوم کے لوگو! اپنے رب سے معافی مانگو پھر اپنے رب سے رجوع کرو، وہ تم پر خوب برسنے والے بادل بھیجے گا اور تمہاری قوت میں مزید اضافہ کرے گا اور (دیکھو) مجرم بن کر منہ نہ پھیرو''۔ (سورہ ہود: ۵۲)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص بکثرت استغفار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے ہر غم سے چھٹکارا اور ہر تنگی سے کشادگی عنایت فرماتے ہیں اور اسے ایسی راہوں سے رزق عطا فرماتے ہیں جن کا اس کے وہم وگمان میں گذر تک نہیں ہوتا''۔ (ابوداؤد، ح: ۱۵۱۸)

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کے ساتھ طلب بارش کے لئے نکلے، آپ صرف استغفار کر کے واپس آ گئے، لوگوں نے عرض کیا حضرت ہم نے آپ کو استسقاء کی دعا کرتے سنا ہی نہیں۔ آپ نے فرمایا میں نے آسمان سے بارش برسانے والے سے بارش طلب کی ہے۔ پھر آپ نے آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔
امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ ہر اس شخص کو استغفار کا حکم دیتے جو آپ سے خشک سالی، فقر، اولاد کی کمی اور باغات سوکھنے کی شکایت کرتا۔

استغفار کی حقیقت

توبہ واستغفار کی حقیقت یہ ہے کہ انسان گناہ کو گناہ سمجھ کر چھوڑ دے، اپنے کئے پر شرمندہ ہو، آئندہ ترک معصیت کا پختہ عزم کرے اور جہاں تک ممکن ہو اعمال خیر سے اس کا تدارک کرے۔ اگر اس گناہ کا تعلق حقوق العباد سے ہو تو اس کی توبہ کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ صاحب حق سے معاملہ صاف کرے۔ ان شرائط کے بغیر توبہ بے حقیقت ہے۔

تقویٰ کی حقیقت

تقویٰ اللہ کے احکام پر عمل اور ممنوعات سے اجتناب کا نام ہے۔ تقویٰ ان امور میں سے ایک ہے جن سے رزق میں برکت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:
”جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لئے راہ نکال دے گا اور اس کو وہاں سے رزق دے گا۔ جہاں سے اس کو گمان بھی نہ ہوگا“۔ (سورہ طلاق:۲-۳)
حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں کشادگی رزق کے متعلق یہ سب سے مہتم بالشان آیت ہے۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”اور اگر بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم آسمان وزمین کی برکتوں کے دروازے ان پر کھول دیتے۔ لیکن انہوں نے جھٹلایا اس لئے ہم نے ان کی کمائی کی پاداش میں ان کو پکڑ لیا“۔ (سورۃ الاعراف:۹۶)
سورہ مائدہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”اگر وہ تورات اور انجیل اور اس (کتاب کو جو ان کے رب کی طرف سے ان کے پاس بھیجی گئی ہے قائم کرتے تو انہیں اوپر سے بھی رزق ملتا اور ان کے قدموں کے نیچے سے بھی ان میں ایک گروہ ضرور راہ راست پر ہے لیکن زیادہ تر لوگ ایسے ہیں جن کے اعمال بہت برے ہیں“۔ (سورہ مائدہ:۶۶)
اس آیت میں لفظ ”برکات“ استعمال کیا گیا ہے جو برکت کی جمع ہے۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ برکتیں مختلف انواع واقسام کی ہوا کرتی ہیں۔ نیز یہ بات قابل ذکر ہے کہ برکت کا مطلب کثرت مال نہیں بلکہ کفایت مال ہے۔ ورنہ بہت سے لوگ کثرت مال کے باوجود معاشی تنگی کا رونا روتے ہیں اور معاشی طور پر بہت سے بظاہر درمیانی درجے کے لوگ انتہائی اطمینان سے زندگی گذارتے ہیں۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ میں آسمان کی برکت سے مراد بارش اور زمین کی برکت سے مراد نباتات، میوہ جات، مویشی، چوپایوں کی کثرت اور امن وسلامتی ہے کیوں کہ آسمان باپ اور زمین ماں کے قائم مقام ہے اور مخلوق خدا کی تمام بھلائیاں اور منافع انہیں دونوں سے وابستہ ہیں۔ امام خازن رحمۃ اللہ علیہ کے بقول برکت کی حقیقت یہ ہے کہ کسی چیز میں من جانب اللہ خیر پائی ہے۔

عبادتِ خداوندی

اس سے مراد یہ ہے کہ عبادت کے دوران بندہ کا دل وجسم دونوں حاضر رہے۔ اللہ کے حضور میں خشوع وخضوع کا پاس رکھے۔ اللہ کی عظمت ہمیشہ اس کے

دل ودماغ میں حاضر رہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کہ بلا شبہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے ابن آدم! میری عبادت میں منہمک رہو میں تیرا دل غنا سے بھردوں گا اور تمہاری محتاجگی کا دروازہ بند کردوں گا۔ اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو تمہارے ہاتھوں کو کثرت مشاغل سے بھردوں گا اور تمہاری محتاجگی کا دروازہ بند نہیں کروں گا۔ (ابن ماجہ، ح:۴۱۰۷)

توکل علیٰ اللہ کی حقیقت

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ’’جو اللہ پر بھروسہ کرے گا تو وہ اس کے لئے کافی ہوگا، اللہ اپنا کام پورا کر کے رہتا ہے، اللہ نے ہر چیز کے لئے ایک اندازہ (قوت) مقرر کر رکھا ہے‘‘۔ (طلاق:۳)

حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ’’اگر تم حسن وخوبی کے ساتھ اللہ پر توکل کرو تو تمہیں اس طرح رزق دیا جائے گا جس طرح پرندوں کو رزق دیا جاتا ہے، وہ صبح کے وقت خالی پیٹ جاتے ہیں اور شام کے وقت آسودہ ہوکر لوٹتے ہیں‘‘۔ (مسند احمد، ح:۲۰۵)

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ احیاء العلوم میں لکھتے ہیں کہ اللہ پر دل کے اعتماد کو توکل کہتے ہیں۔ علامہ منادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ’’اللہ پر بھروسہ اور اپنی طرف سے عاجزی کو توکل کہتے ہیں۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کے بقول اس بات کا یقین کہ موجودات میں صرف اللہ کی ذات موثر ہے کسی چیز کا نفع، نقصان، امیری، غریبی، صحت، مرض، حیات اور موت وغیرہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔

توکل کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ کسب معاش کی تمام کوششوں کو ترک کردیا جائے اور ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہا جائے۔ خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پرندوں کی

مثال پیش کی ہے کہ وہ تلاش رزق میں صبح سویرے نکل جاتے ہیں۔ پرندوں کا صبح سویرے اپنے آشیانوں سے نکلنا ہی ان کی کوشش ہے۔ ان کی انہیں کوششوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کو شام کے وقت اسودہ وسیراب واپس کرتے ہیں۔ لہٰذا اسباب کا اختیار کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے، بلکہ اسباب اختیار کرنا عین تقاضائے شریعت ہے۔ ایک مرتبہ ایک صحابی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں اپنی اونٹنی کو چھوڑ دوں اور توکل کرلوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اسے باندھو، پھر توکل کرو‘‘۔
(مسند الشہاب، حدیث نمبر:۱۴۶۳۳/۳۶۸)

انفاق فی سبیل اللہ کا خلاصہ

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اور جو کچھ تم خرچ کرو گے اس کا اجر اس کے پیچھے آئے گا، اور وہ بہترین رزق ہے‘‘۔ (سورہ سبا: ۳۹) دوسری جگہ فرمان باری ہے: ’’شیطان تمہیں مفلسی سے ڈراتا ہے اور بے حیائی کے کاموں کی ترغیب دیتا ہے، مگر اللہ اپنی طرف سے مغفرت اور فضل (رزق میں کشادگی اور برکت) کا وعدہ کرتا ہے، اللہ بڑی وسعت والا اور بڑا علم والا ہے‘‘۔ (سورۃ البقرہ:۲۶۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ’اے ابن آدم! خرچ کر، میں تیرے اوپر خرچ کروں گا‘۔ (ابن ماجہ، ح: ۲۱۲۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال سے فرمایا: ’اے بلال! خرچ کرو اور عرش والے سے افلاس کا خوف نہ کرو‘۔ (مشکوٰۃ، ح:۱۸۸۵)

اہل علم ومعرفت پر خرچ کرنا

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دو بھائی تھے۔ ایک بھائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

خدمت میں علم و معرفت حاصل کرنے آیا کرتا تھا اور دوسرا بھائی کسب معاش میں لگا ہوا تھا۔ کسب معاش سے جڑے بھائی نے نبی کریم ﷺ سے اپنے بھائی کی شکایت کی (کہ میرا بھائی کسب معاش میں میرا تعاون نہیں کرتا) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہوسکتا ہے کہ تمہیں اسی کی برکت سے رزق دیا جاتا ہو۔ (ترمذی، ح:۲۳۴۸) علماء نے لکھا ہے کہ علوم اسلامیہ میں مشغول رہنے والے لوگ درج ذیل آیت کریمہ کے مفہوم میں داخل ہیں: ''اعانت کے اصل مستحق وہ حاجت مند ہیں جو اللہ کی راہ میں ایسے گھِر گئے ہیں کہ زمین میں دوڑ دھوپ نہیں کرسکتے، بے خبر آدمی ان کی خودداری دیکھ کر انہیں غنی خیال کرتا ہے، تم ان کو ان کے چہروں سے پہچان سکتے ہو، وہ لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے، اور جو مال بھی تم خرچ کروگے اللہ اس کو جانتا ہے''۔ (سورہ البقرہ:۲۷۳)

صلہ رحمی کا جامع مفہوم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جسے وسعت رزق اور درازئ عمر کی خواہش ہو اسے رشتہ داروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا چاہیے''۔ (صحیح البخاری، کتاب الادب، حدیث نمبر:۵۹۸۵)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جسے درازئ عمر، وسعت رزق اور بری موت سے چھٹکارہ پانے کی خواہش ہو اسے اللہ سے ڈرنا چاہئے اور رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہئے۔ (مسند احمد، حدیث نمبر:۱۲۱۲)

رِحَم سے مراد رشتہ دار ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں رحم کا اطلاق رشتہ داروں پر ہوتا ہے خواہ ان کے درمیان وراثت اور محرمیت کا تعلق ہو یا نہ ہو۔ صلہ رحمی کا جامع مفہوم یہ ہے کہ حسب وسعت رشتہ داروں کے ساتھ خیر خواہی اور بھلائی کا معاملہ کیا جائے اور شر و فتن سے انہیں محفوظ رکھا جائے۔

کمزوروں کے طفیل رزق

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ بندوں کو ان کے کمزوروں کی وجہ سے رزق ملتا ہے اور ان کی مدد کی جاتی ہے۔ حضرت مصعب بن سعدؓ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ سعد رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ انہیں دیگر لوگوں پر فضیلت حاصل ہے، تو رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کمزوروں کے طفیل میں ہی تم کو رزق ملتا ہے اور تمہاری مدد کی جاتی ہے۔ (بخاری، کتاب الجہاد والسیر : ۱۰۸،۱۴/۱۷۹)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ میری رضا اپنے کمزوروں کے اندر تلاش کرو، کیوں کہ تمہیں کمزوروں کی وجہ سے رزق ملتا ہے اور تمہاری مدد کی جاتی ہے۔ (مسند احمد، ۱۹۸/۵، ابوداؤد، ح:۲۵۹۱، ترمذی، ابواب الجہاد:۱۷۵۴)

پے در پے حج و عمرہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''پے در پے حج و عمرہ کرو، کیوں کہ یہ فقر اور گناہوں کو اس طرح دور کردیتے ہیں جس طرح بھٹی لوہے، سونے اور چاندی کے میل کچیل کو دور کردیتی ہے، اور حج مبرور (مقبول) کا بدلہ صرف جنت ہے''۔ (مسند احمد، ح:۳۶۶۹، ترمذی، ح:۸۰۷)

آج کے اس دور میں امت محمدیہ کے بے شمار افراد ایسے مسائل اور مصائب میں مبتلا ہیں کہ پے در پے حج اور عمرہ کرنے والے اگر اپنے ان بے کس اور بے یار و مددگار لوگوں کی امداد کریں تو یہ حج اور عمرہ سے بھی افضل ہے، جیسا کہ دیگر احادیثِ پاک میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے۔

ہجرت دارالکفر

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:''جوکوئی اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا وہ زمین میں بہت سے ٹھکانے اور بڑی وسعت پائے گا''۔ (سورۃ النساء:۱۰۰) ہجرت دارالکفر (جہاں امورِ ایمان کی ادائیگی کی آزادی مسلوب ہو) سے دارالایمان کی طرف نکلنے کو کہتے ہیں۔ حقیقی ہجرت اس وقت ہوگی جب مہاجر کا ارادہ اللہ کا دین قائم کرکے اسے خوش کرنا ہواور ظالم کافروں کے خلاف مسلمانوں کی مدد کرنی ہو۔

یہ وہ دس اصول ہیں جن کے بارے میں قرآن وحدیث میں وضاحت ہے کہ ان سے بندہ کے رزق میں اضافہ ہوتا ہے اوراس کی تنگی دور کردی جاتی ہے۔ لیکن انسان کو ہمیشہ یہ بات یادرکھنی چاہیئے کہ اصل بے نیاز تو اللہ کی ذات ہے، انسان کی بے نیازی یہ ہے کہ وہ اس غنی ذات کے سوا پوری دنیا سے بے نیاز ہوجائے اور یہ سمجھ لے کہ جو کچھ اسے ملے گا اسی سے ملے گا، غیر کے آگے ہاتھ پھیلانا بے کار ہے۔ خدا کی رزاقیت وکارسازی کا یقین دلوں کا قناعت وطمانیت کی دولت سے مالامال کرتا ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ تونگری مال واسباب کی کثرت کا نام نہیں بلکہ اصل تونگری دل کی تونگری ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے مجھ سے ارشادفرمایا کہ ابوذر! تمہارے خیال میں مال کی کثرت کا نام تونگری ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں! پھر فرمایا: تو تمہارے خیال میں مال کی قلت کا نام محتاجی ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: استغناء دل کی بے نیازی ہے اور محتاجی دل کی محتاجی۔ (فتح الباری، ج:۱۱،ص:۲۳۲)

☆☆☆

بیعت الرضواں

بنی کنانہ کا ایک شخص جس کا نام حلیس تھا قریش کی اجازت سے آنحضرت ﷺ نے حلیس کو جب دور سے آتے دیکھا تو فرمایا کہ قربانی کے جانوروں کو کھڑا کردو، یہ شخص ان لوگوں میں سے ہے جو قربانی کے جانوروں کی تعظیم کرتے ہیں۔ حلیس قربانی کے اونٹوں کو کھڑا دیکھ کر راستے ہی سے واپس ہوگیا اور قریش سے جا کر کہا کہ ''رب کعبہ کی قسم! یہ لوگ تو فقط عمرہ کرنے آئے ہیں، انہیں بیت اللہ سے ہرگز نہیں روکا جاسکتا''۔ قریش نے حلیس کو جنگلی اور گنوار کہہ کر اسے بات کرنے سے روک دیا۔ حلیس کے بعد مکرز آیا، وہ حضور ﷺ سے ابھی گفتگو کرہی رہا تھا کہ اتنے میں قریش کی طرف سے سہیل بن عمر صلح کے لئے پہنچ گئے۔ حضور ﷺ نے جب سہیل کو آتے دیکھا تو صحابہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:''البتہ تمہارا معاملہ کچھ سہل ہوگیا'' سہیل حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دیر تک صلح اور شرائط صلح پر گفتگو ہوتی رہی۔ گفت وشنید کے بعد معاہدے کی شرائط پر اتفاق ہوا۔ قریش کے نمائندے نے کہا کہ ایک نوشتہ میں اسے تحریر کروادیجئے۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ معاہدہ لکھو۔ ابتداء میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا گیا تو سہیل نے اعتراض

کیا کہ ہم کسی رحمٰن ورحیم کو نہیں جانتے۔ جیسا کہ دستور ہے، اسی کے مطابق لکھو۔ **باسمک اللھم** یعنی اے اللہ! تیرے نام سے، اس فقرے کے معنی میں شرک کا کوئی پہلو نہ تھا، اس لئے اجازت دے دی۔ اس کے بعد فرمایا لکھو، یہ وہ نوشتہ ہے جس پر تصفیہ اور فیصلہ محمد رسول اللہ ﷺ کا اور اہل مکہ کا قرار پایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فوراً لکھ دیا۔ سہیل نے کہا کہ ہم آپ ﷺ کو پیغمبر مان لیتے تو جھگڑا ہی کس بات کا تھا۔ یہاں اپنا اور اپنے والد کا نام لکھئے۔ فرمایا تم جھٹلاتے ہو لیکن اللہ کی قسم میں اس کا رسول ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ارشاد ہوا اسی طرح لکھ دو جس طرح یہ چاہتا ہے۔ سہیل بن عمرو کی گستاخیوں پر حضرت علی رضی اللہ عنہ بھپرے ہوئے تھے۔ عرض کیا مجھ سے یہ نہ ہو سکے گا اور سہیل سے کہا خوب سمجھ لو، رسول اللہ کا لفظ میں ہرگز نہیں مٹاؤں گا۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نہیں بول رہے تھے بلکہ ان کے جذبہ ایمانی کی آواز تھی جو مصلحت کے ہر تقاضے سے بالاتر تھی۔ اس نافرمانی پر ہزاروں فرماں برداریاں قربان۔ حضور ﷺ نے خود اپنے دست مبارک سے رسول اللہ مٹا کر محمد بن عبداللہ لکھ دیا۔ ابھی معاہدہ لکھا ہی جا رہا تھا کہ ایک شخص زخموں سے چور، پابہ زنجیر، حالت کرب میں کسی طرح وہاں پہنچ گیا۔ یہ سہیل کے صاحبزادے حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ تھے۔ اسلام لانے کی پاداش میں قید کر دیئے گئے تھے۔ اور سخت ایذائیں سہہ رہے تھے جس نے دیکھا، کلیجہ منہ کو آ گیا، بے اختیار آہ نکل گئی، باپ نے انہیں یہاں موجود پایا تو اٹھ کر ایک طمانچہ رسید کیا اور کہا اے محمد (ﷺ) تم اسے پناہ نہیں دے سکتے، میرے اور تمہارے درمیان معاہدے طے پا چکا ہے۔ ارشاد ہوا ابھی پوری طرح لکھا نہیں گیا، سہیل غصے سے چراغ پا ہو گیا، چیخ اٹھا، اسے ابھی اسی وقت ہمارے حوالے کر دو، یہ پہلا آدمی ہے جسے معاہدے کے مطابق آپ کو لوٹانا ہو گا۔ پھر سہیل نے ابو جندل رضی اللہ عنہ سے کھینچ تان شروع کر دی۔ کچھ دیر حضور اکرم ﷺ صورتحال پر غور

کرتے رہے۔ ارشاد ہوا، سہیل میری خاطر اسے چھوڑ دو، بھپر کر جواب دیا مجھے آپ کی خاطر بھی منظور نہیں۔ جب کوئی صورت نہ رہی تو فرمایا اچھا تم اسے لے جاؤ مگر انہیں ایذا نہ دینا۔ کوئی حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ کی کسمپرسی کا عالم دیکھتا۔ تڑپ کر فرمانے لگے۔ مسلمانو! میں ایمان لے آیا ہوں کیا مجھے درندوں کے حوالے کر دیا جائے گا جو مجھے اذیتیں دے دے کر مار ڈالیں گے، ہائے بے بسی کہ مسلمان بھائی اپنے بھائی کو طوق وسلاسل میں درندوں کے حوالے ہوتا دیکھ رہے تھے، تاب گفتار نہ تھی البتہ سیل اشک ہر آنکھ سے رواں تھا۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ان کے لئے بہتری کی کوئی صورت نکال دے گا صبر کرو۔ آخر صلح کی شرائط طے پائیں جو ضبط تحریر میں آ کر ''معاہدہ حدیبیہ'' کے نام سے موسوم ہوئیں۔ یہی وہ معاہدہ حدیبیہ ہے جسے عہد نبوی ﷺ کی سیاست خارجہ کا شاہ کار کہنا چاہئے۔ معاہدے کے چند نکات یہ تھے۔

صلح حدیبیہ کے نتائج

فریقین نے اس بات پر صلح کر لی ہے کہ دس سال تک جنگ روک دی جائے جس دوران یہ لوگ امن سے رہیں۔

● محمد ﷺ کے ساتھیوں سے جو حج یا عمرے یا تجارت کے لئے مکہ آئے تو اس کی جان ومال کا امان ہو گا اور قریش کا جو شخص تجارت کیلئے مصر یا شام جاتے ہوئے مدینہ سے گذرے تو اسے جان ومال کا امان حاصل ہو گا۔

● قریش کا جو شخص اپنے ولی (سرپرست) کی اجازت کے بغیر محمد ﷺ کے پاس آئے گا تو آپ ﷺ ان کے سپرد کر دیں گے اور محمد ﷺ کے ساتھیوں میں سے جو شخص قریش کے پاس آ جائے گا وہ اسے آپ ﷺ کے سپرد نہیں کریں گے۔

● یہ کہ جو محمد ﷺ کے معاہدے اور ذمہ داری میں داخل ہونا چاہتا ہے وہ بھی ایسا کر سکے گا اور جو قریش کے معاہدے اور ذمہ داری میں داخل ہونا چاہتا ہے وہ بھی ایسا کر سکے گا۔ (اس پر قبیلہ خزاعہ نے اٹھ کر کہا کہ ہم محمد ﷺ کے معاہدے اور ذمہ داری میں شریک ہوتے ہیں اور بنی بکر نے کہا کہ ہم قریش کے معاہدے اور ذمہ داری میں شریک ہوتے ہیں۔

● مسلمان اس سال ہمارے پاس سے واپس چلے جائیں گے اور مکہ نہیں آئیں گے، البتہ آئندہ سال ہم باہر چلے جائیں گے اور مسلمان مکہ میں داخل ہوکر تین راتیں ٹھہر سکیں گے اور ان کے ساتھ سوار کا ہتھیار ہوگا یعنی تلوار میان میں پڑی ہوگی۔

دو ہفتے بعد مسلمان حدیبیہ سے مدینہ منورہ کی جانب روانہ ہوئے۔ واپسی کے وقت عام احساس یہی تھا کہ ہم ناکام لوٹ رہے ہیں۔ راستے میں سورہ فتح نازل ہوئی۔ ''ہم نے تمہیں فتح دی، فتح بھی مبین یعنی صاف اور واضح تا کہ اللہ تمہارے اگلے اور پچھلے گناہ بخش دے اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دے اور تمہیں سیدھے راستے پر چلائے اور اللہ تمہاری ہر ممکن اور بہتر سے بہتر مدد کرے''۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا اور کہا، رات مجھ پر ایک ایسی سورت نازل ہوئی ہے جو مجھے ان تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے۔ جن پر آفتاب طلوع ہوتا ہے، پھر سورہ فتح سنائی۔ تمام صحابہ رضی اللہ عنہ کو جمع کر کے اس کی دوبارہ تلاوت فرمائی۔ سب حیران تھے کہ اس صلح کو کس طرح فتح کہا جا سکتا ہے؟ مدینہ پہنچ کر ایک شخص نے اپنے ساتھیوں سے کہا: ''یہ کیسی فتح ہے کہ ہم بیت اللہ جانے سے روک دیئے گئے، مظلوم بھائیوں کو ظالموں سے بچا بھی نہ سکے'' یہ بات جب حضور ﷺ تک پہنچی تو فرمایا، بڑی غلط بات کہی گئی ہے، حقیقت میں یہ بہت بڑی فتح ہے، تم مشرکوں کے عین گھر تک پہنچ گئے۔ انہوں نے آئندہ سال عمرے کی درخواست پر تمہیں واپس جانے پر راضی کیا۔

خود جنگ بند کرنے اور صلح کرنے کی خواہش کی ان کے دلوں میں جیسا بغض ہے تم اس سے بخوبی واقف ہو۔ اللہ نے تمہیں ان پر غلبہ عطا کر دیا، کیا وہ دن بھول گئے جب احد میں تم بھاگے جا رہے تھے؟ احزاب میں دشمن تم پر چڑھ آیا تھا اور تمہارا کلیجہ منہ کو آرہا تھا؟ اس آیت میں لفظ فتح کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض اس سے صلح حدیبیہ مراد لیتے ہیں، بعض فتح مکہ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی صلح کو فتح سمجھتے ہیں۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ بن عازب کہتے ہیں کہ اس آیت میں جس فتح کا ذکر ہے وہ فتح ''بیعت الرضوان'' ہے۔ فتح مکہ بھی ایک فتح ہے لیکن بیعت الرضوان ایک فتح عظیم ہے کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خوش خبری سنائی ہے کہ وہ ان لوگوں سے راضی ہو گیا ہے جنہوں نے اس نازک موقع پر جان کی بازی لگا دینے کے عہد میں ذرہ برابر بھی تامل سے کام نہیں لیا۔ غرض اس سے جو بھی فتح مراد لی جائے اس میں شک نہیں کہ صلح حدیبیہ دراصل فتوحات کی ابتدا ہے۔

ناگفتہ بہ حالات میں حضور اکرم ﷺ کی یہ حکمت قیامت تک پیدا ہونے والے ایمان والوں کے لئے مشعلِ راہ ہے اس طرح کے حالات سے مسلمان ہر دور میں اور ہر خطہ میں دوچار ہو سکتے ہیں، اس وقت صلح حدیبیہ کی روشنی میں معاملات کی حقیقت کو جانیں اور قرآن وسنت کو اپنا رہبر بنائیں۔ (محمد ادریس حبان رحیمی)

☆☆☆

دعوت وتبلیغ کیلئے داعی کا کردار

حضرت ابوموسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے ان کو اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا کہ تم دونوں آسانی کرنا، دشواری اور سختی نہ کرنا، خوشخبری سنانا، نفرت مت دلانا اور اتفاق سے مل جل کر کام کرنا اختلاف اور پھوٹ نہ کرنا۔ (مسلم)

بے شمار روایات میں مختلف انداز سے اس مضمون کی زیارت حدیث شریف کی کتابوں میں ہوتی ہے۔ داعیان حق اور اللہ ورسول اللہ ﷺ کی طرف بلانے والے لوگوں کو اس حدیث شریف میں ایک زبردست ہدایت دی گئی ہے۔ کہ داعی چاہے کوئی شخص ہو یا جماعت ہو، دعوت دیتے وقت وہ یسر اور آسانی والی راہ کی نشاندہی کریں۔ اللہ کی مخلوق پر کوئی زیادتی نہ کریں اور الجھن میں نہ ڈالیں۔ خود بھی چھوٹے چھوٹے مسائل میں نہ الجھتے ہوئے شرک سے نفرت دلا کر توحید خالص کی طرف بلائیں اور دین کے اہم ارکان نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ کے ادا کرنے کی رغبت دلائیں، اور بڑے بڑے گناہ کبائر اور حرام کاموں سے بچنے کی طرف توجہ دلائیں۔ بعض دعوت کے کام کرنے والوں کو دیکھا گیا ہے۔ کہ وہ چھوٹے چھوٹے

مسائل میں لوگوں کو الجھا دیتے ہیں اور آس توڑ بیٹھتے ہیں کہ معلوم نہیں ہماری بخشش ہوگی بھی یا نہیں، لہٰذا ہر داعی حق کو چاہئے کہ دین کی دعوت میں ایسا کوئی طریقہ نہ اختیار کرے کہ لوگ متنفر ہو جائیں یا ناامید ہو جائیں۔

داعیانہ صفات کا حامل ہونا ضروری

مثال کے طور پر لوگوں کو نماز ہی کی طرف بلائیں تو ان کو بہت زیادہ نوافل، سنت موکدہ، سنت غیر موکدہ اور بہت سارے مسائل اور ڈھیر ساری سنن موکدہ کو ترتیب وار مختصر طور پر بتا دیا جائے اور انہیں آسانی دی جائے غلطیوں پر کبھی کبھی نشاندہی بھی کر دی جائے۔ حکمت کے ساتھ تاکید نماز سے لوگوں کو گھبراہٹ اور اکتاہٹ نہ ہو بلکہ رغبت ہو۔

موجودہ زمانہ میں بعض بعض داعیان حق کو دیکھا گیا ہے کہ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں کو لے کر الجھ پڑتے ہیں۔ اس حدیث کے الفاظ پر بار بار غور کرنا چاہئے کہ حضور ﷺ نے اپنے دونمائندوں حضرت معاذ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف دعوتی کام کے لئے بھیجا تو ان کو نصیحت فرمائی کہ یسر اور آسانی کا معاملہ کریں، سختی نہ کریں اور لوگوں پر دین کا دائرہ تنگ نہ کریں۔ اللہ پاک کا قرآن میں فرمان بھی ایسا ہے کہ اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے تم کو مشکل میں ڈالنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ (بقرہ)

حدیث کا یہ جملہ بھی زیر نظر رہے کہ خوشخبری سنانا، نفرت مت دلانا۔ لہٰذا اللہ کی طرف بلانے میں ان چیزوں کو اول اہمیت دینی چاہئے جس پر انسان کی نجات اور مغفرت منحصر ہے اور جو چیز دین کی بنیاد اور اصل ہیں پھر دھیرے دھیرے دین وشریعت کے دوسرے پہلوؤں کی طرف رہنمائی کر کے دین کے ہر ہر حکم پر ان کی

طبیعت جمانے کی کوشش کیجئے اور عمل کرنے کے لئے آمادہ کریں۔اس حدیث پاک میں تیسرا مضمون جو بیان کیا گیا ہے وہ عصر حاضر کی تمام دینی جماعتوں کے ذمہ داروں اور افراد کے لئے قابل غور وفکر ہے کہ مل جل کر اور اتفاق سے کام کیا جائے، اختلاف اور پھوٹ نہ پیدا کی جائے۔

داعی جب لوگوں کو اللہ کی طرف بلائے گا تو اسے یہ خیال رکھنا ہی ہے کہ جن سے بات چیت کرنی ہے اور دعوت دینا ہے ان کو کسی دشواری میں نہ ڈالا جائے اور اختلاف وانتشار کا شکار نہ بنایا جائے۔اسی کے ساتھ ساتھ داعی کو اس کا بھی خیال رکھنا ہے کہ داعی خود اپنے احباب ورفقاء معاونین سے بھی اختلاف کر کے پھوٹ کا شکار نہ ہو بلکہ ہر طرح اتفاق واتحاد کو باقی رکھنے کی کوشش کرے۔خلاصہ یہ کہ داعی کے اندر ایثار وقربانی کا ایسا جذبہ کارفرما ہو جیسا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں تھا۔

☆☆☆

ترکِ عمل کا نام توکّل نہیں

عام طور پر توکل کو صرف ایک ہی زاویے سے دیکھا جاتا ہے حالانکہ توکل کے معنی بھروسہ کرنے کے ہیں اور اصطلاح میں خدا پر بھروسہ کرنے کے ہیں۔لیکن یہ بات عام فہم ہے کہ بغیر کوئی حرکت اور تدبیر کے کسی چیز کو حاصل کرنے کے لئے خدا پر توکل اور اعتماد کافی نہیں ہے اگر ایسا ہوتا تو ہر کوئی ہاتھ پر ہاتھ دھرے رکھ کر اپنی ضروریات اور ارادات میں کامیاب ہو جاتا۔روزی کمانے کے لئے مشقت نہ کرتا، امتحان میں کامیابی کے لئے دن رات پڑھائی نہ کرتا، دشمنوں پر غالب ہونے کے لئے جنگی تیاریاں نہیں کرتا۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ توکل کے معنی بھروسہ کرنے کے ہیں نہ کہ ترک عمل، تدبیر اور جدوجہد بلکہ کسی کام کو انجام دینے کا عزم کرلو اور اس عزم کے بعد کام کو پوری مستعدی کے ساتھ کرنا شروع کردو اور خدا پر توکل اور بھروسہ رکھو کہ وہ تمہارے کام کا حسب خواہ نتیجہ پیدا کرے گا۔اگر ایسا نتیجہ نہ نکلے تو اس کو خدا کی حکمت ومصلحت اور مشیت سمجھو اور اس سے مایوس نہ ہو اور جب نتیجہ خاطر خواہ نکلے تو یہ غرور نہ ہو کہ یہ تمہاری تدبیر اور جدوجہد کا نتیجہ اور اثر ہے بلکہ یہ سمجھو کہ خدائے تعالیٰ کا تم پر فضل وکرم ہوا اور اس نے تم کو کامیاب اور بامراد کیا اگر

کوئی ایسا نہ کرے بلکہ چپ چاپ بیٹھ رہے اور یہ سمجھا جائے کہ خدا کو جو کچھ کرنا ہے وہ خود کر دے گا یعنی تقدیر میں جو کچھ ہے وہ ہو کر رہے گا اسباب اور تدبیر کی ضرورت نہیں یہ اپاہجوں کا دل خوش کن فلسفہ ہے جس کا اسلام سے ذرہ بھر بھی تعلق نہیں۔

اگر تدبیر اور جدو جہد کوشش کا ترک ہی توکل ہوتا تو دنیا میں لوگوں کو سمجھانے کے لئے اللہ تعالیٰ پیغمبروں کو مبعوث نہ کرتا اور نہ ان کو اپنی تبلیغ ورسالت کے لئے جدو جہد اور سرگرمی کی تائید فرماتا اور نہ اس راہ میں جان ومال کی قربانی کا حکم دیتا، نہ بدر واحد اور خندق وحنین میں سواروں، تیراندازوں، ذرہ پوش اور زور آزماؤں کی ضرورت پڑتی اور نہ رسول ﷺ کو ایک ایک قبیلہ کے پاس جا جا کر حق کی دعوت کا پیغام سنانے کی حاجت ہوتی پورے عزم وارادے اور مستعدی سے کام کو انجام دینے کے ساتھ اثر اور نتیجہ خدا کے بھروسہ پر چھوڑ دینا ہی توکل ہے۔

ہمارے حضرت حاذق الامت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ توکل کے اصل معنی یہ ہیں کہ ایسا صبر وتحمل ہو کہ ہر طرح کی پریشانی اور حالات میں قائم کرے اور پیش آنے والی مصیبت یا تکلیف سے نہ گھبرائے اور اللہ سے مدد طلب کرتا رہے۔

☆☆☆

سبق آموز حالات وواقعات

قصائص و واقعات عبرت اور سبق آموز ہوا کرتے ہیں اسی لئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سامنے رسول اکرم ﷺ گزشتہ قوموں کے قصے اور ان کے حالات و واقعات بیان فرماتے، جس کا سننے والوں پر بہت اچھا اثر پڑتا اور اس طرح ان کے ذہن کو بہتر طریقے پر موڑا جاتا، اس لئے کہ سامعین بڑی توجہ اور پوری بیداری کے ساتھ ان قصوں اور حالات کو سنتے، جن کا دل پر بہتر اثر پڑتا اس لئے کہ اس میں مخاطب کو کرنے یا نہ کرنے کا کوئی حکم نہ ہوتا بلکہ دوسروں کے حالات بیان فرما کر ان کو سبق ملتا اور نصیحت حاصل ہوتی، تعلیم وتربیت کا بہترین نمونہ سامنے آتا اور پیروی کا احساس از خود بے دار ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی تعلیم میں یہی انداز بیان پیش فرمایا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ''اے محمد ﷺ اور پیغمبروں کے وہ سب حالات جو ہم تم سے بیان کرتے ہیں ان سے ہم تمہارے دل کو قائم رکھتے ہیں''۔ (سورہ ہود)

بھائی سے محبت کی فضیلت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ''آپ ﷺ نے فرمایا ایک شخص اپنے بھائی سے جو دوسرے گاؤں میں رہتا تھا، ملاقات کے لئے گیا۔ اللہ تعالیٰ نے

اس کے راستے میں ایک فرشتے کو لگا دیا، جب فرشتہ اس شخص کے پاس آیا تو سوال کیا، تم کہاں جا رہے ہو؟ اس شخص نے جواب دیا، اس گاؤں میں میرا بڑا بھائی رہتا ہے، اس سے ملنے جا رہا ہوں، فرشتے نے سوال کیا، کیا اس کے پاس تمہاری کوئی جائیداد وغیرہ ہے؟ جسے دیکھنے اور نگرانی کی غرض سے تم وہاں جا رہے ہو؟ اس نے جواب دیا نہیں، ایسا کوئی مقصد نہیں ہے میں اس سے اللہ کے واسطے محبت کرتا ہوں، اس محبت ہی کے سبب اس سے ملنے جا رہا ہوں۔ یہ جواب سن کو اس فرشتے نے کہا، مجھے تمہارے پاس اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بھائی سے محبت کے سبب تم سے محبت فرماتا ہے''۔

کتّے کو پانی پلانے پر مغفرت

اس انداز سے تعلیم دینے کا آپ ﷺ کا وہ طریقہ بھی ہے جس حدیث میں آپ ﷺ نے جانوروں پر رحم کرنے اور ان کا خیال رکھنے کی تعلیم دی اور انہیں اذیت اور تکلیف پہنچانے اور ستانے پر عذاب خداوندی سے ڈرایا گیا ہے۔ ''بخاری ومسلم'' نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''ایک شخص سفر کر رہا تھا، دوران سفر اسے بہت زور کی پیاس لگی، اسے ایک کنواں نظر آیا، کنویں میں اتر گیا، پانی پیا، پھر باہر نکل آیا۔ اچانک کیا دیکھتا ہے کہ ایک کتا ہانپ رہا ہے اور (پیاس کی شدت میں) کیچڑ چاٹ رہا ہے۔ یہ منظر دیکھ کر اس نے اپنے دل میں کہا یہ کتا بھی پیاس کی شدت کی اسی تکلیف میں مبتلا ہے۔ جس میں میں تھا۔ چنانچہ وہ دوبارہ کنویں میں اترا اور اپنے چمڑے کے جوتے میں پانی بھرا اور اسے اپنے منہ سے پکڑ لیا، یہاں تک کہ اوپر آ گیا اور کتے کو پانی پلایا، اس کی یہ ادا اللہ تعالیٰ کو ایسی پسند آئی کہ اس عمل کے سبب اللہ نے اس کی مغفرت فرما دی''۔ یہ واقعہ سن کر

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا، اللہ کے رسول ﷺ کیا جانوروں پر رحم کرنے اور انہیں آرام پہنچانے سے ہمیں ثواب ملتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہر جاندار چیز کو آرام پہنچانے میں ثواب ہے''۔

''بخاری ومسلم'' نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک دوسری روایت میں نقل کیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا! ایک کتا سخت پیاس کی وجہ سے جان بلب ایک کنویں کے گرد چکر لگا رہا تھا کہ اتنے میں بنی اسرائیل کی ایک فاحشہ عورت کی اس پر نظر پڑی اس نے اپنا چمڑے کا جوتا نکالا اور دوپٹے سے باندھ کر اس کے ذریعہ پانی نکالا اور یہ پانی اس کتے کو پلا دیا۔ اس کے اس عمل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی مغفرت فرما دی۔

بلّی کو بھوکا رکھنے پر عذاب

''بخاری ومسلم'' نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ایک عورت کو ایک بلی کی وجہ سے عذاب دیا گیا۔ اس عورت نے اپنی بلی کو باندھ دیا یہاں تک کہ شدید بھوک اور پیاس کی وجہ سے وہ مر گئی، اس کے سبب اس عورت کو جہنم میں ڈال دیا گیا، چونکہ اس نے بلی کو باندھ دیا اور اسے کھانا نہ دیا، نہ پانی دیا، نہ ہی اسے آزاد چھوڑا کہ کچھ کھائے پئے، لہٰذا اسے بھی عذاب دیا گیا۔

عابد پر ماں کی بددعا کا اثر

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا، پالنے کے اندر صرف تین بچوں نے بات کی ہے۔ (۱) حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام۔ (۲) صاحب جریج۔ (جریج ایک عبادت گذار شخص تھے۔ انہوں نے اپنے لئے عبادت

کی خاطر ایک جگہ متعین کر لی تھی، وہیں عبادت و نماز میں مشغول رہا کرتے تھے، وہ نماز پڑھ رہے تھے کہ اسی دوران ان کی والدہ آئیں اور انہی کو آواز دی جریج، آواز سن کر جریج نے کہا! اے میرے مالک، میری ماں اور نماز (یعنی اب کیا کروں؟) یہ کہہ کر نماز میں مشغول رہے۔ (یعنی ماں کو جواب نہ دیا) والدہ واپس چلی گئیں، دوسرے دن پھر یہی صورتحال پیش آئی۔ والدہ آئیں تو وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ والدہ نے آواز دی جریج، پھر انہوں نے کہا، اے میرے مالک میری ماں اور نماز (یہ کہہ کر) نماز میں مشغول رہے۔ والدہ اسی طرح دوسرے دن بھی واپس چلی گئیں۔ اس کے بعد پھر تیسرے دن والدہ آئیں تو جریج نماز پڑھ رہے تھے، پھر انہوں نے آواز دی جریج! جریج نے پھر یہ کہہ کر کہ میرے رب، میری والدہ اور نماز، نماز میں مشغول رہے (جب تیسرے دن بھی) وہ والدہ کی طرف متوجہ نہ ہوئے تو انہوں نے بددعا دی کہ اے اللہ، جریج کی موت اس وقت تک نہ آئے، جب تک کہ یہ فاحشہ عورت کی طرف نہ دیکھے۔ چنانچہ ایک دن بنی اسرائیل کے کچھ لوگ جریج کی عبادت و بزرگی کا تذکرہ کر رہے تھے۔ ایک فاحشہ عورت تھی جو اپنے حسن و جمال میں مشہور تھی۔ اس نے کہا تم چاہو تو میں انہیں اپنے دام میں پھانس لوں، چنانچہ وہ جریج کے سامنے آئی، وہ اس کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ چنانچہ اس نے یہ حرکت کی کہ ایک چرواہے سے بدکاری کی مرتکب ہوئی جو جریج کی عبادت گاہ ہی میں رہتا تھا، جب اس کا بچہ پیدا ہوا تو اس نے کہا یہ جریج سے پیدا ہوا ہے، اس فاحشہ کے بہتان پر لوگ جریج کے پاس آئے اور انہیں مارنا شروع کیا۔ (ایک روایت ہے کہ انہیں بستی میں گھمایا گیا اور انہیں بے عزت کیا گیا، جب فاحشہ عورتوں کے محلے سے گذرے تو وہ سب جریج کو دیکھنے کے لئے نکل آئیں، انہیں دیکھ کر جریج مسکرائے، لوگوں نے انہیں مارنا شروع کیا، تو جریج نے ان لوگوں سے پوچھا کیا بات ہے، بھائی کیوں

مار رہے ہو؟ انہوں نے کہا تم نے اس فاحشہ عورت سے زنا کیا ہے، تم ہی سے اس کا بچہ پیدا ہوا ہے، یہ سن کر جریج نے پوچھا، ''بچہ کہاں ہے؟'' وہ لوگ بچے کو لائے، جریج نے کہا! مجھے نماز پڑھنے کا موقع دو، انہوں نے نماز پڑھی، نماز پڑھ کر بچے کے پاس آئے اور اس کے پیٹ میں کچوکا لگایا اور کہا! اے بچے، تیرا باپ کون ہے؟ بچے نے جواب دیا، فلاں چرواہا۔ راوی کہتے ہیں کہ بچے کی یہ بات سن کر لوگ جریج کو بوسا دینے لگے اور ان کا جسم سہلانے لگے اور کہا کہ ہم تمہاری عبادت گاہ سونے کی بنا دیں گے۔ جریج نے کہا! ''نہیں، یہ مٹی کی جیسی بنی ہوئی تھی ویسی ہی بنا دو'' چنانچہ ان لوگوں نے آپ کی عبادت گاہ بنوا دی۔

ایک روایت میں ہے کہ جب وہ اپنی عبادت گاہ میں گئے تو لوگوں نے پوچھا کہ آپ ہنسے کیوں تھے تو انہوں نے جواب دیا کہ مجھے اپنی والدہ کی بددعا پر ہنسی آئی تھی، یعنی میری یہ آزمائش والدہ کی نافرمانی کی وجہ سے ہوئی۔

فکر آخرت کی ترغیب

تیسرا بچہ جس نے بات کی اس کا قصہ یہ ہے کہ ایک بچہ ماں کا دودھ پی رہا تھا، اسی حال میں شاندار سواری پر نہایت خوش پوشاک ایک شخص گذرا۔ اس بچے کی ماں نے کہا، اے اللہ، تو میرے بچے کو ایسا ہی (خوشحال) بنا جیسا یہ شخص ہے، بچہ دودھ پینا چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہوا اور کہا اے اللہ، مجھے اس شخص جیسا کبھی نہ بنا (یہ کہا) اور پھر دودھ پینے لگا، راوی کہتے ہیں کہ گویا میں اس وقت حضور ﷺ کو دیکھ رہا ہوں کہ آپ ﷺ اپنی شہادت کی انگلی منہ میں ڈال کر اس کو چوستے ہوئے اس بچے کے دودھ پینے کی کیفیت بیان فرما رہے ہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ کچھ دیر بعد لوگ ایک کنیز کو مارتے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے کہ تو نے زنا کیا ہے، چوری کی ہے،

گذرے۔ وہ مارتے جاتے تھے اور کنیز کہتی جاتی تھی اللہ میرے لئے کافی ہے، وہ بہترین نگہبان ہے۔ بچے کی ماں نے یہ منظر دیکھ کر کہا، اے اللہ تو میرے لڑکے کو ایسا (ذلیل وخوار) نہ بنا۔ بچے نے دودھ پینا چھوڑ کر اس لڑکی کی طرف دیکھا اور کہا! اے اللہ، تو مجھے اس (لڑکی) جیسا بنا۔ اس کے بعد ماں اور بچے میں گفتگو ہوئی، ماں نے کہا تعجب ہے ایک آدمی اچھی حالت میں گذرا۔ میں نے دعا کی اے اللہ! میرے بچے کو ایسا بنا، تو نے کہا، اے اللہ تو مجھے اس جیسا نہ بنا اور باندی کو لے کر گذرے۔ وہ لوگ اسے مار رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ تم نے زنا کیا ہے تم نے چوری کی ہے تو میں نے دعا کی اے اللہ! میرے بچے کو ایسا نہ بنا اور تم نے کہا اے اللہ تو مجھے اس باندی جیسا بنا؟ ایسا کیوں؟ بچے نے جواب دیا، یہ آدمی ظالم ہے اس لئے میں نے کہا اے اللہ! تو مجھے ایسا نہ بنا اور یہ باندی جس سے لوگ کہہ رہے تھے کہ تو نے زنا کیا ہے، حالانکہ اس نے زنا نہیں کیا، نہ چوری کی ہے، تو میں نے دعا کی اے اللہ! مجھے ایسا پاک باز بنادے، اس قصے میں فکر آخرت کی ایسی ترغیب ہے اور اس طرح ڈرایا گیا ہے جس کی مزید تشریح کی ضرورت نہیں۔

☆☆☆

رشوت ایک خطرناک جرم

آج کے دور میں رشوت کا لین دین ایسا عام ہو چکا ہے کہ اس میں ملوث افراد یعنی رشوت لینے والا اور دینے والا اپنی ضرورت سمجھتے ہیں حالانکہ رشوت ایک خطرناک جرم ہے جو معاشرہ میں ہزار ہا برائیوں اور مشکلات کو جنم دیتی ہے، قوم کو کھوکھلا کر دیتی ہے، اخلاقی قدروں کو پامال کر دیتی ہے اور زندگی سے برکت کو ختم کر دیتی ہے۔ اسی لئے اسلام میں رشوت خوری سے بہت سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے اور اس کو حرام قرار دینے کے ساتھ ساتھ رشوت لینے اور دینے والوں کے بارے میں سخت وعید بھی سنائی ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے رشوت لینے اور رشوت دینے والوں پر لعنت کی ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ: ''حرام مال کے ذریعہ پرورش پانے والا جسم جہنم کا زیادہ مستحق ہے''۔ امام احمد نے اپنی مسند میں آپ ﷺ کا یہ ارشاد بھی نقل فرمایا ہے کہ ''جس قوم میں بھی رشوت عام ہو جاتی ہے ان پر رعب مسلط کر دیا جاتا ہے''۔ (الحدیث)

اور یہ ایک مشاہداتی چیز ہے کہ نفسیاتی طور پر ایسا شخص ہر وقت خوف و ہراس کا شکار رہتا ہے اور زندگی میں بھی عتاب وسزا جھیلتا رہتا ہے، رشوت کی قباحت او

رحمت اور اس کے نقصانات کے بارے میں بے شمار نصوص موجود ہیں جن سے اس جرم کی خطرناکی از خود واضح ہوجاتی ہے، لیکن آخرت کی سزا کے ساتھ ساتھ رشوت کی وجہ سے معاشرہ، افراد اور حکومتوں کو کن کن اثرات اور نقصانات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، مندرجہ ذیل سطور میں مختصراً اس کا جائزہ لیتے ہیں۔

رشوت کا انجامِ بد

● رشوت جرائم اور برائیوں کو چھپا دیتی ہے، جس کی وجہ سے معاشرہ کے اندر جرائم میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور مجرم بلا کسی خوف کے جرم پر جرم کرتا چلا جاتا ہے اور قانونی اور شرعی طور پر برائیاں عام سے عام تر ہوتی چلی جاتی ہیں، یہاں تک کہ معاشرہ اندر سے بالکل کھوکھلا ہوکر رہ جاتا ہے اور لاکھ تحقیقاتی کمیشنوں کے باوجود اصل مجرم بے نقاب نہیں ہو پاتا ہے۔

● رشوت کے نتیجہ میں حقداروں کو ان کے حق سے محروم کر دیا جاتا ہے اور غیر مستحق شخص رشوت دے کر دوسرے کا حق دبا دیتا ہے جس کے ذریعہ معاشرہ عدم توازن کا شکار ہوجاتا ہے اور آپسی محبت والفت ختم ہوکر نفرت وانتقام کے جذبات پنپنے شروع ہوجاتے ہیں اور بسا اوقات انتقامی کارروائیوں کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔

● رشوت کے نتیجہ میں نااہل لوگ اہم مناسب اور عہدوں پر بیٹھ جاتے ہیں جس کی وجہ سے معاشرہ ترقی کی راہ سے ہٹ جاتا ہے اور ہر ڈیپارٹمنٹ میں فساد عام ہوجاتا ہے۔ یہ معاملہ پھر یہیں نہیں رکتا بلکہ پھر ہر جگہ نااہل لوگوں کو ہی آگے چلنے کے مواقع ملتے رہتے ہیں یہاں تک کہ پوری سوسائٹی اس کی لپیٹ میں آجاتی ہے اور ترقی کی تمام راہیں مسدود ہوکر رہ جاتی ہیں۔

رشوت نقائص کو مستحکم کرتی ہے

رشوت کی وجہ سے تمام تعمیری اور ترقیاتی کام ناقص رہتے ہیں کیونکہ کام کرنے والے شخص کو معلوم ہوتا ہے کہ رشوت اسکی ہر قسم کی حرام خوری اور نقائص کو چھپا دے گی جس کی وجہ سے تمام ترقیاتی کام پُل، سڑکیں، نہریں، عمارتیں، تعلیمی ورفاہی کام ادھورے، ناقص اور بسا اوقات صرف ریکارڈ کی حد تک ہی رہتے ہیں۔

رشوت کی وجہ سے سیاست، معیشت، امن عامہ اور دوسرے تمام شعبوں میں انحراف وفساد پیدا ہوتا ہے، رشوت کے ذریعہ ملک میں ہر قسم کی بدامنی پیدا کی جاتی ہے، معصوم لوگوں کو مجرم قرار دے کر اصل مجرم راہِ فرار اختیار کرلیتا ہے، غلط پروپیگنڈہ کے ذریعہ عوام کو بہلا پھسلا کر نااہل لوگ ان پر حکومت کرنے لگتے ہیں، ڈرگس، نشہ آور چیزیں، مضر ادویات اور ردی سامان کو رشوت دے کر آسانی سے ایکسپورٹ کیا جاتا ہے۔ چند لوگ حرام رشوت لے کر پورے معاشرہ کو ہلاکت کی دلدل میں دھکیل دیتے ہیں۔

بہت سی ہلاکتوں میں رشوت کا دخل

بہت سی انسانی ہلاکتیں بھی رشوت ہی کی کرم فرمائی سے ہوا کرتی ہیں۔ مثلاً روڈ اور پلوں کا ناقص ہونا، گاڑیوں کا معیار سے گرا ہوا ہونا، مسافر بسوں میں اوورلوڈنگ، سرکاری عمارتوں کا ناقص اور کمزور ہونا.....یہ سب رشوت کے سبب ہوتا ہے اور پھر اسی وجہ سے کتنی ہی جانیں ضائع ہوجاتی ہیں۔ غرض ایک معمولی پولیس والا اور انجینئر اور ٹھیکیدار رشوت لے کر کتنے لوگوں کی ہلاکت کا ذریعہ بنتے ہیں۔

رشوت کی وجہ سے معاشرہ عدم مساوات کا شکار ہوجاتا ہے، اثر ورسوخ والے امیر سے امیر تر ہوتے چلے جاتے ہیں اور غریب غربت وافلاس کی زندگی

گذارنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، انصاف پیسہ دے کر خریدنا پڑتا ہے اور میزان عدل کو فساد کا شکار بنایا جاتا ہے جس سے ہر قسم کا ظلم وستم عام ہو جاتا ہے۔

رشوت نحوست پیدا کرتی ہے

رشوت کی وجہ سے معاشرہ سے برکت اٹھالی جاتی ہے اور پورا معاشرہ اللہ کی لعنت کا مستحق قرار پاتا ہے۔ ہر طرف حرام کا چلن ہو جاتا ہے، اسی کے ذریعہ بچوں کی پرورش ہوتی ہے اور حرام ہی کے ذریعہ نسلیں پرورش پاتی ہیں اور پورا معاشرہ اللہ کی رحمت سے دور ہو جاتا ہے اور اللہ ایسے لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیتا ہے، جو یہ سمجھتے رہتے ہیں کہ شاید ہم اچھا کام کر رہے ہیں۔

رشوت کے ذریعہ انسانی اقدار کی پامالی ہوتی ہے، انسان غیرت وخودداری کو خیر باد کہہ دیتا ہے اور ہر وقت اس کی نگاہ دوسروں کی جیب پر ہی رہتی ہے اور چاروں طرف سے هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ کی صدائے بازگشت سنائی دیتی ہے، اخلاق اور انسانی صفات کے بجائے حیوانوں کی صفات انسانوں میں سرایت ہونا شروع ہو جاتی ہیں جہاں ہوس اور بھوک کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا ہے۔

رشوت خوری کا سب سے خطرناک انجام پھر وہ ہے جس کو آخرت میں بھگتنا ہوگا، ہمیشہ ہمیشہ کی آگ، سزائیں، ذلت ورسوائی، لعنت ہی لعنت... جہاں یاس وقنوطیت کے سوا اور کچھ نہیں ہوگا اور صرف خالق ومالک کے غضب کا سامنا ہوگا۔

رشوت فتنہ وفساد کا ذریعہ

بہرحال رشوت فساد وبگاڑ پیدا کرنے والا ایک ایسا ازدہا ہے جو خیر وبرکت، صلاح واصلاح کے ایک ایک ذرہ کو ختم کر کے پورے معاشرہ کو زہریلا بنا دیتا ہے۔ رشوت دین واخلاق کو سرے سے مونڈھ دیتی ہے، اس کی وجہ سے ہر چہار سو جرائم

عام ہو جاتے ہیں، حق کو دبا دیا جاتا ہے، نااہل منصبوں اور کرسیوں پر بیٹھ جاتے ہیں، امانت داری مفقود ہو جاتی ہے، انسانی اقدار پامال کر دی جاتی ہیں، حقوق کو سلب کر دیا جاتا ہے، غیرت وحمیت اور اخلاص ووفا کا جنازہ نکل جاتا ہے، مخلصین، اہل اور مستحق لوگوں کو کنارہ کر دیا جاتا ہے اور پورا معاشرہ گندگی اور بدبو کی وجہ سے ایک ایسا معاشرہ بن جاتا ہے جہاں اچھے لوگوں کا جینا دوبھر ہو جاتا ہے، اللہ بھی ایسے معاشرہ سے بے زار ہو کر ان کو ہر قسم کی ڈھیل دے دیتا ہے اور لعنت اور رحمت سے دوری ان کا مقدر بن جاتی ہے۔

انہی وجوہات کی وجہ سے اسلام نے رشوت کو حرام قرار دیا ہے اور خود ساختہ قوانین میں بھی یہ ایک خطرناک جرم ہے لیکن اس کے باوجود معاشرہ کو رشوت کا گھن مستقل کھوکھلا کرتا چلا جا رہا ہے، رشوت کے بغیر کوئی بھی کام مشکل سے ہی ہو پاتا ہے، ہر شخص اس کو آمدنی کا ایک اہم ذریعہ سمجھتا ہے، اور غریب ونادار لوگوں کو خون پسینہ ایک کر کے مال دے کر اپنا حق حاصل کرنا پڑتا ہے اور واضح رہے کہ رشوت صرف کوئی انفرادی جرم نہیں ہے بلکہ اس کے اثرات ہر خاص وعام اور پوری انسانیت کو متاثر کر دیتے ہیں اور اللہ اور آخرت کا خوف ہی انسان کو اس قسم کی برائیوں سے روک سکتا ہے، اور رشوت لینے والا، رشوت دینے والا اور ان کے درمیان واسطہ بننے والا سب اللہ کی لعنت کے مستحق بنتے ہیں جیسے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اور یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ رشوت میں ہر وہ چیز داخل ہے جس کی وجہ سے کسی کے حق میں یا کسی کے خلاف فیصلہ کیا جائے، یا اور کوئی کام کروایا جائے، اور مانگ کر، بلا مانگے، چائے پانی کے نام پر یا اور کسی نام سے لی جانے والی ہر چیز رشوت میں داخل ہے۔ سماج کے وہ عوامل جو قرآن وحدیث کے خلاف ہیں ان کو جائز یا مباح سمجھنا بھی گناہوں میں شمار ہے۔

☆☆☆

درسِ اُخوت

اخوت کا لفظ ''اخ'' سے نکلا ہے۔ ''اخ'' کے معنی بھائی اور اخوت کے معنی بھائی چارہ ہے۔ امت مسلمہ کے افراد کو محبت اور پیار کی لڑی میں پرونے کے لئے ان میں اخوت کا رشتہ قائم کیا گیا۔ اس رشتے نے امت اسلامیہ کے تمام افراد کو ایک جسم کے مختلف اعضاء بنا دیا ہے اور ان کے درمیان رحم، ہمدردی، محبت، شفقت، خیر خواہی اور صلح صفائی کی اعلیٰ صفات پیدا کر دی ہے۔ یہ رشتہ رنگ و خون، نسل و زبان کے رشتوں سے بالاتر ہے اور مضبوط بھی ہے۔ غیر مسلمانوں سے انسانی مساوات کی بنا پر تعلقات ہو سکتے ہیں لیکن ایک ملت و جماعت کے افراد ہونے کی حیثیت سے دلی اور روحانی تعلق صرف مسلمانوں سے ہی ہو سکتا ہے۔ دراصل یہ تعلق اللہ تعالیٰ کا ایک خاص انعام وسلام کا ایک امتیازی نشان ہے۔ اس امتیازی نشان نے دنیا بھر کے مسلمانوں کو ایک مرکز پر جمع کر دیا ہے اور ہر وہ چیز جو اس عظیم رشتے میں روڑے اٹکائے اسے ناجائز ٹھہرایا ہے۔ مثال کے طور پر مسلمانوں کے درمیان حسد، کینہ، عیب جوئی، غیبت اور فریب دہی وغیرہ ان تمام برائیوں کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔ قرآن حکیم کی رو سے ان تمام برائیوں کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ اسلامی

تمدن کی سب سے بڑی خصوصیت بھائی چارہ کا نظریہ ہے۔ قرآن حکیم کی رو سے اخوت اسلامی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عظیم نعمت ہے جس کو ہمیشہ یاد رکھنا اور جس پر خدا کا شکر بجالانا فرض ہے۔ رسول پاک ﷺ کے دنیا میں آنے سے پہلے دنیا رنگ و خون اور نسل و زبان کے تنگ دائروں میں بٹی ہوئی تھی۔ مختلف قبیلے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے، کینہ، بغض اور عداوت کے باعث ہر وقت جنگ و جدال جاری رہتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ اس دنیا میں تشریف لائے تو انہوں نے بچھڑے ہوئے دلوں کو آپس میں ملایا جو لوگ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے اب ایک دوسرے کے غمگسار، ہمدرد اور ایک دوسرے کی جان، مال اور عزت و آبرو کے محافظ بن گئے گویا کل کے دشمن آج کے دوست بن گئے اور اب ایک دوسرے پر جان فدا کرنے لگے۔

تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں

قرآن حکیم کے ارشادات: سورہ حجرات میں ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے: بلاشبہ اہل ایمان بھائی ہیں، سو تم اپنے دو بھائیوں میں اصلاح کر دیا کرو۔ اصلاح کے معنی توبہ کے ہیں کہ اگر دو مسلمانوں میں اختلاف پایا جائے تو اس اختلاف کو مٹا دیا جائے، دوسرے معنی یہ ہیں کہ ہر مسلمان اپنے دوسرے بھائی کی دنیوی واخروی اصلاح میں لگا رہے اس کی معاشی واخلاقی درستگی میں کوشاں رہے اور اس طرح سب مل جل کر ایک صالح اخوت کی بنیاد ڈالیں۔ سورہ آل عمران (۳-۱) میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو جو اس نے تم پر کی، تم دشمن تھے اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی تو تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی بن گئے۔ واقعی یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے کہ اگر مشرق میں کسی انسان کو کانٹا چبھے تو

مغرب کا مسلمان تڑپ اٹھتا ہے۔ اسلام انسانوں میں صرف ایک ہی تقسیم کا قائل ہے۔ اور وہ ہے ایمان وکفر کی تقسیم۔ ایمان والے ایک جماعت ہیں اور کفر والے دوسری جماعت۔ دلی محبت اور بھائی چارے کا معیار فقط اسلام ہے۔ جنگ بدر میں جو ایمان اور کفر کی پہلی باقاعدہ لڑائی تھی، بھائی بھائی سے لڑا اور باپ نے بیٹے پر تلوار اٹھائی۔ حضرت عمر نے اپنے سگے ماموں کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا محض اس لئے کہ یہ ایمان اور کفر کی جنگ تھی اور کفر کی فوج میں جو بھی شامل ہوتا وہ مسلمان کا دشمن سمجھا جاتا تھا۔ الغرض جس رشتے نے مسلمانوں کو دوسرے مسلمان کا بھائی بنا دیا وہ اسلام کا رشتہ ہے۔ بلاشبہ جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور گروہ درگروہ ہوگئے آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ اسلامی اخوت کا رشتہ مضبوط ترین رشتہ ہے۔ مسلمانوں میں اس رشتے نے ایک عظیم اتفاق واتحاد پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ کوئی ایسی انفرادی یا اجتماعی حرکت نہ ہونے پائے جس سے اس رشتے میں کمزوری پیدا ہو جائے اور اس سے شکست وریخت کا سامنا کرنا پڑے۔

اخوت کے متعلق حضور ﷺ کے ارشادات

رسول پاک ﷺ نے ایک جگہ ارشاد فرمایا: ''تم اہل ایمان کو باہمی محبت وشفقت اور مہربانی میں ایک جسم کے مانند پاؤ گے۔ اگر جسم کا ایک حصہ بیمار ہو تو سارا جسم بیماری اور بخار میں اس کا ساتھ دیتا ہے۔ ایک اور جگہ رسول مقبول ﷺ کا ارشاد ہوتا ہے: ایک مومن دوسرے مومن کے لئے ایک عمارت کے مختلف اجزاء کی مانند ہیں جس کے اجزاء باہم پیوست ہوتے ہیں اور حضور ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں ڈال کر دکھایا۔ ایک اور حدیث میں ارشاد ہوتا ہے: ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ وہ اس پر ظلم کرتا ہے نہ اسے کسی ظالم کے سپرد

کرتا ہے اور جو شخص اپنے بھائی کی ضروریات کو پورا کرنے میں لگا ہوا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ضروریات پورا کرے گا۔ حضور ﷺ اس بھائی چارے کے رشتے سے متعلق ایک اور جگہ فرماتے ہیں: ایک دوسرے پر حسد مت کرو ایک دوسرے سے بغض مت رکھو، ایک دوسرے سے منہ مت پھیرو، ایک دوسرے کے سودے پر سودا مت کرو اور اللہ کے بندوں پر اسے بوقت ضرورت تنہا چھوڑتا ہے نہ اسے حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ ایک اور حدیث میں ارشاد ہے جو شخص مومن کی دنیاوی مصیبتوں میں سے کوئی مصیبت ہلکی کردے گا جو شخص کسی تنگدست کے لئے آسانی پیدا کرے، اللہ تعالیٰ قیامت کی مصیبتوں میں سے کوئی مصیبت ہلکی کردے گا جو شخص کسی تنگدست کیلئے آسانی پیدا کرے، اللہ تعالیٰ دنیا وآخرت میں اس کی پردہ پوشی کرے گا اور جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد پر لگا رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی مدد پر لگا رہتا ہے۔

مذکورہ بالا قرآن حکیم کے ارشادات اور رسول کریم ﷺ کے فرمودات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلامی اخوت کا دائرہ بہت وسیع ہے اور یہ خونی رشتوں سے بالاتر ہے۔ بھائی چارے کا یہ رشتہ ایک ایسا معاشرہ وجود میں لاتا ہے جس میں ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی بن جاتا ہے اور معاشرے کا ہر مسلمان دوسرے مسلمان کے لئے محبت وشفقت، ہمدردی، غمگساری، خیر خواہی اور ایثار وقربانی کے نشے میں سرشار نظر آتا ہے۔ یہی اسلامی معاشرہ ہے ایسے معاشرہ کی مثال آج تک کوئی قوم بھی پیش نہ کرسکی اور نہ کر سکے گی۔ آج کے سماج میں جہاں بھی فساد، خامی اور خرابیاں نظر آرہی ہیں اس کی واحد وجہ یہی ہے کہ اسلامی بھائی چارہ اور اخوت ومحبت سے سماج خالی ہوتا جا رہا ہے۔

☆☆☆

مظلوم کی بددعاء سے بچو!

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اِتَّقُوْا دَعْوَۃَ الْمَظْلُوْمِ فَاِنَّہَا تَصْعَدُ اِلَی السَّمَآءِ کَاَنَّہَا شَرَارَۃٌ. (رواہ الحاکم ورواتہ ثقات)

"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: مظلوم کی بددعا سے بچ کے رہو، کیونکہ اس کی بددعا آسمان پر بجلی کی طرح جاتی ہے۔

ظلم کے معنی ہیں: زیادتی کرنا، حق تلفی کرنا، بدسلوکی کرنا، کسی چیز کا غلط جگہ استعمال کرنا۔ امام راغب فرماتے ہیں: کسی چیز کو اس کی مخصوص جگہ سے ہٹا کر نقصان کے ساتھ یا زیادتی کے ساتھ یا وقت بدل کر یا جگہ بدل کر بے جگہ رکھ دینے کو ظلم کہتے ہیں۔ (لغات القرآن رشیدی)

لہٰذا اگر کوئی شخص اپنی طاقت وقوت کا بیجا استعمال کرتا ہے تو ظلم ہے، مال ودولت کا غلط استعمال کرتا ہے تو ظلم ہے، اپنے عہدے کا ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے تو ظلم ہے، اپنے سورس وفورس کا بے موقع استعمال کرتا ہے تو ظلم ہے، اپنی شان وشوکت کا بے محل رعب جماتا ہے تو ظلم ہے، اگر کوئی مالک اپنے ملازمین کے حقوق پامال کرتا ہے تو ظلم ہے، بالقصد ان کی حق تلفی کرتا ہے تو ظلم ہے، ان کو بے جا استعمال کرتا ہے تو ظلم ہے۔

ظلم کی قباحت

اس کی قباحت کے لئے اس سے بڑھ کر سند اور کیا چاہئے کہ خود اللہ جل شانہٗ وعم نوالہ وعز سلطانہٗ نے اپنی ذات عالی صفات سے ظلم کی نفی فرمائی ہے ایک دو جگہ نہیں تقریباً پندرہ مقامات پر مختلف انداز سے، چنانچہ کہیں فرمایا: "اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظْلِمُ النَّاسَ شَیْئًا". (یونس آیت:۴۴) "یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں فرماتا"۔

اور کہیں ارشاد ہے: "وَلَا یَظْلِمُ رَبُّکَ اَحَداً". (کہف:۴۹) "آپ کا پروردگار کسی پر ظلم نہیں ڈھاتا"۔ اور کہیں یوں فرمایا: "اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ". (نساء:۴۰) "بلا شبہ اللہ تعالیٰ ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا"۔

ظلم کی شناعت وقباحت کے لئے یہ کیا کم ہے کہ اللہ رب العزت نے "شرک" کو بارہا "ظلم" سے اور مشرکین کو ظالمین سے تعبیر فرمایا ہے۔

چنانچہ بنی اسرائیل کے ایک گروہ کے متعلق فرمایا: "فَاَنْزَلْنَا عَلَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا رِجْزاً مِّنَ السَّمَآءِ". (بقرہ:۵۹)

'تو ہم نے ان ظالموں پر آسمان سے ایک بلا کا عذاب نازل کیا"۔

صاحب معارف نے بحوالہ قرطبی لکھا ہے کہ اس عذاب سے مراد "طاعون" ہے جس میں ستر ہزار بنی اسرائیل ہلاک ہوگئے تھے۔

ایک دوسری جگہ امم سابقہ کی بے راہ روی بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: "فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا"۔ (انعام:۴۵) بالآخر ان ظالموں کی عذاب خداوندی سے جڑ تک کٹ گئی اور ان کی نسل فنا ہوگئی۔

اور یہود بے بہبود کے ایک گروہ کے متعلق ارشاد ہے: جب کہ وہ "سبت" سنیچر کے دن مچھلی کے شکار کی سخت ترین ممانعت کے باوجود تین پانچ سے نہیں چوکتے

تھے۔ ’’وَاَخَذْنَا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍ بَئِیْسٍ بِمَا کَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ‘‘۔(الاعراف:۱۶۵) ’’ہم نے ان ظالموں کو ان کی بدعملی کی وجہ سے سخت ترین عذاب میں دبوچ لیا‘‘۔

قوم نوح پر جب عذاب آنا ہوا تو اس موقع سے ارشاد ہوا: ’’وَلاَ تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اِنَّھُم مُّغْرَقُوْنَ ‘‘۔(ہود:۳۷) ’’اے نوح! ان ظالموں کے سلسلے میں مجھ سے بات تک نہ کیجئے، انہیں اب تو ڈبو کر ہی چھوڑا جائے گا‘‘۔

اہل مدین پر نزول عذاب کی منظر کشی یوں فرمائی: ’’وَاَخَذَتِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا الصَّیْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دِیَارِھِمْ جَاثِمِیْنَ ‘‘۔(ہود:۹۴) ’’ان ظالموں کو حضرت جبرئیل کی دھاڑ نے آدبوچا، جس کی وجہ سے یہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ مر مٹ گئے‘‘۔

اور قوم عاد وثمود، اہل مدین وقوم لوط کی آبادیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ’’وَتِلْکَ الْقُرَی اَھْلَکْنَاھُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَھْلِکِھِمْ مَّوْعِداً ‘‘۔(کہف:۵۹) ’’یہاں کے باشندگان کو ہم نے تبھی ہلاک کیا جب کہ انہوں نے ظلم کیا اور ان کی ہلاکت کا وقت طے شدہ تھا‘‘۔

اور اہل جہنم کے بارے میں ارشاد ہے: ’’وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَیْھِم بِمَا ظَلَمُوْا فَھُمْ لاَ یَنْطِقُوْنَ ‘‘۔(النمل:۸۵) ’’کہ ان کے ظلم کے باعث ان کے خلاف عذاب کا فیصلہ ہوتے ہی ان کی بولتی بند ہو جائے گی (حالانکہ اس سے پہلے انکار اور پھر اقرار کے ساتھ منت وسماجت میں لگے تھے)۔

حقوق العباد کی پامالی

ظلم کا تعلق چونکہ حقوق العباد سے ہے لہٰذا حقوق العباد کی پامالی بہت ہی خطرناک ہے، رہے حقوق اللہ تو یہ چونکہ اکرم الاکرمین، ارحم الراحمین پروردگار سے متعلق ہیں ان کے گلوخلاصی کی امید رکھنا شان ایمان شعار عبدیت ہے۔

آج دنیا میں جب کوئی کسی کے حقوق معاف کرنے کے لئے تیار نہیں بلکہ ایک دوسرے کے حقوق ہڑپنے کی فکر ودھن ہر وقت سوار رہتی ہے تو قیامت کے روز جہاں ایک ایک نیکی کی اہمیت ہوگی اور فیصلہ کن ہوگی: ’’فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُہٗ. فَھُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ ‘‘۔اور ایک ایک گناہ بھی خطرناک ومہلک اور فیصلہ کن ہوگا: ’’وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُہٗ. فَاُمُّہٗ ھَاوِیَةٌ . وَمَا اَدْرَاکَ مَاھِیَہْ. نَارٌ حَامِیَةٌ ‘‘۔وہاں کون کسے معاف کرے گا، وہاں تو خود غرضی کا ایسا جنون سوار ہوگا کہ ہر شخص اپنی نجات کے لئے اپنے اہل وعیال، کنبہ وقبیلہ یہاں تک کہ پوری کائنات کا جہنم میں جھنکوا دینے پر دل سے آمادہ ہوگا۔ ’’یَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ یَفْتَدِیْ مِنْ عَذَابِ یَوْمِئِذٍ بِبَنِیْہِ. وَصَاحِبَتِہٖ وَاَخِیْہِ . وَفَصِیْلَتِہٖ الَّتِیْ تُؤْوِیْہِ . وَمَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعاً ثُمَّ یُنْجِیْہِ ‘‘۔(المعارج:۱۱-۱۴)

ظالم کی حیرانی وبے بسی

دنیا میں بیچارگی مظلوم کے ساتھ لگتی ہے، مگر آخرت میں ظالم کے ساتھ جڑے گی، دنیا میں مظلوم کی ہمنوائی وہمدردی جتانے والے بہیترے مل جاتے ہیں، مگر وہاں ظالم صاحب ایسے ’’بیچارہ‘‘ ہوں گے کہ کوئی زبانی ہمدردی جتانے والا بھی نہ ملے گا شہ زور لوگ یہاں سینہ تان کے اکڑ کے چلتے ہیں، رفتار وگفتار سے اپنی برتری ظاہر کرتے ہیں، مگر آخرت میں ان کا کیا حال ہوگا، وہ بھی گوش دل سے سن لیجئے، میں اپنی نہیں قرآن کی بات سنا رہا ہوں سنئے!

’’وَلاَ تَحْسَبَنَّ اللّٰہَ غَافِلاً عَمَّا یَعْمَلُ الظَّالِمُوْنَ ‘‘۔یہ نہ سمجھو کہ اللہ ظالموں کے عمل سے غافل ہے ارے! پھر ان کی سرزنش کیوں نہیں فرماتا، انکے ظلم کی سزا کیوں نہیں دیتا؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ جرم قابل مواخذہ نہ ہو؟ نہیں نہیں،

بلاشبہ قابل مواخذہ جرم ہے۔ ''اِنَّمَا یُؤَخِّرُهُمْ لِیَوْمٍ تَشْخَصُ فِیْهِ الْاَبْصَارُ'' مگر اللہ تعالیٰ نے اس کا بدلہ روز قیامت کیلئے اٹھا رکھا ہے، لہٰذا اس مہلت کو غفلت اور عدم انتقام پر محمول نہ کریں سزا تو ملنی ہی ملنی ہے، ظالم بیچارے اس دن کیسے حواس باختہ، عقل وخرد بستہ ہوں گے، ذرا وہ منظر بھی ملاحظہ ہو: ''مُهْطِعِیْنَ مُقْنِعِیْ رُءُوْسِهِمْ لَا یَرْتَدُّ اِلَیْهِمْ طَرْفُهُمْ وَاَفْئِدَتُهُمْ هَوَآءٌ''۔ (ابراہیم:۴۲-۴۳)

یہ لوگ احکم الحاکمین کے دربار میں پیشی کے لئے اس حال میں جارہے ہوں گے کہ ان کی گردنیں اوپر کو اٹھی ہوں گی، ٹکٹکی بندھی ہوگی، حواس باختگی کے عالم میں کشاں کشاں چلے جارہے ہوں گے۔

ظالم کو آج نہیں کل پتہ چلے گا

'' سَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ'' . ''اور کل آنے میں کیا دیر؟ بہت سی ''کل'' گذر چکیں، یہ ''کل'' بھی آجائے گی۔

ایک حدیث قدسی میں ہے کہ ''اے میرے بندو! میں نے اپنے لئے ظلم کو حرام ٹھہرایا ہے اور تمہارے آپسی ظلم کو بھی حرام قرار دیا ہے، لہٰذا ایک دوسرے پر ظلم سے باز رہو''۔ (مسلم وترمذی عن ابی ذر رضی اللہ عنہ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے طبرانی نے یہ مرفوع روایت نقل کی ہے کہ: ظلم وستم نہ کرو ورنہ تمہاری دعائیں قبول نہ ہوں گی، بارش طلب کروگے بارش نہ ملے گی، خدائی نصرت ومدد کے طالب ہوگے تمہاری مدد نہ فرمائی جائے گی۔ (کذا فی الترغیب للمنذری)

صحیحین نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ذکر کی ہے کہ: اللہ رب العزت ظالم کو مہلت دیتے رہتے ہیں، مگر جب پکڑ فرما لیتے ہیں تو پھر چھوڑتے نہیں، یہ مضمون بیان کرنے کے بعد حضور ﷺ نے قرآن پاک کی یہ آیت

پڑھی: ''وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَا اَخَذَ الْقُرٰى وَهِیَ ظَالِمَةٌ اِنَّ اَخْذَهٗ اَلِیْمٌ شَدِیْدٌ''۔ (ہود:۱۰۲) ''جب پروردگار عالم ظالموں کی پکڑ فرماتے ہیں تو یونہی فرماتے ہیں، یقین جانو کہ اس کی پکڑ بڑی دردناک ہے''۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ ظالم لوگ آخرت میں میری امت کے مفلس ترین لوگ ہوں گے، ان کی نیکیاں تو دوسروں کو دے ہی دی جائیں گے، اہل حقوق کے گناہ بھی ان پر لاد دیئے جائیں گے، ہائے! ان بیچاروں کو ناکردہ گناہوں کی بھی سزا جھیلنی پڑے گی۔ (مسلم وترمذی عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ)

مظلوم کی پذیرائی

ظالم اپنی شان وشوکت، اقتدار وحکومت، مال ودولت، قوت وطاقت پر نازاں ہوکر کمزور وبیکس، لاچار وناتواں اور ضعیفوں ونا داروں کو دباتا ہے، ستاتا ہے اور یہ بھول جاتا ہے کہ یہ کمزور سہی مگر اس کا خالق ومالک تو کمزور نہیں وہ تو قادر مطلق ہے۔

او ظالم! تو یہ کیوں سوچتا ہے کہ اس مظلوم کے باپ، دادا تجھ سے نمٹ نہیں سکتے، اس کے بیٹے تجھ سے آنکھ نہیں ملا سکتے؟ آخر یہ کیوں نہیں سوچتا، اس کا پردوگار تجھ سے اور تیرے باپ، دادا اور ان تمام افراد سے جن کے بل بوتے تو اتراتا ہے، پاور فل ہے، او ظالم! اس کے باپ، دادا سے تجھ کو ڈر نہیں لگتا تو کیا اس کے خالق سے بھی ڈر نہیں لگتا؟ اگر واقعۃً ڈر لگتا ہے تو ظلم وستم کیوں کرتا ہے؟ جب کہ اسکا پروردگار تیری ساری حرکتیں دیکھ رہا ہے اور اس کے فرشتے دفعات جرم لگا رہے ہیں۔

قوم عاد جس کے متعلق خود قرآن پاک شاہد ہے کہ اتنی زبردست وطاقتور قوم پیدا ہی نہیں کی گئی: ''اَلَّتِیْ لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ''۔ (فجر:۸) یہ اپنی سرکشی وطغیانی میں چور رہتے اور جب انہیں خدائی پکڑ سے ڈرایا دھمکایا جاتا تو اکڑ کے

بولتے۔ ’’مَنۡ اَشَدَّ مِنا قُوَّۃً؟‘‘ (حم السجدہ: ۱۰) ’ہم سے بڑا شہ زور کون ہے؟ ہمیں کون سزا دینے کی طاقت رکھتا ہے؟‘ اللہ رب العزت نے ان کا منہ توڑ جواب دیتے ہوئے فرمایا: ’’اَوَلَمۡ یَرَوۡا اَنَّ اللّٰہَ الَّذِیۡ خَلَقَھُمۡ ھُوَ اَشَدُّ مِنۡھُمۡ قُوَّۃً؟‘‘. کیا انہیں نہیں معلوم کہ جس ذات نے انہیں پیدا کیا ہے وہ ان سے زیادہ طاقتور ہے؟

حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ کو نصیحت

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت معاذ بن جبل کو یمن کا گورنر بنا کر بھیج رہے ہیں اور یہ نصیحت فرما رہے ہیں: ’’اِتَّقِ دَعۡوَۃَ الۡمَظۡلُوۡمِ فَاِنَّہٗ لَیۡسَ بَیۡنَھَا وَبَیۡنَ اللّٰہِ حِجَابٌ‘‘. اے معاذ! اپنے عہدے کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے کہیں ظلم وستم نہ کرنے لگ جانا اور مظلوم کی بدعا سے بچ کر رہنا (یعنی ظلم نہ کرنا) کیونکہ اس کی بدعا سیدھے بارگاہ الٰہی میں قبول ہوتی ہے۔ (متفق علیہ عن ابی ابن عباس رضی اللہ عنہ)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ مظلوم کی بدعا کے لئے بادل رکاوٹ نہیں بنتے، اس کے لئے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اللہ رب العزت فرماتے ہیں: میرے جاہ وجلال کی قسم! اے مظلوم! میں تیری مدد ضرور کروں گا، تھوڑا تاخیر سے سہی۔ (ترمذی واحمد)

اگر مظلوم بیچارہ نیک وصالح ہو تو اس کی بدعا تو تیر بہدف ہے ہی، اگر فاسق وفاجر ہو تو بھی نشانہ نہیں چوکتا، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت امام احمد نے نقل فرمائی ہے کہ: ’’دَعۡوَۃُ الۡمَظۡلُوۡمِ مُسۡتَجَابَۃٌ وَاِنۡ کَانَ فَاجِرًا فَفُجُوۡرُہٗ عَلَیۡہِ‘‘. (احمد باسناد حسن کذا فی الترغیب) مظلوم کی بدعا قبول ہوتی ہے وہ فاسق وفاجر سہی، ہاں! وہ اپنے فسق وفجور کا جوابدہ خود ہوگا۔

☆☆☆

ضیافت ومہمان نوازی

انبیاء علیہم السلام کی سنت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے چاہئے کہ وہ اپنے مہمان کی عزت کرے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے چاہئے کہ وہ صلہ رحمی کرے اور جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے چاہئے کہ وہ بھلی بات بولے یا پھر خاموش رہے۔‘‘ حدیث شریف سے خود واضح ہے کہ عزتِ مہمان گویا علامتِ ایمان ہے اور صاحب ایمان کی یہ پہچان ہے کہ وہ اپنے مہمان کی کما حقہ ضیافت ومہمان نوازی کرے اس کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے اور اسے اپنے لئے بار نہ سمجھے عموماً لوگ کسی مہمان کے آنے پر ایسا ہی تصور کرتے ہیں جب کہ ایسے لوگ خوش نصیب ہوتے ہیں جن کے گھر کوئی مہمان ہوتا ہے اور اپنی آمد سے اسکو ضیافت ومہمان نوازی کا موقع فراہم کرتا ہے۔ پھر وہ خوش نصیب بھی اس موقع کو غنیمت جان کر اپنا حق ادا کرتا ہے ضیافت ومہمان نوازی کے لئے کسی کو بھی کشادہ دل ہونا پڑے گا تب جا کر ہی وہ عزت مہمان کا ثبوت دے سکتا ہے اور وقت آنے پر خود یہ مہمان کو ترجیح دے سکتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس ایک آدمی آیا اور کہا کہ میں بھوکا پیاسا ہوں تو آپ ﷺ نے اپنی بیویوں سے پتہ چلایا کہ گھر میں کچھ کھانے پینے کو ہے؟ ان سبھوں نے ایک ہی جواب دیا کہ سوائے پانی کے کچھ بھی نہیں ہے اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ آج کی شب جو اس کو مہمان بنائے گا اللہ اس پر رحم کرے گا قبیلہ انصار کا ایک شخص اس آدمی کو اپنے گھر لے گیا اور اپنی بیوی سے کہا کہ تمہارے پاس کچھ ہے؟ اس نے کہا بچوں کے لئے جو ہے سو ہے اس کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ انصاری صحابیؓ رسول ﷺ نے اپنی بیوی سے کہا کہ بچوں کو کسی چیز سے بہلا دو اور جب مہماں دسترخوان پر بیٹھ جائے تو اسے یہ نہ دکھا کہ ہم بھی کھا رہے ہیں، چراغ بجھا دو۔ بیٹھے تو سب لیکن کھایا صرف مہمان نے۔ صبح ہوئی تو وہ اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رات مہمان کے ساتھ تمہاری کارکردگی اور ضیافت ومہمان نوازی کو دیکھ کر اللہ بہت خوش ہوا۔

ضیافت اور مہمان نوازی کی اس سے بڑی مثال اور کیا ہوسکتی ہے کہ کوئی اپنے اور بال بچوں کو بھوکا رکھے مگر گھر آئے مہمان کی جہاں تک ہوسکے ضیافت ومہمان نوازی کرے۔ بخیل اور کنجوس آدمی کی تو بات ہی جدا ہے۔ کہ جو خود پہ خرچ نہیں کرتا وہ دوسروں پر کیا صرف کرے گا اور ضیافت ومہمان نوازی کا کیا ثبوت دے گا۔ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو صرف اپنی ذات تک محدود ہوتے ہیں۔ یعنی اپنے لئے تو حاتم طائی سے بھی بڑھ جاتے ہیں مگر گھر آئے مہمان کے لئے قارد، (عرب کا مشہور بخیل) کو بھی پیچھے چھوڑ جاتے ہیں ایک دوشام کا کھا پی کر آیا مہمان آپ کو لوٹ کر نہیں چلا جاتا اور نہ ہی آپ تنگ حال ہوجاتے ہیں ایک دوشام کے مہمان کی وجہ سے اللہ آپ پر مہربان ہوتا ہے اور جس پر اللہ کا رحم وکرم ہوا سے بھلا

اور کیا چاہئے۔ اسے ضیافت ومہمان نوازی اور ایثار وقربانی کے بدلے اللہ جتنا چاہے گا دیدے گا اور اسے نوازے گا۔

ضیافت ومہمان نوازی کی اہمیت اس سے واضح ہوتی ہے کہ وہ شیوۂ انبیاء ہے سورہ ذاریات میں مذکور ہے کہ ’’کیا آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے معزز مہمانوں کا قصہ معلوم ہوا؟ جب وہ ان کے پاس گئے تو سلام عرض کیا انہوں نے خیال کیا کہ یہ لوگ بالکل اجنبی ہیں تو اپنے گھر والوں کے پاس۔ جلدی گئے اور فربہ بچھڑے کا بھنا ہوا گوشت لاکر ان کو پیش کردیا۔ (جب دیکھا کہ وہ نہیں کھا رہے ہیں تو) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ کیا تم لوگ کھایا نہیں کرتے‘‘۔

زمانہ جاہلیت کی جن چیزوں کو آپ ﷺ نے پسند فرمایا اور ان میں ایک ضیافت ومہمان نوازی بھی ہے۔ پیارے نبی ﷺ خود بڑے مہمان نواز تھے گھر آئے کسی بھی مہمان کا عزت واحترام کرتے اور جہاں تک ہوتا اس کی ضیافت ومہمان نوازی کرتے ضیافت ومہمان نوازی کی اہمیت کے پیش نظر آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کی تلقین کی اور صحابہ کرام نے اس پر عمل کیا جیسا کہ انصاری صحابی رسول ﷺ کے واقعہ سے ظاہر ہے ویسے آپ کا یہ فرمان کہ جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے مہمان کی عزت وضیافت کرے۔’’یہی ضیافت ومہمان نوازی کی اہمیت کو واضح کرتا ہے پس چاہئے کہ ہم بھی اہمیت سمجھیں اور عزت مہمان علامت ایمان کو اپنانے کی کوشش کریں۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مہمان عرش کے موتی ہیں پس مہمان کی دل سے قدر کرو۔

☆☆☆

عشق الٰہی کے جلوے

عشق ایک بیل کا نام ہے جس کو اردو میں 'عشق پیچاں'' کہا جاتا ہے۔ یہ بیل جس درخت سے لپٹ جاتی ہے اس کے پھول پتے جھڑ جاتے ہیں اور درخت سوکھ جاتا ہے۔ اسی طرح جب کسی شخص کے دل میں عشق الٰہی پیدا ہوتا ہے تو اس کا عشق روز بروز ترقی کرتا رہتا ہے وہ عشق الٰہی میں اس طرح کھو جاتا ہے کہ وہ اپنے وجود کو بھول جاتا ہے۔

حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ عشق کیا ہے؟ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا محبت میں جب شدت پیدا ہو جاتی ہے تو اس کا نام عشق ہو جاتا ہے۔

عشق ایک قیمتی موتی ہے

حضرت بابا فرید شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عشق ایک قیمتی موتی ہے جس کی قیمت کوئی جوہری نہیں لگا سکتا اور فرماتے ہیں کہ یہ نعمت سوائے انسان کے کسی مقرب فرشتے کو بھی نصیب نہیں ہوئی۔

جب اللہ تعالیٰ نے عشق کو پیدا کیا تو اس سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اے عشق جا مغموم آدمیوں کے دلوں کے سوا کہیں اور نہ بسنا کیوں کہ تیرا ٹھکانہ صرف انہیں لوگوں کے دل میں ہی ہو سکتا ہے۔

''تزکیہ احسان سلوک'' میں لکھا ہے کہ عشق الٰہی وہ بیماری ہے جس سے بیمار کبھی شفا نہیں چاہتا بلکہ اس میں اضافہ اور ترقی چاہتا ہے۔ عشق الٰہی کے تعلق سے کسی نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا کہ عشق کیا ہے؟

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ دل کو غیر اللہ سے خالی کر کے خالق کو دل میں بسا لینے کو عشق کہتے ہیں۔

حضرت ابوذر بن عفیلی رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ ایمان کیا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایمان اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت رکھنا ہے۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کی دعا

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کے عشق کا ایک بلند مرتبہ والا واقعہ سنیئے کہ آپ کعبۃ اللہ میں ٹھہرے ہوئے تھے آپ کے وزراء آپ کے صاحبزادے کو (جو بہت ہی کم سن تھے اور حضرت کو ان سے بہت محبت تھی) لے کر خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب آپ نے اپنے صاحبزادے کو دیکھا تو بہت خوش ہوئے اور اپنے پاس بلایا اور اپنی گود میں بٹھا کر پیار کرتے رہے۔ غیب سے یہ ندا آئی۔ ''اے ابراہیم تو ہماری محبت کا دعویٰ کرتا ہے جس وقت سے اپنے بیٹے سے ملا مجھے بھول گیا''۔

یہ سن کر آپ کا رنگ زرد ہو گیا اور خوف سے رونے لگے۔ رب العزت کے دربار میں آپ نے دعا کی کہ ''یا الٰہی جس نے ابراہیم کو تیری یاد سے غافل کر دیا ہے

اس کے وجود کو مٹا دے"۔ آپ کے دعا کرتے ہی اسی وقت آپ کے صاحبزادے کا انتقال ہو گیا۔ آپ نے اپنے صاحبزادے کو دفن کیا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

ایک معمولی شخصیت جس کے دل میں اللہ تعالیٰ سے عشق پیدا ہو گیا تھا یہ ظالم فرعون کی معمولی باندی تھی جو اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے عشق میں قربان کر دیتی ہے۔ جیسے فرعون خدائی کا دعویٰ کرنے والے ظالم بادشاہ کی ایک باندی ماشطہ جو اللہ تعالیٰ کے عشق میں اس طرح مبتلا ہوئی کہ ظالم بادشاہ کے سامنے ہمت کے ساتھ جواب دی کہ میں موسی کے خدا پر ایمان لائی ہوں۔ اس پر فرعون نے کہا اس خدا کو چھوڑ اور میری خدائی کا اقرار کر تو ماشطہ نے جواب دیا کہ میرے لئے یہ بات قیامت تک ممکن نہیں۔ ظالم فرعون نے اس عورت کو چومیخہ کرنے کا حکم دیا (یعنی دونوں ہاتھوں اور پیروں میں میخیں مارنا) اس سزا کے بعد ماشطہ بالکل بے حس پڑی رہی پھر بہت سے سانپ بچھو اس عورت پر ڈالے اور کہا کہ اے ماشطہ موسیٰ کے خدا کو چھوڑ دے نہیں تو دو ماہ تک اسی سزا میں مبتلا رہے گی۔ تو بی بی ماشطہ نے جواب دیا کہ دو مہینے کہتا ہے۔ تو اگر ستر مہینے مجھے یہ عذاب دے کر دیکھ لے روز بروز خدا کی محبت میں اضافہ ہی ہوتا رہے گا۔

ایک عاشق کا واقعہ

جو اللہ تعالیٰ کے عشق میں مبتلا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا والوں پر اس کی محبت ظاہر کرنے کیلئے اس کا امتحان لیا۔ بنی اسرائیل میں ایک شخص کو اس زمانے کے نبی نے آ کر اطلاع دی کہ اس کا نام دوزخیوں کی فہرست میں لکھا گیا ہے۔ جب اس زمانے کے نبی نے اس شخص سے جا کر فرمایا تو وہ سن کر نہایت خوش ہو کر رقص کرنے لگا اور کہا کہ الحمد للہ آپ میرے مولیٰ کا پیام لائے ہو اب تک تو مجھ کو اس بات کا علم نہ تھا کہ میرا

ذکر اس کی محفل میں ہوتا ہے اب علم ہوا کہ جہنم میں میرے لئے جگہ مختص کی گئی ہے۔ اس سے بڑھ کر میرے لئے اور کیا خوشی کی بات ہوگی۔ اس نبی کو الہام ہوا کہ تم نے ہمارے عاشقوں کو دیکھا کہ ہماری رضا پر راضی اور ہماری قضاء پر شکر گذار رہتے ہیں۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا نام سنتے ہی ایسی بزرگ شخصیت کی طرف خیال جاتا ہے جسے اللہ تعالیٰ اور آنحضرت ﷺ سے بے انتہا محبت تھی جس کی مثال مشکل سے ملے گی۔ حضرت ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار دنیا کے چند صوفیائے کرام میں ہوتا ہے اور آپ رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ کے چاہنے والوں میں بلند مقام رکھتے ہیں۔

ابتدائی دور میں جب لڑکے اللہ تعالیٰ کا نام آپ کے سامنے لیتے تو آن کا منہ شیرنی سے بھر دیتے پھر کوئی آپ کے سامنے اللہ اللہ کہتا تو آپ اس کو روپے اور اشرفیاں دے دیا کرتے۔ اسکے بعد اس درجہ پر پہنچ گئے کہ ہاتھ میں ننگی تلوار لے کر پھرتے اور فرماتے جو کوئی میرے سامنے اللہ کا نام لے گا میں اس کا سر قلم کر دوں گا۔ جب لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے اس سے پہلے کے طریقہ کو کیوں تبدیل کر دیا۔ فرمایا پہلے مجھے یہ خیال تھا کہ لوگ اللہ تعالیٰ کو پہچان کر اس کا نام لیتے ہیں لیکن اب یہ پتہ چلا کہ محض عادتاً خدا کا نام لیتے ہیں جس کو میں جائز تصور نہیں کرتا۔ یہ ہے عشق۔

حضرت خواجہ شیخ احمد کا عشق

اللہ تعالیٰ کے بعض عاشق ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان کو گرمی اور سردی متاثر نہیں کرتی۔ اس تعلق سے ایک واقعہ حضرت نظام الدین اولیاؒ نے فرمایا کہ حضرت خواجہ احمد سرما کے موسم میں چلّہ کے لئے (جب کہ کڑاکے کی سردی پڑ رہی تھی) آپ

پانی میں اتر کر کہنے لگے الٰہی میں سرد پانی سے باہر نہیں آؤں گا جب تک کہ تو مجھے یہ نہ بتادے کہ میں کون ہوں۔ اس وقت ایک غیبی آواز سنی کہ کہہ رہے تھے کہ جس کی شفاعت سے کل قیامت کے دن کتنے ہی آدمی دوزخ سے نجات پائیں گے۔

حضرت شیخ احمد اس پر راضی نہیں ہوئے کہنے لگے کہ میں جاننا چاہتا ہوں کہ میں کون ہوں پھر ندا آئی کہ درویش اور عارف ہمارے عاشق ہیں اور تو ہمارا معشوق ہوگا۔ تب شیخ احمد پانی سے باہر نکلے اور شہر میں جو کوئی بھی ملتا کہتا تھا الشیخ احمد معشوق السلام علیک۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عشق الٰہی

بعض عاشقان الٰہی کو دن رات کی عبادت میں نہ جنت کی خواہش ہوتی ہے اور نہ دوزخ کا خوف صرف دیدار الٰہی کی تمنا رکھتے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یا اللہ اگر میں دوزخ کے ڈر سے عبادت کروں تو مجھے دوزخ میں ڈال دے۔ اگر میں جنت کی آرزو میں تیری عبادت کرتا ہوں تو مجھے ہرگز جنت میں جگہ نہ دینا اگر میں تیری محبت میں عبادت کرتا ہوں تو مجھے اپنا دیدار کرادینا۔

☆☆☆

جنت کی طرف رہنمائی

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الصِّدْقَ بِرٌّ، وَاِنَّ الْبِرَّ يَهْدِىْ اِلَى الْجَنَّةِ، وَاِنَّ الْعَبْدَ لَيَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ صِدِّيْقاً، وَاِنَّ الْكِذْبَ فُجُوْرٌ، وَاِنَّ الْفُجُوْرَ يَهْدِى اِلَى النَّارِ، وَاِنَّ الْعَبْدَ لَيَتَحَرَّى الْكِذْبَ حَتّٰى يُكْتَبَ كَذَّاباً.

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سچائی نیکی ہے اور بے شک نیکی جنت کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ اور آدمی سچ بولنے کا قصد کرتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ سچا لکھا جاتا ہے اور جھوٹ فجور ہے اور فجور رہنمائی کرتا ہے جہنم کی طرف اور آدمی جھوٹ بولنے کا قصد کرتا ہے یہاں تک کہ وہ جھوٹا لکھا جاتا ہے۔

(مسلم شریف، براویت عبداللہ بن مسعودؓ)

سچ بولنے والے کا مقام

سچ بولنا محاسن اخلاق سے ہے۔ صدق وہ وصف ہے جس کے باعث سچ بولنے والے کو جنت کی راہ مل جاتی ہے کیوں کہ سچائی جنت کی طرف رہبری کرتی

ہے اور سچ بولنے والا اپنے خالق و مالک کے پاس بھی سرخرو ہوتا ہے اور اس کا نام صادقین کی فہرست میں لکھ دیا جاتا ہے۔ اسکے برعکس جھوٹ اخلاقی عیوب سے ہے، جھوٹ گناہ اور برائیوں کی جڑ ہے اور اسی کی طرف لے جاتا ہے۔ گناہ ومعصیت اختیار کرنے والا جہنم کے گڑھوں تک پہنچ جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کے نزدیک جھوٹ بولنے والا معتوب ہوتا ہے۔ جھوٹ بولنے والے کیلئے شرمندگی اور رسوائی ہے۔

اس ارشاد مبارکہ سے سچائی کی حقیقت سچ بولنے والوں کی عظمت اور جھوٹ کی مذمت اور جھوٹ بولنے والوں کے خسران وذلت کے پہلو واضح ہوتے ہیں۔

ایک مسلمان کے اعلیٰ اخلاق کا سب سے نمایاں وصف سچائی ہے۔ یقیناً اسی کے ضمن میں بہت سارے اچھے خصائل شمار ہوتے ہیں۔ صدق یا سچائی درحقیقت قول وفعل کی یک رنگی اور فکر وعمل کی یکسانی سے معنون ہے جب انسان اس کمال کا حامل ہو جاتا ہے تو پھر وہ صادق یا سچا کہلانے کا مستحق بن جاتا ہے۔ اس سچائی کے ذریعہ وہ زندگی کی ہر نیکی اور اچھائی کو بہ آسانی پاسکتا ہے۔ سچ بولنا جہاں بہت سارے معاصی اور الجھنوں سے بچاتا ہے وہیں جملہ خیر کے کاموں سے جوڑ دیتا ہے۔ انسان کی سوچ اور اس کی زبان دونوں صدق کے باعث پاک وصاف رہتے ہیں۔ برائی، گناہ اور بداخلاقیوں کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا۔ ذہن منور، قلب صاف اور زبان پاک رہتی ہے۔

اس کے برخلاف جھوٹ فکر وعمل کے درمیان تعلق کی قاطع، قول اور فعل میں تضاد کا سبب ہے۔ ذہنی اور قلبی آلودگیوں میں مبتلا کرنے اور کردار کو مجروح کرنے والی ایسی چیز ہے جس کا مذموم ترین عادت کے طور پر قابل نفریں انداز سے ذکر ہوتا ہے۔ جھوٹ آدمی کے اعتماد اور وقار کو متاثر کرنے کا ذریعہ اور گناہوں کی طرف لے جانے والی حقیقت ہے۔ جھوٹ کی رہنمائی میں گناہ ومعصیت کا چلن اپنانے والے

کا ٹھکانہ ومنزل جہنم کے سوا اور کیا ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے یہاں بھی جھوٹا کذابوں میں لکھا جاتا ہے۔ جس کے پیش نظر ارشاد مبارکہ میں صراحت فرمادی گئی ہے۔

جھوٹ بولنا ایمان کے منافی

جھوٹ بولنا ایماندار کے شایان شان نہیں اس بارے میں حضرت صفوان بن سلیمؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے ادباً دریافت کیا: ''یارسول اللہؐ کیا ایمان دار بزدل ہوتا ہے''۔ تو ارشاد فرمایا: ''ہاں'' پھر ہم نے عرض کیا کہ ''کیا ایماندار بخیل بھی ہوتا ہے'' تو فرمایا ''ہاں'' ہم نے عرض کیا کہ کیا جھوٹا بھی ہوتا ہے۔ تو ارشاد فرمایا کہ ''نہیں''۔ (مالکؒ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہمیشہ بندہ جھوٹ بولا کرتا ہے اور قصد کرتا ہے جھوٹ کا یعنی مبالغہ کرتا ہے اس میں تو اس کے دل میں ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے یہاں تک کہ اس کا سارا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ (یعنی جب وہ جھوٹ پر مداومت کرتا ہے تو یہ نقطہ پھیلتا جاتا ہے اور آخر کار پورے دل کا احاطہ کر لیتا ہے) پھر وہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ''خرابی ہے اس شخص کے واسطے جو جھوٹ بیان کرے تاکہ اس سے لوگوں کو ہنسا دے سو جھوٹ اس کیلئے خرابی ہے خرابی ہے۔ (بہز بن حکیم بروایت ابوداود وترمذی)

جھوٹ برائی ہے عادت قبیح ہے۔ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے پاس ناپسندیدہ ہے۔ تاہم بعض خاص صورتوں میں جھوٹ کیلئے رخصت بھی ہے یعنی نیت خیر کیساتھ خاص مواقع پر جھوٹ بولنا درست ہے۔ چنانچہ حضرت ام کلثوم بنت عقبہ سے مروی یہ حدیث شریف نسائی کے سوا صحاح کی تمام کتابوں میں موجود ہے کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا: ''جھوٹا وہ نہیں جو لوگوں میں صلح کرادے اور بہتر بات کہے اور اپنی طرف سے جوڑے (لگادے) نیک بات صلح کے واسطے''۔ مسلم شریف

میں ابن شہاب سے منقول ہے کہ میں نے نہیں سنا کہ کسی جھوٹ میں رخصت دی گئی ہو مگر تین مقاموں میں ایک لڑائی میں، دوسرے لوگوں میں صلح کرانے کو تیسرے زوجین کو آپس میں (محض آپسی اعتماد وانس کی برقراری یا دفع شر وفتنہ کیلئے۔ نہ کہ مکروفریب یا دھوکہ کیلئے) ''جس سے ضرر ہو کذب مذموم ہے اور کسی کی حق تلفی ہو تو حرام ہے۔ بالاجماع''۔ (نوویؒ)

عادل بادشاہ کا مقام

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا! بلاشبہ عادل حکمراں اللہ کے یہاں نور کے ممبروں پر جگہ پائیں گے جو رحمٰن (اللہ) کے داہنے ہاتھ کی طرف ہوں گے۔ (مسلم)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا! قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب اور مجلس (مرتبہ) کے اعتبار سے سب سے زیادہ قریب جو شخص ہوگا وہ عادل قائد وحاکم ہے اور قیامت کے دن اللہ کے نزدیک لوگوں میں سب سے زیادہ نفرت کا مستحق اور سب سے زیادہ عذاب کا سزاوار اور ایک حدیث میں ہے اللہ سے سب سے زیادہ دور وہ شخص ہوگا جو ظالم قائد اور حاکم ہے۔ (ترمذی)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی امیر (حکمراں سردار) کی (دینی ودنیوی) بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے لئے سچا (راست گفتار، راست کردار) وزیر ومشیر مقرر فرمادیتا ہے کہ جب وہ امیر بھول چوک کرتا ہے تو مشیر اس کو یاد دلاتا ہے اور اگر وہ یاد رکھتا ہے تو وزیر مشیر اس کو یاد رکھنے میں مدد دیتا ہے۔'' (ابوداؤد ونسائی)

آخرت میں سبقت لے جانے والے

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا! جانتے ہو قیامت کے دن اللہ تبارک وتعالیٰ (کے عرش یا اس کے لطف وکرم) کے سایہ کی طرف سبقت لے جانے والے کون لوگ ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اللہ کے رسول ہی بہتر جاننے والے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا سبقت لے جانے والے وہ لوگ ہیں جن کے سامنے حق بات رکھی جائے تو وہ قبول کرتے ہیں جب ان سے حق کا مطالبہ کیا جاتا ہے تو خرچ کرتے ہیں اور لوگوں کے حق میں وہی حکم وفیصلہ کرتے ہیں جو اپنی ذات کے بارے میں کرتے ہیں۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ جب اپنے کسی صحابی کو کسی کام پر مامور کرتے تو ان کو یہ ہدایت فرماتے کہ لوگوں کو اطاعات وعبادات اور نیک کام کرنے پر اجر وثواب کی بشارت دیتے رہنا اور ان کو ان گناہوں پر خدا کے عذاب سے (اتنا زیادہ) مت ڈرانا (کہ وہ رحمت خداوندی سے مایوس ہوجائیں) نیز لوگوں کے ساتھ آسانی کا برتاؤ کرنا اور ان کو دشواری وتنگی میں مبتلا مت کرنا۔ (بخاری)

رضائے الٰہی کا مستحق

اچھا حکمراں، سردار، پردھان بننا دنیا میں بھی عزت کا ذریعہ بنتا ہے اور آخرت میں بھی جنت اور رضائے الٰہی کا مستحق بناتا ہے۔ گو یہ کام بہت دقت طلب اور صبر آزما ہے مگر ہے باعث ثواب۔ اس سے بندگان خدا کی صحیح خدمت ہوتی ہے اور صالح نظام ومعاشرہ بننے میں بہت سہولت ہوتی ہے جس شخص کو قیادت حاصل

ہوجائے اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے اردگرد اچھے کردار و عمل اور باشعور افراد رکھے کہ اگر کوئی بھول چوک ہوجائے تو وہ خبردار کردے اس سے اس کی قیادت مضبوط اور مفید ہوگی۔ بدقسمتی سے اس کے اردگرد برے لوگ جمع ہوجائیں گے اور وہ ان کو ساتھ رکھے گا اور رہے تو اس کی ساکھ اکھڑ جائے گی اور اپنے ساتھیوں کی وجہ سے اس کی ہی بدنامی ہوگی اور لوگوں میں وہ قائد خود برا سمجھا جائے گا پھر نتیجہ میں تلخ حقائق ہی اس کو بھگتنے پڑیں گے اور یہ اس کی سب سے بڑی ناکامی ہوگی۔ اچھوں کا ساتھی بھی اچھا ہوگا اور بروں کا ساتھی بھی برا ہی ہوگا۔

لسان التبلیغ حضرت مولانا محمد عمر پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کسی کو اگر معلوم کرنا ہو کہ وہ قیامت کے دن کس کے ساتھ ہوگا تو وہ دیکھ لے کہ آج وہ کیسے لوگوں کے ساتھ ہے، پس روزِ قیامت بھی انہی کے ساتھ ہوگا۔ اسی لئے دنیا میں اچھے اور سچے لوگوں کے ساتھ رہو تاکہ قیامت کے دن اچھا حشر ہو۔

جنت کا آسان راستہ

(۱) ماں باپ کے ذریعہ اولاد کا فرض ہے کہ اپنے ماں باپ کی عزت کرے اور ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے اور بات چیت کرنے میں ان کا ادب ملحوظ رکھے۔ (۲) اپنے ماں باپ کی اطاعت اور فرمانبرداری کرے، رسول اللہ ﷺ نے اس کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن میں نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میری ایک بیوی ہے جس سے مجھے بہت محبت ہے۔ میرے والد (فاروق اعظم) اسے میرے لئے پسند نہیں کرتے اور مجبور کرتے ہیں کہ طلاق دے دوں، یہ سن کر آپ نے فرمایا اے عبداللہ! تم اسے طلاق دے دو۔ مطلب یہ ہے کہ والدین کی فرمانبرداری کرے تاکہ ان کی

دعاؤں سے دنیا میں پھلے پھولے اور آخرت میں جنت کا مستحق بنے۔ (۳) ماں باپ کی نافرمانی سے بچے۔ حدیث شریف میں والدین کی نافرمانی کو شرک و کفر کے ساتھ ذکر فرما کر یہ بتایا ہے کہ ان کی نافرمانی بدترین گناہ ہے۔ رات دن کا مشاہدہ ہے کہ جو لوگ اپنے ماں باپ کی نافرمانی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو دنیا میں بھی سزا دیتا ہے اور ان پر ذلت وخواری مسلط کردیتا ہے، نافرمان اولاد کی اس سے زیادہ بدنصیبی کیا ہوگی کہ مرنے کے بعد جنت اور جنت کی نعمتوں سے محروم رہے گی۔ (۴) اپنے ماں باپ کی خدمت کرے اور ان کی خدمت گذاری کو اپنے حق میں سعادت سمجھے۔ حدیث شریف سے ثابت ہے کہ والدین کی خدمت نفلی عبادت سے بہتر ہے۔ (۵) اپنے ماں باپ کو خوش رکھے کہ ماں باپ کی خوشنودی اور رضامندی سے خدا خوش ہوتا ہے اور ان کی ناراضگی سے خدا ناراض ہوتا ہے۔ ماں باپ کی خوشنودی جنت حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ (۶) اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے اور ان کے احسانات کو فراموش نہ کرے، ماں باپ کو اپنے لئے خدا کی نعمت سمجھے۔ ان کی قدر کرے اور ان سے محبت کا برتاؤ کرے۔ رسول پاک ﷺ کا ارشاد ہے کہ ماں باپ کو محبت بھری نظر سے دیکھتے ہیں تو حج مبرور کے ثواب کے برابر ثواب ملتا ہے۔ (۷) کوئی ایسا کام نہ کرے جس سے ان کا دل دکھے اور ان کی زبان سے بددعا نکلے اور اولاد کی بربادی کا باعث بنے۔ (۸) ان کے انتقال کے بعد ان کیلئے دعا و استغفار کرے اور ان کے دوستوں کیساتھ نیک سلوک کرے۔

نیک اولاد باقیات الصالحات ہیں

(۱) والدین کو چاہئے کہ اپنی اولاد کو پیار و محبت سے پرورش کرے، اسلام میں اولاد کی محبت پسندیدہ اور مرغوب ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو اپنی اولاد سے بے

حد محبت تھی (۲) لڑکوں کو لڑکیوں پر ترجیح نہ دے۔ بعض لوگ لڑکوں سے زیادہ محبت کرتے ہیں اور لڑکیوں کو حقیر وذلیل سمجھتے ہیں بلکہ بعض نادان ان کی پیدائش پر ناک بھوں چڑھاتے ہیں اور ان کے وجود کو اپنے اوپر بار خیال کرتے ہیں یہ بات اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔ حدیث شریف سے ثابت ہے کہ لڑکیوں سے محبت کرنا اور ان کو پالنا پرورش کرنا بڑے ثواب کا کام ہے اور رسول اللہ ﷺ سے قرب کا ذریعہ ہے۔ (۳) اپنی اولاد کو حلال سے کھلائیں، حرام کی کمائی سے خود بھی بچیں، اور اپنی اولاد کو بھی بچائیں (۴) اپنی اولاد کی تعلیم وتربیت کے بارے میں اپنی ذمہ داری محسوس کریں اور اس بات کا شروع سے خیال رکھیں کہ دنیاوی تعلیم سے پہلے شرعی آداب سکھائیں اور مذہبی تعلیم دیں۔ اگر اس میں ذرا بھی کوتاہی برتی گئی اور اولاد مذہب اور مذہبی احکام سے دور ہوگی تو اس جرم میں قیامت کے دن اولاد ہی ماخوذ نہ ہوگی بلکہ والدین بھی پکڑے جائیں گے۔ البتہ یہ خیال رکھنا چاہئے کہ لڑکوں کو وہ تعلیم دی جائے جوان کے لئے مفید ہو اور لڑکیوں کو وہ تعلیم دی جائے جوان کے حق میں نفع بخش ہو اور وہ مستقبل میں بہترین مائیں بن کر اولاد کو صحیح معنوں میں مسلمان بنا سکیں۔ (۵) جب بچے اور بچیاں بالغ ہو جائیں تو جلد از جلد ان کی شادی کر دیں تا کہ وہ اپنی عفت وعصمت کو محفوظ رکھ سکیں۔

نیک بیوی کی علامت

(۱) بیوی کا فرض ہے کہ اپنے شوہر کی خداداد عظمت کو ملحوظ رکھے اور اسکے ادب واحترام میں کسی قسم کی کوتاہی نہ برتے اور زبان سے کوئی ایسا کلمہ نہ نکالے جو شوہر کی شان کے خلاف ہو۔ صحیح حدیث شریف سے ثابت ہے کہ اگر کسی کو کسی کے لئے سجدہ کرنے کی اجازت دی جاتی تو عورتوں کو حکم دیا جاتا کہ وہ اپنے شوہروں کو

سجدہ کریں (۲) بیوی کو لازم ہے کہ اپنے شوہر سے سچی محبت کرے، سچی محبت یہ ہے کہ شوہر کی ذات سے محبت ہو مفلسی ہو یا دولت مندی، تنگ دستی ہو یا خوش حالی ہر حال میں شوہر کی محبت کا دم بھرے۔ (۳) اللہ ورسول کے حکم کے مطابق اپنے شوہر کی اطاعت کرے۔ اور اس کی فرمانبرداری کو اپنا فرض سمجھے۔ اس کی خدمت سے دریغ نہ کرے اور زندگی کے ہر قدم پر نہایت خندہ پیشانی سے اس کی خدمت کر کے اپنی وفاداری کا عملی ثبوت دے، خوب یاد رکھے اگر وہ اپنے شوہر کی خدمت اور فرمانبرداری میں کوتاہی نہ کرے گی تو ایک دن ایسا آئے گا کہ شوہر خود ہی اس کا گرویدہ ہو جائے گا۔ یہ بیوی کا فرض ہے کہ شوہر جب اس کو جنسی خواہش کی تکمیل کیلئے بلائے تو عذر شرعی نہ ہونے کی حالت میں اس کی فرمانبرداری کرے۔ حدیث میں ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو جس وقت بستر پر بلائے اور وہ آنے سے اپنے کو منع کر دے تو اس عورت پر خدا کے فرشتے صبح تک لعنت کرتے رہتے ہیں۔

نیک شوہر کی پہچان

(۱) شوہر کا فرض ہے کہ بیوی کا نفقہ ادا کرے یعنی کھانا کپڑا اور رہنے کے لئے مکان دے اور اس کو ان کی تمام ضروریات سے بے نیاز کر دے جو اس کے لئے ضروری ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ وسعت والے کو چاہئے کہ اپنی وسعت کے مطابق نفقہ دے اور جس کی آمدنی نپی تلی ہو تو اس کو چاہئے کہ اللہ نے جو کچھ اس کو دیا ہے اسی میں سے نفقہ دے نفقہ بند کرنا بدترین گناہ ہے۔ شوہر کو چاہئے کہ اپنی ذمہ داری کو محسوس کرے اور بیوی کا نفقہ دینے میں کوتاہی نہیں کرے۔ بعض شر پسند شوہر اپنی بیوی کو میکے میں چھوڑ دیتے ہیں پھر نہ اس کو خرچہ دیتے ہیں اور نہ ہی طلاق دے کر آزاد کرتے ہیں ایسے لوگ سخت ترین مجرم ہیں۔ (۲) شوہر کی ایک بڑی ذمہ

داری یہ بھی ہے کہ وہ اپنی بیوی کا دین مہرادا کرے کہ بیوی کا دین مہر شوہر کے ذمہ واجب ہے اوراس کا ادا کرنا ضروری ہے۔ اگراس کے ادا کرنے میں کوتاہی کی تو قیامت کے دن حقوق العباد کے سلسلہ میں سخت گرفت ہوگی۔ اور سزا بھگتنی پڑے گی۔(۳) شوہر کو چاہئے کہ بیوی کے جذبات کا پاس کرے اور زیادہ دنوں تک اپنی بیوی سے جدا نہ رہے مگر پردیش میں زیادہ دنوں تک رہتا ہوتو وہ بیوی کو اپنے ساتھ رکھے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سپہ سالاروں کے نام یہ حکم جاری کردیا تھا جو شخص شادی شدہ ہو وہ اپنی بیوی سے چار ماہ سے زیادہ جدا نہ رہے۔(۴) شوہر کا اپنی بیوی کوستانا، گالیاں دینا اوراس پر ظلم وزیادتی کرنا بدترین گناہ ہے۔ جو شخص اپنی بیوی پر ظلم وتعدی کرتا ہے وہ خود بھی اپنی زندگی کے سکون واطمینان کو برباد کرکے پریشانیوں میں مبتلا ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ سب سے برا آدمی وہ ہے جو اپنی بیوی کو ستائے۔(۵) اپنی بیوی کے ساتھ خوش اخلاق سے پیش آئے محبت کا برتاؤ کرے اور جہاں تک ہوسکے اپنی ذات سے خوش رکھنے کی کوشش کرے۔ باہمی تعلقات کو خوشگوار بنانے کے لئے محبت کے طریقے اختیار کرے اوراس کی دلجوئی اور دل بستگی کے لئے کسی وقت بے تکلف ہوکر ہنسی مذاق کی باتوں سے اسے خوش کرنے کی بھی کوشش کرے تاکہ دونوں ایک دوسرے سے اس طرح گھل مل جائیں کہ ایک روح دو قالب ہوجائیں۔ رسول کریم ﷺ اپنی بیویوں کی دلجوئی کا بہت خیال رکھتے تھے۔(۶) شوہر کو چاہئے کہ اپنی بیوی کو شریک زندگی سمجھ کراس سے محبت کرے۔ حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اپنی بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے بے حد محبت تھی، ان کے انتقال کے بعد بھی ان کو یاد فرمایا کرتے تھے۔ اسی طرح ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ کی محبت کا یہ عالم تھا کہ ان کی تکلیف کو آپ اپنی تکلیف خیال کرتے تھے۔

بہنوں سے حسنِ سلوک

رسول اللہ ﷺ نے بہنوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی بار بار ہدایت فرمائی ہے۔ حدیث سے ثابت ہے کہ بہنوں کی پرورش کرنا اوران کے اخراجات کا کفیل ہونا بڑے ثواب کا کام ہے اور جنت میں جانے کا ذریعہ ہے فرمایا کہ جس شخص نے دو بہنوں کی پرورش کی یہاں تک کہ وہ بالغ ہوگئیں، تو میں اس کو اپنے ساتھ جنت میں لے جاؤں گا۔ بہنوں سے محبت کرنا رسول پاک کی سنت ہے آپ کو اپنی بہنوں سے بے حد محبت تھی لہٰذا بھائیوں کو لازم ہے کہ اپنی بہنوں کے ساتھ اچھا سلوک کریں اوران کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی نہ کریں۔

بھائیوں سے حسنِ سلوک

چھوٹے بھائی کو چاہئے کہ بڑے بھائی کا ادب واحترام ملحوظ رکھے اوراس کو باپ کی طرح سمجھے اور بڑے بھائی کو چاہئے کہ چھوٹے بھائی سے شفقت ومحبت کا برتاؤ کرے اوراس کو اپنی اولاد کی طرح سمجھے۔ حدیث میں ہے کہ جو شخص چھوٹوں سے محبت ومہربانی کا برتاؤ نہ کرے اور بڑوں کی تعظیم وتوقیر نہ کرے وہ میری امت سے نہیں۔ بھائیوں کو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا چاہئے، رسول اللہ ﷺ نے اس کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔

خالہ اور چچا کی فضیلت

اسلام نے خالہ کو ماں کی منزلت میں بتایا ہے۔ اس لئے مسلمان کو چاہئے کہ اپنی خالہ کو ماں کی طرح سمجھے اوراس کی تعظیم وتکریم کرے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ چچا باپ کی مانند ہے۔ ایک بار حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے چہرے پر غصہ کے آثار دیکھ کر حضور ﷺ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا اور فرمایا خدا کی قسم! کسی کے دل میں ایمان اس وقت تک داخل نہیں ہوسکتا جب تک وہ آپ سے اللہ ورسول کے لئے محبت نہ کرے۔ پھر فرمایا اے لوگو! جس نے میرے چچا کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی، ہر شخص کا چچا باپ کی مانند ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ چچا کو باپ کی طرح سمجھیں اور ان کا ادب واحترام ملحوظ رکھیں اور اس کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں۔

رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک

ہر مسلمان پر اپنے رشتہ داروں کے بھی حقوق ہیں اور ان کا ادا کرنا ضروری ہے رسول اللہ ﷺ نے اس کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ فرمایا جو شخص یہ پسند کرے کہ اس کے رزق میں زیادتی اور عمر میں برکت ہو تو اس کو اپنے رشتہ داروں کے ساتھ نیک سلوک کرنا چاہئے اور فرمایا رشتہ داروں کو پہچانو تو کہ ان کے ساتھ نیک سلوک کرو اس لئے کہ رشتہ داروں کے ساتھ نیک سلوک کرنا آپس کی محبت مال ودولت کی زیادتی اور عمر میں برکت کا ذریعہ ہے اور فرمایا رشتہ داروں کے حقوق کو پامال کرنے والا جنت میں نہیں جائے گا۔ ان احادیث کریمہ سے معلوم ہوا کہ رشتہ داروں کے ساتھ نیک سلوک کرنے سے انسان کی عمر میں برکت ہوتی ہے۔ دولت میں زیادتی ہوتی ہے۔ آپس میں محبت پیدا ہوتی ہے۔ رشتہ داروں سے صلہ رحمی نہ کرنے والا رسول پاک کی نظر میں ایسا مجرم ہے کہ اپنے جرم کی سزا بھگتنے سے پہلے جنت اور اس کی نعمت سے محروم رہے گا۔ رسول پاک خود بھی اپنے رشتہ داروں سے محبت کرتے تھے اور ان کے حقوق کا لحاظ رکھتے تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے

کسی کو اپنے رشتہ داروں سے اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا جتنی رسول پاک کو اپنے رشتہ داروں سے تھی۔

پڑوسیوں کے ساتھ مہربانی

انسان کا اپنے ماں باپ اہل وعیال اور دیگر رشتہ داروں کے علاوہ پڑوسیوں سے بھی تعلق ہوتا ہے اس لئے اسلام نے ان کے حقوق بھی مقرر کئے ہیں۔ رسول خدا نے اس کو بار بار تاکید فرمائی ہے۔ فرمایا کہ جبرئیل امین مجھے پڑوسی کے بارے میں بار بار تاکید کرتے رہے یہاں تک کہ مجھے اندیشہ پیدا ہو گیا کہ کہیں پڑوسی کو پڑوسی کے ترکہ میں وارث نہ بنا دیں اور فرمایا خدا کی قسم وہ مومن نہیں ہوگا۔ صحابہ کرام نے پوچھا کون؟ تو فرمایا وہ شخص جس کی شرارتوں سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ رہے اور فرمایا جو شخص اللہ اور رسول پر ایمان لایا ہے اس کو چاہیے کہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ دے اور فرمایا جب شوربا پکاؤ تو اس میں پانی زیادہ ڈال دیا کرو اور اس میں سے کچھ اپنے پڑوسیوں کو بھیج دیا کرو اور فرمایا خدا کے نزدیک بہترین پڑوسی وہ ہے جو اپنے پڑوسی کے حق میں اچھا ہو اور فرمایا وہ مومن نہیں جو خود تو سیر ہو کر کھائے اور برابر میں اس کا پڑوسی بھوکا رہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے حضور ﷺ سے پوچھا، یا رسول اللہ ﷺ! میرے دو پڑوسی ہوں تو ان میں میرے سلوک کا کون زیادہ مستحق ہے۔ آپ نے فرمایا جس کا دروازہ تمہارے دروازے سے زیادہ قریب ہو وہی زیادہ مستحق ہے۔ اور فرمایا کہ اگر تیرے پڑوسی تیری تعریف کرتے ہوں تو تو بھلا ہے۔ اور اگر برا بتاتے ہوں تو تو برا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! فلاں عورت کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ نماز روزہ

کی بڑی پابند ہے اور بہت زیادہ خیرات کرتی ہے مگر وہ اپنے پڑوس کو زبان سے تکلیف پہنچاتی ہے۔آپ نے فرمایا وہ جہنم میں جائے گی۔ پھر اس نے کہا فلاں عورت نفلی نمازوں اور نفلی روزے کم ادا کرتی ہے مگر اپنے پڑوسیوں کو اپنی زبان سے ستاتی نہیں۔آپ نے فرمایا وہ جنت میں جائے گی۔ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ پڑوسیوں کے حقوق ادا کرنے کی بڑی تاکید ہے۔

(۲) کمال ایمان اور مومن کی شان یہ ہے کہ اپنے پڑوسی کو ایذا نہ پہنچائے۔ (۳) ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق پڑوسیوں پر ایثار کرے۔(۴) جو پڑوسی جتنا زیادہ قریب ہو وہ سلوک کا اتنا ہی زیادہ مستحق ہے۔(۵) پڑوسیوں سے ہمدردی کرنا، اچھے سلوک کرنا، اور ان کے دکھ درد میں کام آنا جنت میں جانے کا ذریعہ ہے۔(۶) ان کو تکلیف پہنچانا، ایذا دینا اور ستانا دوزخی ہونے کی علامت ہے۔

مہمانوں کی خاطر تواضع

مہمان کی خاطر تواضع اور مدارات کرنا سنت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے یہاں جب کوئی مہمان آتا تو آپ اس کی خاطر تواضع فرماتے تھے۔اور مسلمانوں کو تاکید فرماتے تھے کہ جب تمہارے یہاں کوئی مہمان آئے تو اس کی مہمانی کا حق ادا کرو، فرمایا جو شخص خدا پر اور روز آخرت پر ایمان لایا ہے اس کو مہمان کی عزت کرنی چاہیے اور فرمایا جو شخص اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ مہمان کا اکرام کرے، ایک دن رات اس کا جائز ہے (یعنی ایک دن اس کی پوری خاطر داری کرے اپنے مقدور بھر اس کے لئے تکلف کا کھانا تیار کرائے) ضیافت تین دن ہے (یعنی ایک دن کے بعد ماحضر پیش کرے) اور تین دن کے بعد صدقہ ہے۔ مہمان کو کسی کے یہاں اتنا زیادہ قیام نہ کرنا چاہیے کہ اس کا میزبان پریشان ہو جائے۔

یتیموں کے حقوق

یتیموں سے محبت کرنا، ان کو کھانا کھلانا، تعلیم دلانا اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنا بڑے ثواب کا کام ہے اور خدا اور رسول کی خوشنودی کا بہترین ذریعہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس بارے میں مسلمانوں کو بار بار ہدایت فرمائی ہے۔فرمایا جو شخص یتیم کی پرورش کرتا ہے خواہ وہ یتیم اپنا ہو یا غیر، تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو جنت میں داخل فرمائے گا۔اور فرمایا جو شخص کسی یتیم کو اپنے کھانے میں شریک کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں ضرور داخل کرے گا اور فرمایا مسلمان کا سب سے بہتر گھر وہ ہے جس میں یتیم کے ساتھ احسان کیا جائے اور سب سے برا وہ گھر ہے جس میں یتیم کے ساتھ برا سلوک کیا جائے اور فرمایا جو کوئی یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ہر بال کے بدلے اس کو نیکی عطا کرتا ہے۔

بیوہ اور مساکین کی خبر گیری

بیواؤں اور مسکینوں کی خبر گیری، ان سے ہمدردی اور ان کی مدد کرنا بھی بڑے ثواب کا کام ہے۔اور خدا اورسول کی خوشنودی حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا بیواؤں اور مسکینوں کی مدد کے لئے کوشش کرنے والا راہ خدا میں جہاد کرنے والے کے مانند ہے۔راوی کا بیان ہے کہ میں خیال کرتا ہوں کہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ وہ شخص اجر وثواب میں اس شخص کے مانند ہے جو ہمیشہ دن میں روزہ رکھتا ہو اور رات میں نوافل پڑھتا ہو۔معلوم ہوا کہ خدا کی راہ میں نفلی جہاد کرنے، ساری رات نوافل پڑھنے اور دن بھر نفلی روزے رکھنے میں جتنا ثواب ہے اسی کے برابر بیواؤں اور مسکینوں سے ہمدردی رکھنے اور ان کی خدمت کرنے کا ثواب ہے۔رسول اللہ ﷺ کو بیواؤں اور

مسکینوں کا کام کر دینے میں ذرا بھی عار نہ تھا۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ بیواؤں، غریبوں، اور محتاجوں کی خدمت، ان سے ہمدردی اور ان کی مدد کرنے میں کوتاہی نہ کریں۔

بوڑھوں اور بزرگوں کی خدمت

جوانوں کو چاہئے کہ اپنے بڑے بوڑھوں اور سن رسیدہ لوگوں کی ان کے بڑھاپے اور معمر ہونے کی وجہ سے عزت کریں۔ ان کے سامنے ادب ولحاظ سے رہیں اور جہاں تک ممکن ہو ان کو آرام پہنچانے کی کوشش کریں۔ رسول خدا ﷺ نے فرمایا جو نوجوان کسی بوڑھے کی اس کے بڑھاپے کی وجہ سے عزت کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے بڑھاپے میں دوسرے جوانوں کو اس کی عزت کے لئے مقرر کر دیگا اور فرمایا بوڑھے مسلمان کی تعظیم وتکریم بھی اللہ تعالیٰ کی تعظیم سے ہے اور فرمایا جو بڑوں کا ادب واحترام نہیں کرتا وہ ہمارے طریقے پر نہیں۔

اہل ایمان کے ساتھ بھلائی

ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اخوت اسلامی کا رشتہ ملحوظ رکھے۔ سب مسلمانوں کو اپنا بھائی سمجھے، کسی مسلمان پر ظلم نہ کرے اگر کوئی دوسرا ظلم کرے تو مسلمان بھائی بے مدد نہ چھوڑے بلکہ اس کی مدد کرے۔ اپنے حاجت مند بھائی کی حاجت پوری کرنے کی کوشش کرے، کسی مسلمان بھائی کو مصیبت میں دیکھے تو اس کی مصیبت دور کرنے کی کوشش کرے، دوسرے مسلمان کی پردہ پوشی کرے یعنی اس کے پوشیدہ عیبوں کو ظاہر نہ کرے، کسی مسلمان کے جان ومال اور عزت وآبرو کے درپے نہ ہو۔ کسی مسلمان کو نقصان نہ پہنچائے اور نہ دھوکہ دے، کسی مسلمان سے حسد نہ کرے، بغض وکینہ نہ رکھے اور اسکی غیبت نہ کرے، کسی مسلمان سے تین دن تین رات سے زیادہ سلام وکلام ترک نہ کرے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا

بھائی ہے، نہ خود اس پر ظلم کرے اور نہ اس کو بے مدد چھوڑے اور فرمایا جو مسلمان اپنے بھائی کی حاجت پوری کرنے میں لگا رہے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری کرے گا اور فرمایا جو مسلمان کسی مسلمان کی مصیبت دور کرے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کی مصیبتوں میں سے کسی مصیبت کو اس سے دور فرمائے گا اور فرمایا جو مسلمان کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائے گا اور فرمایا مسلمان کی جان اس کا مال اور اس کی عزت وآبرو لینا مسلمان پر حرام ہے اور فرمایا جو کسی مسلمان کو ضرر میں ڈالے یا دھوکہ دے وہ ملعون ہے اور فرمایا تم لوگ آپس میں ایک دوسرے پر حسد نہ کرو اور نہ ایک دوسرے سے بغض وکینہ رکھے اور نہ ایک دوسرے کی غیبت کرے اور فرمایا کسی مسلمان کو کسی مسلمان سے تین دن رات سے زیادہ سلام وکلام ترک کرنا حلال نہیں۔

عوام الناس پر مہربانی کا حکم

رسول خدا ﷺ نے فرمایا مہربانی کرنے والے جو ہیں ان پر رحمٰن مہربانی فرماتا ہے، تم زمین والوں پر مہربانی کرو اللہ تعالیٰ اور آسمان کے فرشتے تم پر مہربانی کریں گے۔ اس حدیث شریف کا مطلب ظاہر ہے کہ اگر تمہاری خواہش ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر مہربانی کرے اور نظر رحمت فرمائے تو تم کو چاہئے کہ ہر انسان پر خواہ وہ دوست ہو یا دشمن، مسلم ہو یا کافر مہربانی کرو مثلاً بھوکوں کو کھانا کھلاؤ، ننگوں کو کپڑا پہناؤ، بیماروں کی خبر لو، اندھوں کو راستہ بتاؤ، مصیبت زدوں کی مصیبت دور کرنے میں کوشش کرو۔ غرض یہ کہ ہر انسان کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آؤ اور جہاں تک ہو سکے اس کی مدد کرو۔ یہ بڑے اجر وثواب کا کام ہے اور یہی انسانیت کا تقاضہ ہے۔ جس انسان کے دل میں خدا کے بندوں پر مہربانی کرنے کا جذبہ نہیں وہ خدا کی رحمت سے محروم ہے۔ ☆☆

یتامیٰ اور مساکین کی کفالت

جہاد فی سبیل اللہ کے برابر

قرآن و حدیث کے مطابق یتیم اور مسکین اس کو کہتے ہیں کہ:

کمسن بچہ جو باپ کے سایۂ رحمت و عاطفت سے محروم ہو جائے اسے یتیم بولا جاتا ہے۔ اسلامی معاشرت میں ہر فرد کا یہ فرض ہے کہ وہ اس یتیم بچے کو آغوش میں لے لے، اسے پیار کرے، اس کی خدمت کرے، اس کو تعلیم دلائے، اس کے متروکہ مال و اسباب کی حفاظت کرے اور جب وہ عقل و شعور کو پہنچ جائے تو پوری دیانتداری سے اس کی امانت اسے پوری کی پوری واپس کر دی جائے۔ اس کی شادی اور خانہ آبادی کا اہتمام کیا جائے۔

قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے:

''اور بہتری کی غرض کے سوا یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ یہاں تک کہ وہ اپنی طاقت کی عمر کو پہنچ جائیں''۔ (انعام:۱۹)

دوسری جگہ ارشاد ہے:''اور یہ کہ یتیموں کیلئے انصاف پر قائم رہو''۔ (النساء۱۹)

یتیموں کے مال میں بددیانتی اور اسراف نہ کرو

ارشاد خداوندی ہے۔''اور اڑا کر اور جلدی کر کے انکا مال نہ کھاؤ کہ کہیں یہ بڑے نہ ہو جائیں''۔ (النساء:۱)

دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے:''اور جو (متولی) بے نیاز ہے اس کو چاہئے کہ بچتا رہے اور محتاج ہے تو منصفانہ طور پر دستور کے مطابق کھائے''۔ (النساء:۱)

یتیم بچوں کے مال کو بددیانتی اور اسراف سے خرچ کرنے کی جہاں تنبیہ کی گئی ہے وہاں یہ بھی ہدایت ہے کہ نابالغ یتیم بچوں کے سپرد ان کا مال نہ کرو، جب وہ سن رشد کو پہنچ جائیں تو پھر ماں باپ کے ساتھ، رشتہ داروں کے ساتھ، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ نیک سلوک کرنا''۔ (البقرہ:۸۲)

سورۃ البقرہ ہی میں ایک اور ارشاد خداوندی ہے:

''پوچھتے ہیں یتیموں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔ کہو جس طرز عمل میں ان کے لئے بھلائی ہو وہی اختیار کرنا بہتر ہے''۔ (البقرہ:۲۲)

غرضیکہ احادیث رسول ﷺ اور قرآن مجید کی تعلیمات میں یتیموں کے حقوق کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سخت احکامات دیئے ہیں۔ ان احکامات کی روشنی میں ہم یتیموں کے حقوق کو بالاختصار مندرجہ ذیل نکات کی شکل میں بیان کر سکتے ہیں۔

(۱) یتیم بچے کا احترام و اکرام اور پیار و محبت اپنے بچوں سے بھی بڑھ کر کیا جائے تا کہ اسے اپنے باپ کی عدم موجودگی کا احساس نہ ہو۔

(۲) یتیم بچے کی پرورش و پرداخت اسی طرح کی جائے جس طرح اپنے بچوں کی کرتے ہیں۔

(۳) یتیم بچے کی تعلیم وتربیت کا پورا پورا اہتمام کیا جائے اور اس پر اٹھنے والے اخراجات اگر یتیم بچے کے اپنے والدین کے ترکہ سے کئے جا رہے ہیں تو انہیں عدل کے ساتھ کیا جائے۔

(۴) یتیم بچے کی جائیداد اور مال کی حفاظت اور اس کی سرمایہ کاری کا اسی طرح اہتمام کیا جائے جس طرح کوئی شخص اپنی جائیداد کا کرتا ہے۔ انصاف کے ساتھ اسے اپنی محنت کا حق لینے کا حق حاصل ہے۔

(۵) یتیم بچے کے مال کی اس وقت تک حفاظت کی جانی چاہئے جب تک بچہ سن بلوغت کو پہنچ کر اس جائیداد کو سنبھالنے کے لئے ضروری علمی وعقلی استعداد وکمال کا مالک نہ بن جائے۔

(۶) خوش کلامی وخوش اخلاقی کے ساتھ یتیم کی مالی کفالت اور حاجت روائی معاشرے کے سارے افراد پر واجب ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔

> ”مسلمان کا سب سے اچھا گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم کیساتھ بھلائی کی جا رہی ہو۔ اور سب سے بدتر گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم کیساتھ بدسلوکی کی جاتی ہو“۔

”میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں یوں دو انگلیوں کی طرح قریب ہوں گے“۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(۷) یتامیٰ کے ساتھ معاشرتی عدل واحسان کا حکم ہے اور یہ سلسلہ رحم اس وقت تک جاری رہنا چاہئے جب تک کہ ان کو رشتہ ازدواج میں منسلک نہ کر دیا جائے۔ یتیم بچی کے ساتھ شادی کرنے اور اسے دبائے رکھنے کے ارادوں کو اسلام ناپسند کرتا ہے۔ اسلام کا حکم یہ ہے کہ یتیم بچی کے ساتھ انصاف نہ کرسکو تو اس کے ساتھ بالکل نکاح نہ کرو۔

(۸) یتامیٰ کی پرورش کے لئے مسلمانوں کے صدقات وخیرات کی رقم کا استعمال کیا جا سکتا ہے۔ پرورش سے مراد بچوں کی خوردونوش، لباس اور تعلیم وتربیت کے اخراجات ہیں۔

(۹) غریب ویتیم کو کھانا کھلانا نیکی ہے لیکن کبھی اس نیکی کا احساس دلانا یا جتلانا جائز نہیں ہے۔

(۱۰) یتیم کے ولی پر لازم ہے کہ وہ یتیم کے مال اور جائیداد کا مناسب انتظام کرے اور اس میں تجارت کے ذریعہ افزائش مال کا اہتمام کرے۔ اور پھر جب وہ بالغ ہو جائے تو پوری دیانتداری سے اس کا اصل مع منافع اس کو واپس کر دے۔

(۱۱) یتیم بچوں کی پرورش وپرداخت کی نگرانی اور اس سلسلہ میں لوگوں کو ترغیب وترہیب دینے والا مجاہد فی سبیل اللہ ہے۔

(۱۲) اسلامی معاشرہ میں یتامیٰ کو لوگوں کے مالوں سے ان کے صدقات وخیرات کی رقم لینے کا حق حاصل ہے اور یہ ان پر کسی کا احسان نہیں بلکہ یہ مالدار لوگوں پر ان یتیم بچوں کا احسان ہے جو وہ مال لے کر اس کے مال میں مزید خیر وبرکت کا سبب بنتے ہیں۔

(۱۳) اگر یتیم بچوں کے وارث مال نہ چھوڑ کر مریں اور وہ غریب ہوں تو معاشرے کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان کی اجتماعی کفالت کے لئے صحت مند اور نفع بخش باعزت روزگار فراہم کرے۔

(۱۴) یتیم بچوں کا مال امانت ہے جو کوئی ان کے مال کا امین بنے گا اور پھر خیانت کا مرتکب ہوگا تو اسے شدید عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ ایک قوم کے لوگ قیامت کے روز اس طرح اٹھائے جائیں گے کہ ان کے منہ آگے سے بھڑک رہے ہوں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم! یہ کون لوگ ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تم نے قرآن میں نہیں پڑھا۔ وہ لوگ جو ظلم سے یتیموں کا مال کھاتے ہیں''۔

(۱۵) یتیموں میں بعض اس قسم کے لوگ ہوں گے جو کہ دست سوال دراز کرنے سے بوجہ شرافت گریز کرتے ہیں۔ اسلام میں ایسے لوگوں کی ضروریات کا خیال رکھنا معاشرے کی ذمہ داری ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے۔

''خاص طور پر مدد کے مستحق وہ تنگ دست ہیں جو اللہ کے کاموں میں ایسے گھر گئے ہیں کہ اپنے ذاتی کسب معاش کے لئے زمین میں دوڑ دھوپ نہیں کر سکتے۔ ان کی خودداری دیکھ کر واقف گمان کرتا ہے کہ یہ خوشحال ہیں تم ان کے چہروں سے ان کی اندرونی حالت جان سکتے ہو۔ مگر وہ ایسے لوگ نہیں کہ لوگوں کے پیچھے پڑ کر بھیک مانگیں ان کی اعانت میں جو کچھ مال تم خرچ کرو گے وہ اللہ سے پوشیدہ نہیں رہے گا''۔ (البقرہ:۲۷۳)

☆☆☆

''صبر'' فضائل و اخلاق

قرآن کریم میں صبر کا لفظ اپنے وسیع مفہوم کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت کے لئے ایک سو دو مرتبہ آیا ہے اور صرف یہی نہیں کہ قرآن میں اس کو ایک اہم وصف کی حیثیت سے بیان کیا گیا ہے بلکہ انسانی کامیابی کے لئے جو اوصاف ناگزیر بتائے گئے ہیں ان میں ایک بنیادی وصف صبر ہے جو نہ صرف ایک وصف ہے بلکہ بہت سے اوصاف کا سرچشمہ بھی ہے۔

صبر دراصل ایک بنیادی اخلاقی جوہر ہے اسکے مظاہر انسانی زندگی میں مختلف ہیں اور انسانی سیرت و کردار میں صبر مختلف پہلوؤں سے نمایاں ہوتا ہے۔ کردار کے مختلف گوشوں میں صبر کا مظاہرہ ایک مستقل اخلاقی وصف قرار پاتا ہے۔ اور اس اخلاقی وصف کا علم اخلاق میں مستقل نام ہے اور اسی مستقل نام سے اس کو جانا جاتا ہے، کردار کے مختلف پہلوؤں کے لحاظ سے یہ مستقل اوصاف سب درحقیقت صبر ہی کے مظاہر ہیں اور صبر ہی کی سرچشمے سے پھوٹنے والے سوتے ہیں۔

عفت و پاکدامنی بھی صبر ہے

ایک شخص جب پیٹ اور شرم گاہ کے سلسلے میں اپنی خواہشات کو قابو میں رکھتا ہے، صرف حلال سے اپنی بھوک و پیاس مٹاتا ہے اور حرام سے قطعی اجتناب کرتا ہے،

شہوانی جذبات میں حدود الٰہی کی پوری پوری پابندی کرتا ہے۔ نظر وخیال کو آوارگی
سے بچانا اور جنسی بے راہ روی سے خود کو محفوظ رکھتا ہے تو اس مبارک اخلاقی کوشش
سے نفس انسانی میں ایک مستقل اخلاقی وصف پیدا ہوتا ہے، اس اخلاقی وصف کو
''عفت'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور عفت و پاکدامنی مومن کی بنیادی صفت
ہے۔ (ترجمہ: ''اور یہ لوگ شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہوتے ہیں'') (عفت
کی دراصل حقیقت یہ ہے کہ آدمی دل کی گہرائی سے یہ تسلیم کرکے اپنے آپ کو صرف
حلال پر جمائے رکھتا ہے اور حرام سے سختی کے ساتھ بچاتا ہے کہ حرام وحلال کا اصل منبع
رب ذوالجلال کا حکم ہے اور رب ذوالجلال کے حکم کے آگے سرِتسلیم خم کرنا ہی ایمان
ہے اس میدان میں خواہش نفس پر قابو رکھنا اور حرام سے بچنا صبر کا ایک مظہر اور بلند
اخلاقی وصف ہے۔ علم اخلاق میں اس اخلاقی وصف اور مظہرِ صبر کو عفت کے پاکیزہ
نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ محرمات اور منہیات سے بچانے والی صفت عفت ہے۔ اور
اس صفت کو پروان چڑھانا مومن کا محبوب فرض ہے اس لئے محرمات اور منہیات
سے بچنا فرض ہے جب کہ مکروہات سے بچنا، مندوب اور پسندیدہ ہے۔

ضبط نفس بھی صبر ہے

اللہ نے اپنے کسی بندے پر مال و دولت کے دروازے کھول دیئے ہیں،
عیش وعشرت کے وسائل سے اسے مالا مال کردیا ہے اور وہ خوشحال ہے مگر وہ برابر
اپنے نفس کو قابو میں رکھتا ہے، غلط راہ پر جانے سے نفس کو روکے رکھتا ہے اور خود کو
حدود الٰہی کا پابند کیئے رہتا ہے تو اس اخلاقی وصف کو ''ضبط نفس'' کہتے ہیں۔ ضبط نفس
کی ضد بدمستی ہے۔ دراصل دولت ایک نشہ ہے اگر دولت کے نشے کے باوجود آدمی
نفس کو لگام لگائے رکھتا ہے اور نفس کو بے راہ روی سے باز رکھتا ہے، رنگ رلیوں اور

عیاشیوں سے اپنا دامن بچائے رہتا ہے تو اس اخلاقی کیفیت کو ضبط نفس کے نام
سے یاد کیا جاتا ہے اور ضبط نفس بھی صبر ہی کا ایک مظہر ہے۔

ضبط نفس کا بندھن اگر ٹوٹ جائے تو آدمی دولت کے نشے میں بدمست
ہوجاتا ہے۔ وہ حدود الٰہی کو پامال کرتا ہے اور پھر وہ انسان نہیں حیوان بن جاتا ہے،
دولت کی بدمستی اسے کسی اخلاقی حد کی پابندی نہیں رہنے دیتی، اس کے برخلاف
جب وہ دولت کو خدا کا عطیہ سمجھتا ہے، اس انعام کے بارے میں خدا کے یہاں اپنے
کو جوابدہ محسوس کرتا ہے، بندوں کے اور خدا کے مالی حقوق کشادہ دلی اور کشادہ
ظرفی سے ادا کرتا ہے اور نفس پر خوف خدا کی گرفت مضبوط رکھتا ہے، تو اس کے اندر
ایک اخلاقی وصف ابھرتا اور قوت پکڑتا جاتا ہے۔ اس اخلاقی وصف کو ضبط نفس کا نام
دیا جاتا ہے اور یہ بھی صبر ہی کا ایک پہلو اور مظہر ہے۔ مومن وہ ہے جس کے ہاتھ اور
زبان سے کسی کو ایذا نہ پہنچے ایذا رسانی سے بچنا، فضیلت کا مقام ہے اور یہ مقام
فضیلت ضبط نفس ہی کی بدولت حاصل ہوتا ہے۔

شجاعت بھی صبر کا مظہر ہے

جنگ کے میدان میں جب آدمی پامردی، استقلال اور حوصلہ دکھاتا ہے،
دشمن کے مقابلے میں مردانگی، جوانمردی اور سرفروشی کا مظاہرہ کرتا ہے تو اس اخلاقی
وصف کو ''شجاعت'' کے دلکش نام سے یاد کرتے ہیں شجاعت ایک بلند اخلاقی وصف
ہے اور یہ بھی صبر ہی کا ایک مظہر ہے شجاعت کی ضد بزدلی، تھڑدلی اور دورہمتی ہے جو
بدترین اخلاقی برائی ہے جس کی بنیاد، متاع دنیا کی ہوس اور موت کا خوف ہے اس
کے برخلاف جب بندہ ان حقیر چیزوں سے اونچا اٹھ کر صرف رضائے الٰہی کو اپنا
نصب العین بناتا ہے اور اس کے ماسوا ہر چیز کو اپنے مرتبے سے کم تر اور حقیر سمجھ کر

ٹھکرا دیتا ہے تو اس میں شجاعت جیسی بلند صفت پیدا ہوتی ہے۔ وہ کسی چیز کی ہوس میں مبتلا نہیں ہوتا اور خوشی خوشی موت کا استقبال کرنے کے لئے تیار رہتا ہے۔ ایسے شخص کو شجاع، اور دلیر کہا جاتا ہے جب کہ صبر واستقلال کا ایسا مظاہرہ نہ کر سکنے والے کو بزدل، تھڑدلا اور پست ہمت کہتے ہیں۔

اہل عزیمت کا شیوہ

مصائب وآلام اور سنگین ترین حالات میں آدمی پہاڑ کی طرح جما رہے، جزع وفزع نہ کرے حوصلہ نہ توڑے، ہمت سے کام لے اور پرامید رہ کر حالات کا مقابلہ کرتا رہے تو اس کو بلند حوصلگی کہتے ہیں۔

بلند حوصلگی اہل عزیمت کا شیوہ ہے اور یہ اخلاقی وصف بھی صبر ہی کے منبع سے پھوٹنے والا ایک اخلاقی سوتا ہے، تاریخ میں پائے جانے والے سارے کارنامے انہی لوگوں کے ہیں جن کے اندر بلند حوصلگی تھی تاریخ میں ان لوگوں کا کبھی کوئی کارنامہ نہیں رہا ہے، جو حوصلے کی بلندی سے محروم ہیں۔

☆☆☆

قربِ الٰہی کا ذریعہ

قرآن کریم کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بہت سی آیات میں خود اس کی عظمت بیان فرمائی ہے۔ فرمایا: (اور ہم نے کتاب کو اتارا یہ برکت والی ہے) اور فرمایا (یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو بہت سیدھی ہے) اور فرمایا (باطل نہ سامنے سے اس پر آسکتا ہے اور نہ پیچھے سے) بخاری شریف میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''تم میں سے بہترین آدمی وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے''۔

اللہ تعالیٰ کے اہل وعیال

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کچھ بندے اللہ تعالیٰ کے اہل وعیال ہیں'' کہا گیا کہ ''اے اللہ کے رسول اللہ ﷺ وہ کون لوگ ہیں؟'' تو فرمایا: ''قرآن والے ہی اللہ کا اہل وعیال اور اس کے خاص بندے ہیں''۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ اس دل کو عذاب نہ کرے گا جس نے قرآن یاد رکھا''۔

اور ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قرآن والے سے کہا جائے گا پڑھتا جا اور چڑھتا جا اور ترتیل سے پڑھ جیسا کہ تو دنیا میں پڑھا کرتا تھا۔ تیری منزل وہاں ہے جہاں تجھے تیری آخری آیت کی قرأت پہنچادے''۔ (ترمذی)

قیامت کے دن کا ساتھی

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قیامت کے دن قرآن اپنے ساتھی کو ملے گا جب کہ وہ قبر سے کمزور اور زرد رنگ نکلے گا تو کہے گا۔ کیا تو مجھے پہچانتا ہے؟ وہ کہے گا ''میں نہیں پہچانتا'' تو وہ کہے گا ''میں تیرا ساتھی قرآن ہوں کہ میں نے تجھے گرمی میں پیاسا رکھا اور رات کو جگایا اور ہر تاجر اپنی تجارت کے پیچھے ہے اور میں آج تیرے لئے ہر تجارت سے اچھا ہوں''۔ پھر اس کے دائیں اور بائیں ہاتھ میں اختیار دیا جائے گا ہمیشہ رہنا اور اس کے سر پر وقار کا تاج رکھا جائے گا اور اس کے ماں باپ کو دو حلّے (جوڑے) پہنائے جائیں گے اور ساری دنیا ان کی قیمت نہیں بن سکتی تو وہ کہیں گے۔ ''یہ حلے ہمیں کس سبب سے پہنائے گئے ہیں؟'' کہا جائے گا ''تمہارے بیٹے نے قرآن یاد کیا تھا'' پھر کہا جائے گا ''جنت کے درجات اور بالاخانوں میں پڑھتا جا اور چڑھتا جا۔ وہ جب تک پڑھتا جائے گا چڑھتا رہے گا خواہ تیزی سے پڑھے یا آہستہ''۔

ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا ''قرآن والے کو چاہئے کہ وہ اپنی رات کو پہچانے جب کہ لوگ سوئے ہوئے ہوں اور اپنے دن کو جب کہ لوگ کھانا کھائیں اور اپنے غم کو جب کہ لوگ خوش ہوں اور اپنے رونے کو جب کہ لوگ ہنسیں اور اپنی خاموشی کو جب کہ لوگ باتیں کریں اور اپنے خشوع کو جب کہ لوگ تکبر کریں''۔ قاری کے لائق نہیں کہ وہ سنگدل، غافل، شور مچانے والا اور مغلوب الغضب ہو''۔

فضیل رضی اللہ عنہ نے کہا: ''قرآن کا حامل اسلام کا علمبردار ہے۔ اسے لائق نہیں کہ لغو گوئی کرنے والوں کے ساتھ مل کر لغو گوئی کرے۔ بھولنے والوں کے ساتھ بھول جائے اور کھیلنے والوں کے ساتھ کھیلے۔ اسے چاہئے کہ اللہ کی عظمت کو ملحوظ رکھے اور نہ یہ لائق ہے کہ وہ اپنی حاجت کسی کے پاس لے کر جائے، بلکہ لوگ اپنی حاجتیں اس کے پاس لے کر آئیں''۔

امام احمد بن حنبل کا خواب

امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میں نے خواب میں رب العزت کو دیکھا، میں نے عرض کیا: ''اے میرے رب! آپ کی جناب میں تقرب حاصل کرنے والے کس چیز سے تقرب حاصل کرتے ہیں؟'' فرمایا: ''اے احمد میرے کلام سے''۔

میں نے عرض کیا: ''سمجھ کر پڑھنے سے یا بغیر سمجھ کر پڑھنے سے بھی؟''

فرمایا: ''سمجھ سے بھی اور بغیر سمجھ کے بھی ہیں''۔

قرآن کریم پڑھنے والے کو چاہئے کہ باوضو ہو، ادب سے بیٹھے، سر نیچا کئے ہوئے اور چار زانو اور تکیہ لگا کر، متکبروں کی طرح نہ بیٹھے، بہترین حالت یہ ہے کہ نماز میں کھڑا ہو کر پڑھے اور مسجد میں ہو۔ باقی رہا یہ کہ کتنا پڑھے؟ تو اس میں سلف کی عادت مختلف تھی۔ بعض ایک دن رات میں ختم کرلیا کرتے تھے۔ بعض تین دنوں میں ختم کرلیا کرتے۔ بعض ایک ہفتے میں ختم کرتے۔ بعض ایک مہینے میں ختم کرتے کیونکہ وہ قرآن کو سمجھنے میں مشغول ہوتے یا علم کو پھیلانے میں یا تعلیم دینے میں یا قرأت کے علاوہ کسی اور عبادت میں یا دنیا کی محنت مزدوری کے مشغلے کی وجہ سے بہتر یہ ہے کہ اتنا پڑھے جس سے اس کے ضروری کاموں میں رکاوٹ پیدا نہ ہو اور نہ اس کے جسم کو تکلیف ہو''۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: ”اگر میں صرف سورۃ البقرہ اور آل عمران پڑھ لوں اور ان میں غور وفکر کروں تو یہ مجھے زیادہ پسند ہے، اس سے کہ میں سارا قرآن تیز تیز پڑھتا جاؤں۔ جسے فرصت ہو وہ زیادہ تلاوت کو غنیمت سمجھے تا کہ زیادہ ثواب حاصل کرے“۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: ”جو قرآن ختم کرے اس کی دعا قبول ہوتی ہے“۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ جب قرآن ختم کرتے تو اپنے گھر والوں کو اکٹھا کرتے اور دعا مانگتے۔

میرے پیرومرشد عارف باللہ حاذق الامت حضرت مولانا حکیم زکی الدین احمد صاحب پرنامبٹی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے آج کے دور میں حافظ کو کم از کم ایک پارہ اور غیر حافظ کو کم از کم پاؤ پارہ یومیہ کے حساب سے تلاوت کرنا چاہیے۔ اس مقدار سے کم نہیں پڑھنا چاہیے۔ (محمد ادریس حبان رحیمی)

☆☆☆

علم وعمل

مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ فرماتے ہیں کہ:

(۱) صحیح علم (۲) اس علم پر یقین (۳) اس علم پر عمل کرنے اور اس پر یقین کے مطابق زندگی گذارنے کا جذبہ اور خواہش، یہ ہے حضرت آدم سے لے کر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تک کی تعلیم کا نچوڑ۔

اب میں بتاتا ہوں کہ وہ صحیح علم کیا ہے جو پیغمبر انسانوں کو دیتے ہیں، وہ علم اس کا کہ دنیا کو کس نے بنایا اور کس لئے بنایا، پیغمبر کہتے ہیں کہ سب سے پہلے یہ معلوم ہونا چاہئے کہ ہم کو کس نے پیدا کیا اور کیوں پیدا کیا، اس کے معلوم کئے بغیر ہمارا ہر قدم غلط ہے ہم کو اس دنیا کی کسی چیز سے فائدہ اٹھانے کا کوئی حق نہیں، اس لئے کہ اس زندگی میں جو کچھ ہورہا ہے چلنا پھرنا، کھانا پینا، وہ سب اس عظیم کل کا ایک حقیر جز ہے، جب تک کہ ہم کو اس کائنات کا مرکز معلوم نہیں اور ہم اس کے مقصد کلی سے اتفاق نہیں رکھتے، ہم کو اس کے اجزاء سے فائدہ اٹھانے کا کیا حق ہے؟ اس کے بغیر تو روٹی کا ایک ٹکڑا توڑنا حرام ہے، ہم بھی اس کائنات کا ایک حقیر جز ہیں، اور غلہ کا جو دانہ ہم استعمال کرتے ہیں وہ بھی اس مجموعہ کی ایک بہت حقیر اور ایک ادنی ذرہ ہے،

بلکہ ہم جس سیارہ (زمین) پر بس رہے ہیں وہ بھی اس کائنات کا حقیر ذرہ ہے، ہماری اس زمین کی اس نظام فلکی میں کیا حیثیت ہے؟ اگر آپ کو وہ نسبت معلوم ہو جائے جو آپ کی اس زمین اور سورج کے درمیان ہے یا دوسرے سیاروں اور ثوابت سے ہے تو آپ کو اپنے وجود سے بھی شرم آنے لگے گی اور اپنے عظیم الشان وطن سے بھی، آپ کے اور اس کائنات کے دوسرے جز کے درمیان کس نے ربط پیدا کیا؟ اسی خالق کائنات نے اور اسی مقصد کلی نے! اگر آپ اس خالق کائنات کو نہیں جانتے یا نہیں مانتے اور اس مقصد کلی سے آپ کو اتفاق نہیں ہے تو آپ کو اس کائنات کے کسی ذرہ یا دوسرے جز سے فائدہ اٹھانے کا کیا حق ہے؟ میں پوچھتا ہوں کہ اگر روٹی کا وہ ٹکڑا جو آپ کے ہاتھ میں ہے، آپ سے سوال کرے کہ میں نے تو اپنے خالق کو پہچان لیا اور اس کے حکم کے مطابق میں نے اپنے مخدوم (انسان) کے لئے اپنے وجود کو قربان کر دیا۔

لیکن اے انسان!

لیکن اے انسان! تو نے نہ اپنے خالق کو جانا نہ اس کی بندگی کی، تجھے مجھ سے فائدہ اٹھانے کا کیا حق ہے؟ تو آپ کیا جواب دیں گے؟ اسی طرح دنیا کی کسی چیز کا استعمال غلط ہے، جب تک یہ جان نہ لیا جائے کہ اس کا پیدا کرنے والا کون ہے، اور اس کا مقصد کیا ہے، مگر یہ عجیب ٹریجڈی ہے کہ آج دنیا میں تمام کام ہو رہے ہیں، بازار میں چہل پہل ہے، تعلقات قائم ہو رہے ہیں، سواریاں چل رہی ہیں، بڑے بڑے کام ہو رہے ہیں، مگر کسی کو یہ معلوم کرنے کی فرصت نہیں کہ جس دنیا میں یہ سب کچھ ہو رہا ہے، اس کا پیدا کرنے والا کون ہے، اس کی پیدائش کا مقصد کیا ہے؟ جب پیغمبر دنیا میں تشریف لائے انسانیت کی گاڑی بے مقصد جا رہی تھی، فلاسفہ، علماء،

ادبا، شعراء، فاتحین، حکمرانوں، کاشتکاروں اور تاجروں کو اپنے کاموں سے فرصت نہ تھی۔ حاکم بھی تھے، اور محکوم بھی تھے، ظالم بھی تھے، اور مظلوم بھی تھے مگر سب اصل مقصد سے غافل اور اپنے پیدا کرنے والے سے ناواقف، ان چھوٹے چھوٹے بالشتی جیسے انسانوں میں ایک بلند قامت انسان آتا ہے، اور جن لوگوں کے ہاتھ میں انسانیت کی باگ ڈور تھی، ان سے سوال کرتا ہے کہ جواب دو کہ تم نے انسانوں پر یہ کیا ظلم کیا ہے کہ ان کو اپنے مالک اور اس دنیا کے بادشاہ سے ہٹا کر اپنا غلام بنا لیا ہے، تم کو کیا حق تھا کہ نابالغ انسانیت کا ہاتھ پکڑ کر تم نے اس کو غلط راستہ پر ڈال دیا ہے، اے ظالم ڈرائیور تو نے مسافروں سے پوچھے بغیر زندگی کی گاڑی کس طرح چلانی شروع کر دی، وہ زندگی کے قلب وضمیر میں کھڑے ہو کر انسانیت کو خطاب کرتا ہے اور اس کو پکارتا ہے، اس کے سوال کو ٹالا نہیں جا سکتا، اس کی دعوت اور اسکی پکار پر دو گروہ ہو جاتے ہیں، ایک اس کی بات مانتا ہے، ایک انکار کرتا ہے، دنیا کو ان دونوں راستوں میں سے ایک راستہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔

پیغمبروں کے آنے کا مقصد

پیغمبر کبھی نہیں کہتے کہ ہم قدرت کے راز ہائے سربستہ کا انکشاف کرنے آئے ہیں، ہم طبعی طاقتوں کو مسخر کرنے آئے ہیں، ہم کچھ نئی ایجادیں کریں گے، وہ جغرافیہ و معدنیات میں مہارت کا دعویٰ نہیں کرتے، وہ کہتے ہیں کہ ہم اس دنیا کے بنانے والے اور اس کی ذات وصفات کا صحیح علم عطا کرتے ہیں جو ہم کو اس دنیا کے مالک نے اور انسان کے خالق نے عطا کیا ہے، اور اب ہمارے ہی ذریعہ سے دوسروں کو مل سکتا ہے۔

وہ بتاتے ہیں کہ اس دنیا کا بنانے والا ایک ہے، اور اسی کی مرضی وحکمت سے یہ دنیا چل رہی ہے، وہ بلاشرکتِ غیرے اس کو چلا رہا ہے، یہ دنیا بے مقصد نہیں پیدا کی گئی اور نہ بے مقصد چل رہی ہے اس زندگی کے بعد دوسری زندگی ہوگی جس میں اس پہلی زندگی کا حساب دینا ہوگا، وہاں اچھے اعمال کا انعام ملے گا، برے اعمال کی سزا ملے گی۔ قانون لانے والے اور خدا کا منشاء بتلانے والے پیغمبر ہیں، جو ہر ملک اور ہر قوم میں آئے اور خدا کا پیغام لائے، خدا کا راستہ ان کے بغیر طے نہیں ہوسکتا، یہ وہ باتیں ہیں جن پر پیغمبر متفق ہیں، ان میں کسی کا اختلاف نہیں، فلاسفہ وحکماء میں سخت اختلاف ہے، ان میں سے دو بھی کسی ایک بات پر متفق نہیں لیکن یہاں کسی ایک بات پر بھی دو پیغمبروں میں اختلاف نہیں۔

علم اور یقین کی حقیقت

لیکن علم کے لئے یقین ضروری نہیں، آج ہماری معلومات کتنی زیادہ ہیں، مگر ہمارا یقین کتنا کم ہے، علم ہمیشہ یقین پیدا نہیں کرتا، قدیم زمانے کے فلاسفہ میں سے بہت سے یقین سے محروم تھے۔ اور شک کے مریض، آج بھی ان کا علم یقین پیدا کرنے کے بجائے الٹا شک پیدا کرتا ہے، آج بھی بڑے بڑے صاحب علم یقین کو ترستے ہیں، انبیاء علیہم السلام تنہا صحیح علم ہی نہیں دیتے تھے بلکہ اس پر یقین بھی عطا کرتے تھے، علم بغیر یقین کے زبان کی ورزش ہے، دماغ کا تعیش اور دل کا نفاق، پیغمبروں نے اپنے ماننے والوں کو صحیح علم عطا کیا اور مضبوط یقین، انہوں نے جو کچھ جانا اس کو مانا پھر اپنے کو اس پر قربان کر دیا، ان کے دماغ اس علم سے روشن ہوئے اور ان کے دل اس یقین سے طاقت ور، ان کے یقین کے قصے تاریخ میں پڑھئے، ان کے یقین کے نتائج اپنی گرد و پیش کی دنیا میں دیکھئے۔

علم کے ساتھ عمل ضروری

آج اگر یقین ہوتا تو بداخلاقی کیوں ہوتی؟ ظلم کیوں پھیلتا؟ رشوت کا بازار کیوں گرم ہوتا؟ کیا یہ تمام خرابیاں اس لئے ہیں کہ علم نہیں، لوگوں کو معلوم نہیں کہ چوری جرم ہے؟ رشوت حرام ہے، گرہ کٹی بداخلاق ہے، یہ کون کہہ سکتا ہے؟ ہم تو دیکھتے ہیں کہ جہاں علم زیادہ ہے، وہاں خرابیاں بھی زیادہ ہیں، جو لوگ رشوت کی برائی پر کتاب لکھ سکتے ہیں، اور اسکی تاریخ مرتب کر سکتے ہیں، وہ زیادہ رشوت لیتے ہیں، گرہ کٹوں کو دیکھئے ان میں سے بہت سے ایسے ملیں گے جو گرہ کٹی کے الزام میں کئی کئی بار سزا بھگتے ہوئے ہوتے ہیں، کیا ان سے زیادہ کوئی گرہ کٹی کے انجام اور سزا سے واقف ہوگا، اگر صرف علم کافی ہوتا تو چوری کی سزا کے بعد چوری چھوٹ جاتی اور ایک بار جرم کرنے کے بعد اور سزا بھگتنے کے بعد کوئی دوبارہ جرم نہ کرتا لیکن ایسا نہیں ہورہا ہے، معلوم ہوا علم تنہا کافی نہیں۔

عمل کی رغبت ضروری

پھر علم ضروری اور یقین ضروری، مگر اس کی کیا ضمانت کہ اس پر عمل کا تقاضا بھی پیدا ہوگا، بہت سے لوگ جانتے بھی ہیں اور یقین بھی رکھتے ہیں کہ شراب بری چیز ہے، اس کے نقصانات کا تجربہ بھی ہے، یقین بھی، مگر پیتے ہیں، آپ کے شہر میں بہت ڈاکٹر حکیم ہوں گے جو بدپرہیزی کرتے ہیں، ان کو یقین ہوتا ہے کہ بدپرہیزی خطرناک ہے مگر وہ بدپرہیزی کر گزرتے ہیں، بات یہ ہے کہ عمل کا تقاضا نہیں ہوتا اور ان کے اندر پرہیز کی خواہش اور بدپرہیزی سے نفرت نہیں ہوتی، بلکہ بدپرہیزی کی خواہش ہوتی ہے، اور ہواس خواہش کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

انبیاء کرام علم ویقین کے ساتھ یہ تیسری طاقت بھی عطا کرتے ہیں، یعنی اپنے علم ویقین پر عمل کرنے کی رغبت اور اپنی غلط خواہشات کا مقابلہ کرنے کی طاقت، اس کا نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے علم ویقین سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہیں اور ان کے مطابق زندگی گذارتے ہیں، ان کا ضمیر ان کی نگرانی کرتا ہے اور غلط کام کرنے کے وقت ان کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے۔

انسانوں کی دستگیری

ہر پیغمبر نے یہ تینوں دولتیں اپنے اپنے زمانہ والوں اور اپنی اپنی امتوں کو عطا کیں اور ان کی بدولت لاکھوں انسانوں کی زندگی بن گئی اور زندگی کی چول اپنی جگہ پر آ گئی، انسانیت پر حقیقی احسان انہیں پیغمبر کا ہے، اللہ کا درود وسلام ہو ان پر کہ انہوں نے انسانیت کی دستگیری کی اور اس کو عین وقت پر ہلاکت سے بچا لیا۔

لیکن رفتہ رفتہ یہ دولتیں دنیا سے ناپید ہونے لگیں، علم صحیح گم ہوگیا، یقین کا چراغ بجھ گیا، نیک عمل کی خواہش مردہ ہوگئی، چھٹی صدی مسیحی آئی تو یہ تینوں دولتیں اتنی نایاب ہوچکی تھیں، کہ ان کا سراغ لگانا مشکل تھا، پورے پورے ملک اور پورے پورے براعظم میں ڈھونڈنے سے بھی ایک اللہ کا بندہ نہ ملتا جو علم صحیح اور ایمان قوی کی دولت سے مالا مال ہو، انبیاء کا لایا ہوا دین اور پھیلا ہوا یقین سمٹتے سمٹتے ایک نقطہ بن گیا تھا، شک وبے عملی کی ظلمتوں میں علم ویقین کا یہ نور اس طرح کہیں کہیں چمکتا تھا، جیسے برسات کی اندھیری رات میں جگنو چمکتے ہیں، اہل یقین کا ایسا قحط تھا کہ ایران کا ایک نوجوان سلمان فارسی یقین اور حسن عمل کی تلاش میں نکلتا ہے تو ایران سے شام اور وہاں سے حجاز پہنچ جاتا ہے اور ان تین ملکوں میں اس کو صرف چار صاحب یقین ملتے ہیں۔

خدا کے آخری پیغمبر کی تلقین

اس گھٹا ٹوپ اندھیرے اور اس عالمگیر ظلمت میں خدا کا آخری پیغمبر آتا ہے وہ ان تینوں دولتوں کو اتنا عام کردیتا ہے کہ اس سے پہلے کبھی اتنی عام نہیں ہوئی تھیں، جو دولت کسی کسی سینہ اور کسی کسی سفینہ میں تھی، جو گھروں سے نکل کر محلوں میں بھی اور محلوں سے نکل کر شہروں میں بھی نہیں پھیلی تھی، وہ گھر گھر عام ہوجاتی ہے اور مشرق سے مغرب تک پھیل جاتی ہے۔

رہے اس سے محروم آبی نہ خاکی
ہری ہوگئی ساری کھیتی خدا کی

وہ ان تینوں حقیقتوں کی تلقین ہی نہیں کرتا، ان کا صور پھونک دیتا ہے، دنیا میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک کوئی کان والا ایسا نہیں جو کہہ سکے کہ اس نے اس صور کی آواز نہیں سنی اور جس نے نہیں سنی اس کے کان کا قصور ہے، اس کے اعلان کا قصور نہیں، آج دنیا کا کون سا گوشہ ہے جہاں: "اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ" اور "اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ" کا ترانہ سننے میں نہیں آتا۔

جب دنیا کی تمام آوازیں تھک کر سو جاتی ہیں، جب زبانوں پر قفل پڑ جاتے ہیں، اس وقت بھی کانوں میں یہی صدا آتی ہے کہ "خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد رسول للہ، اللہ کے پیغمبر ہیں"۔

خدایا تیری خدائی برحق!

اج ریڈیو کے ذریعہ دنیا کے کونہ کونہ میں آواز پہنچتی ہے اور گھر گھر پیغام پہنچ جاتا ہے، لیکن کیا کسی ریڈیو نے خواہ وہ امریکہ کا ہو، خواہ برطانیہ عظمی کا، کسی حقیقت کو

کسی علم کو اس طرح دنیا میں عام کیا ہے، جس طرح یہ علم عام ہوا ہے، جس کی صدا عرب کے نبی امی ﷺ نے کوہ صفا کی چوٹی پر چڑھ کر لگائی تھی؟

انسان کبھی ترنگ میں آتا ہے اور طفلانہ معصومیت کے ساتھ اپنے مالک سے کچھ کہنے لگتا ہے ایسی ہی ترنگ میں اقبال، نے انسانوں کی طرف سے اپنے مالک کی بارگاہ میں عرض کیا تھا۔

ترا خرابہ فرشتے نہ کر سکے آباد

اگر آج محمد رسول اللہ ﷺ کا ایک ادنی غلام عرض کرے تو کیا بیجا ہے کہ خدایا تیری خدائی برحق! تو محمد رسول للہ ﷺ کا خالق اور اس ساری دنیا کا خالق و مالک اور ہر شئے پر قادر ہے! لیکن کیا تیرے بندوں اور تیری مخلوقات میں سے کسی نے تیرا نام اس طرح پھیلایا اور دنیا کے کونے کونے میں پہنچایا جس طرح بندے اور پیغمبر محمد رسول اللہ ﷺ نے؟ یہ کوئی بے ادبی اور سرکشی نہیں، اس میں بھی تعریف اسی خدا کی ہے، جس نے محمد رسول اللہ ﷺ جیسا پیغمبر بھیجا اور ان کو اپنا نام پھیلانے اور اپنا دین چمکانے کی یہ طاقت اور توفیق عطا فرمائی!

آنحضرت ﷺ نے بدر کے میدان میں جب اپنی ۱۴-۱۵ سال کی کمائی اللہ کے دین کی مدد کیلئے سامنے رکھ دی اور ۳۱۳ کو ایک ہزار کے مقابلہ میں لا کھڑا کر دیا تو زمین پر سر رکھ کر اپنے مالک سے یہی کہا تھا کہ "اے اللہ! اگر تو اس مٹھی بھر جماعت کو آج ہلاک کر دینے کا فیصلہ فرماتا ہے تو قیامت تک تیری عبادت نہ ہو سکے گی"۔

حضور ﷺ نے توحید کی صدا لگائی

آنحضرت ﷺ نے توحید کی جو صدا لگائی تھی، اس سے دنیا کا کوئی مذہب، کوئی فلسفہ اور کوئی دماغ غیر متاثر نہیں رہا، جب سے دنیا نے سنا کہ انسان کے لئے

خدا کے سوا کسی اور کے سامنے جھکنا ذلت اور عار ہے، خدا نے فرشتوں کو آدم کے سامنے اس لئے جھکایا تا کہ سب سجدے اس کی اولاد پر حرام ہو جائیں، وہ سمجھ لے کہ جب اس کارخانہ قدرت کے کارندے ہمارے سامنے جھکا دیئے گئے تو ہم کو اس دنیا کی کسی چیز کے سامنے جھکنا کب زیب دیتا ہے، جب سے دنیا نے توحید کی یہ حقیقت اور انسان نے اپنی یہ حیثیت سنی، اس وقت سے شرک خود اپنی نگاہ میں ذلیل ہو گیا اس کو احساس کمتری نے گھیر لیا، آپ کو بعثت محمدی کے بعد اس کے لہجہ میں فرق محسوس ہوگا، اب وہ اپنے عمل پر نازاں نہیں، وہ اس کی تاویل اور فلسفیانہ تعبیر کرتا ہے، یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ توحید کی آواز نے دل میں گھر کر لیا ہے۔

پھر محمد رسول اللہ ﷺ نے اس علم و یقین کے ساتھ وہ طاقت بھی پیدا کر کے دکھادی جس میں ہزار پولیس، سیکڑوں عدالتوں اور بیسیوں حکومتوں سے زیادہ طاقت ہے، یعنی ضمیر کی طاقت، نیکی کی رغبت، گناہ سے نفرت اور نفس کا خود احتساب۔

یہ اسی طاقت کا کرشمہ تھا کہ ایک صحابی جن سے ایک بڑا گناہ سرزد ہو جاتا ہے، وہ بیتاب ہو جاتا ہے، ضمیر چٹکیاں لینے لگتا ہے، اور وہ حضور کی خدمت میں آتے ہیں اور عرض کرتے ہیں۔

حضور ﷺ! مجھ کو پاک کر دیجئے، آپ ﷺ رخ انور پھیر لیتے ہیں وہ اسی طرف آ کر کھڑے ہو جاتے ہیں، آپ ﷺ دوسری طرف رخ کر لیتے ہیں اور وہ اس طرف آ کر کھڑے ہو جاتے ہیں، آپ تحقیق کرواتے ہیں کہ ان کی دماغی حالت خراب تو نہیں؟ جب معلوم ہوتا ہے کہ وہ صحیح الدماغ آدمی ہیں، تو آپ ﷺ ان کو سزا دلواتے ہیں، کس چیز نے ان کو سزا پر آمادہ کیا اور کون سی چیز ان کو خود کھینچ کر لائی؟

حضرت غامد رضی اللہ عنہا کا ایمان

آگے چلئے غامد یہ ایک ان پڑھ عورت تھیں، کسی دیہات کی رہنے والی، وہ ایک بار بڑے گناہ میں مبتلا ہوجاتی ہیں، نہ کوئی دیکھنے والا تھا نہ سننے والا، مگر ان کے دل میں ایک پھانس تھی، جو ان کو چین نہ لینے دیتی تھی، ان کو کھانے پینے میں مزانہ آتا تھا، وہ کھانا کھاتیں تو ان کا دل کہتا کہ تم ناپاک ہو، پانی پیتیں تو دل کہتا کہ تم ناپاک ہو، ناپاک کا کیا کھانا پینا؟ تمہیں پہلے پاک ہونا چاہئے، اس گناہ کی پاکی سزا کے بغیر ممکن نہیں، وہ خود آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتی ہیں، اور تقاضا کرتی ہیں، یہ معلوم کر کے کہ ان کے پیٹ میں بچہ ہے، آپ فرماتے ہیں کہ اس بچہ کا کیا قصور ہے، اس کی جان تمہارے ساتھ کیوں جائے، جب یہ ہوجائے تب آنا، خیال کیجئے ان کو ضرور اس میں کچھ عرصہ لگا ہوگا، کیا انہوں نے کھایا پیا نہ ہوگا، کیا زندگی نے خود ان سے تقاضا نہ کیا ہوگا، کیا خود کھانے پینے کی لذت نے زندگی کی رغبت نہ پیدا کی ہوگی، اور ان کو نہ سمجھایا ہوگا کہ اب وہ حضور ﷺ کے پاس جانے کا ارادہ فسخ کردیں، مگر وہ اللہ کی بندی پکی رہی اور کچھ عرصہ کے بعد بچہ کو لے کر آئی اور عرض کیا کہ حضور ﷺ میں اس سے فارغ ہوگئی اب میری طہارت میں کیوں دیر ہو؟ فرمایا نہیں نہیں! ابھی اس کو دودھ پلاؤ، جب دودھ چھوڑ دے تب آنا، آپ کو معلوم ہے کہ اس کو دو برس تو ضرور لگے ہوں گے، یہ دو برس کیسی آزمائش کے تھے، نہ پولیس تھی، نہ نگرانی، نہ مچلکہ، نہ ضمانت، کتنے خیال اس کو آئے ہوں گے، بچہ کی معصوم صورت اس کو جینے کی دعوت دیتی ہوگی، اس کی مسکراہٹ زندگی کی خواہش پیدا کرتی ہوگی، اور بچہ اپنی زبان بے زبانی سے کہتا ہوگا کہ اماں میں تو تیری ہی گود میں پلوں گا اور تیری انگلی پکڑ کر چلوں گا! مگر اس کا ضمیر کہتا تھا، نہیں تیری ماں ناپاک ہے، اس کو

سب سے پہلے پاک ہونا ہے، دل کا یقین کہتا تھا کہ احکم الحاکمین کے یہاں جانا ہے، وہاں کی سزا سخت ہے، وہ پھر حاضر ہوئی، روٹی کا ٹکڑا بچہ کے منہ میں ہے، اور کہتی ہے یا رسول اللہ! دیکھئے اس کا دودھ بھی چھوٹ گیا اور وہ روٹی کھانے کے قابل ہوگیا ہے، اب میری پاکی میں کیا دیر ہے؟ آخر خدا کی اس سچی اور پکی بندی کو سزا دی جاتی ہے، اور حضور ﷺ خوشنودی کا پروانہ عطا کرتے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ اس نے ایسی سچی توبہ کی ہے کہ اس اکیلی کی توبہ اگر سارے مدینہ پر تقسیم کردی جائے تو سب کے لئے کافی ہو، رضی اللہ تعالیٰ عنہا وارضاہا۔

میں پوچھتا ہوں کہ وہ کیا چیز تھی، جو بغیر ہتھکڑی بیڑی کے، بغیر مچلکہ وضمانت کے، بغیر پولیس کے اس کو کھینچ کر لاتی ہے، اور سزا کے لئے اصرار کرواتی ہے، آج ہزار بار پڑھے لکھے، قابل فاضل مرد اور عورتیں ہیں جن کا علم اور نقصانات کا یقین ان کو غلط کام سے باز نہیں رکھ سکتا اور اچھے کام پر آمادہ نہیں کرسکتا۔

حضور ﷺ نے انمول موتی عطا کئے

محمد رسول اللہ ﷺ نے دنیا کو یہی تینوں انمول موتی عطا کئے، علم صحیح یقینِ کامل اور نیکی کا تقاضائے قلبی دنیا کو نہ اس سے زیادہ قیمتی سرمایہ ملا، نہ کسی نے اس پر آپ سے بڑھ کر احسان کیا۔

دنیا کے ہر انسان کو فخر کرنا چاہئے کہ ہماری نوع انسان میں ایک ایسا انسان پیدا ہوا جس سے انسانیت کا سر اونچا اور نام روشن ہوا، اگر آپ نہ آتے تو دنیا کا نقشہ کیا ہوتا اور ہم انسانیت کی شرافت وعظمت کے لئے کس کو پیش کرتے؟ محمد رسول اللہ ﷺ ہر انسان کے ہیں؟ محمد رسول اللہ ﷺ سے اس دنیا کی رونق اور نوع انسانی کی عظمت ہے، وہ کسی قوم کی مِلک نہیں، ان پر کسی ملک کا اجارہ نہیں، وہ پوری انسانیت

کا سرمایہ فخر ہیں، کیونکہ آج کسی ملک کا انسان فخر ومسرت کے ساتھ یہ نہیں کہتا کہ میرا اس نوع سے تعلق ہے جس میں محمد رسول اللہ ﷺ جیسا انسان کامل پیدا ہوا۔

آپ ﷺ کے احسانات

آج انسانوں کا کون سا طبقہ ہے، جس پر آپ کا براہ راست یا بالواسطہ احسان نہیں؟ کیا مردوں پر آپ کا احسان نہیں؟ کہ آپ نے ان کو مردانگی اور آدمیت کی تعلیم دی، کیا عورتوں پر آپ کا احسان نہیں کہ آپ نے ان کے حقوق بتلائے، اور ان کے لئے ہدایتیں اور وصیتیں فرمائیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے''۔ کیا کمزوروں پر آپ کا احسان نہیں کہ آپ نے انکی حمایت کی اور فرمایا کہ ''مظلوم کی بددعا سے ڈرو کہ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ نہیں، خدا کہتا ہے کہ میں شکستہ دلوں کے پاس ہوں'' کیا طاقتوروں اور حکمرانوں پر آپ کا احسان نہیں کہ آپ نے ان کے حقوق وفرائض بھی بتلائے، اور حدود بھی بتلائے، اور انصاف کرنے والوں اور خدا سے ڈرنے والوں کو بشارت سنائی کہ بادشاہ منصف رحمت کے سایہ میں ہوگا، کیا تاجروں پر آپ کا احسان نہیں کہ آپ نے تجارت کی فضیلت اور اس پیشہ کی شرافت بتلائی اور خود تجارت کرکے اس گروہ کی عزت بڑھائی، کیا آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں، اور راست گفتار اور دیانتدار تاجر جنت میں قریب قریب ہوں گے، کیا آپ کا مزدوروں پر احسان نہیں کہ آپ نے تاکید فرمائی کہ مزدور کی مزدوری پسینہ خشک ہونے سے پہلے دے دو، کیا جانوروں تک پر آپ کا احسان نہیں کہ آپ نے فرمایا کہ ہر وہ مخلوق جو جگر رکھتی ہے، اور جس میں احساس وزندگی ہے، اس کو آرام پہنچانا اور کھلانا پلانا بھی صدقہ ہے۔ ''فِیْ کُلِّ ذَاتِ کَبِدٍ حُرِّ صَدَقَةٌ'' کیا ساری انسانی برادری پر آپ کا احسان نہیں کہ راتوں

کو اٹھ اٹھ کر آپ ﷺ شہادت دیتے تھے کہ خدایا تیرے سب بندے بھائی بھائی ہیں: ''اَنَا شَهِيْدٌ اَنَّ الْعِبَادَ كُلُّهُمْ اِخْوَةٌ''. کیا ساری دنیا پر آپ کا احسان نہیں کہ سب سے پہلے دنیا نے آپ ﷺ ہی کی زبان سے سنا کہ خدا کسی ملک، قوم، نسل وبرادری کا نہیں سارے جہانوں اور دنیا کے سب انسانوں کا ہے، جس دنیا میں آریوں کا خدا، یہودیوں کا خدا، مصریوں کا خدا، ایرانیوں کا خدا کہا جاتا تھا، وہاں ''الحمد لله رب العالمين'' کی حقیقت کا اعلان ہوا اور اس کو نماز کا جز بنا دیا گیا۔

ہماری آپ کی دنیا میں حکماء وفلاسفہ بھی آئے، ادباء شعراء بھی، فاتح وکشورکشا بھی، سیاسی قائد اور قومی رہنما بھی، موجدین ومکتشفین (سائنٹسٹ) بھی، مگر کس کے آنے سے دنیا میں وہ بہار آئی جو پیغمبروں کے آنے سے پھر سب سے آخر میں سب سے بڑے پیغمبر محمد رسول اللہ ﷺ کے آنے سے آئی، کون اپنے ساتھ وہ شادابی، وہ برکتیں، وہ رحمتیں نوع انسانی کے لئے، وہ دولتیں اور انسانیت کے لئے وہ نعمتیں لے کر آیا جو محمد رسول اللہ ﷺ لے کر آئے، چودہ سو برس کی انسانی تاریخ پورے وثوق کے ساتھ آپ ﷺ کو خطاب کرکے کہتی ہے:

سرسبز سبزہ ہو جو ترا پائمال ہو
ٹھہرے تو جس شجر کے تلے وہ نہال ہو

☆☆☆

مظلوم کی دعا

حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابی تھے۔ ان کی کنیت ابو معلق تھی۔ وہ تجارت کرتے تھے۔ اپنا سامان خریدتے، اس کے علاوہ لوگوں کا مال لے کر مختلف علاقوں میں جاتے۔ نہایت عبادت گزار اور پرہیزگار بھی تھے۔ ایک مرتبہ سامان تجارت لے کر کسی شہر جا رہے تھے کہ راستہ میں انہیں ایک ڈاکو نے روک لیا۔ کہنے لگا۔

''جو کچھ تمہارے پاس ہے اس کو رکھ دو، کیوں کہ میں تمہیں قتل کروں گا''۔

ابو معلق نے کہا: ٹھیک ہے، تم ڈاکو ہو، تمہیں میرے مال و متاع سے غرض ہے، مجھے قتل کر کے تمہیں کیا ملے گا؟ تم میرا سامان لے لو اور مجھے جانے دو۔

ڈاکو مسکرایا اور کہنے لگا کہ دیکھو جہاں تک میرا معاملہ ہے، میں مال کے ساتھ صاحب مال کو قتل بھی کرتا ہوں۔ ابو معلق نے اس کو بہت سمجھایا اور قائل کرنے کی کوشش کی مگر وہ ماننے کو تیار ہی نہیں تھا۔ آخر کار ابو معلق اس سے کہنے لگے:

''ٹھیک ہے، اگر تم مجھے قتل ہی کرنا چاہتے ہو تو مجھے چار رکعت نماز پڑھنے کی اجازت دے دو''۔ ڈاکو کہنے لگا: جتنی مرضی نماز پڑھو، مجھے کوئی اعتراض نہیں۔

ابو معلق نے وضو کیا اور نفل پڑھنے لگے، ادھر ڈاکو ان کے سر پر کھڑا ہے اور منتظر ہے، کب وہ نماز ختم کریں اور وہ ان کو قتل کر دے۔ آخر سجدہ میں انہوں نے اللہ کے حضور خصوصی دعا فرمائی:

''اے بہت زیادہ محبت کرنے والے!

اے بزرگ ترین عرش کے مالک!

اے جو چاہے وہ کرنے والے!

میں تیری اس عزت کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں جس تک کسی کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ اور تیری اس سلطنت کا واسطہ دے کر تجھ سے سوال کرتا ہوں جہاں ظلم و زیادتی نہیں ہوتی، اور تیرے اس نور کا واسطہ دے کر تجھ سے سوال کرتا ہوں، جس نے تیرے عرش کے اردگرد کو بھر رکھا ہے، کہ تو اس ڈاکو کے شر سے میری حفاظت فرما۔

اے فریاد رس! میری فریاد رسی فرما۔

اے پکار سننے والے! میری پکار سن۔

اے مظلوموں کا جواب دینے والے! مجھے اس ظالم سے بچا''۔

تین مرتبہ انہوں نے اس دعا کو دہرایا اور ادھر اللہ کی رحمت جوش میں آ گئی۔

ایک گھڑ سوار اپنے بھالے کو سنبھالتا ہوا سیدھا اس ڈاکو کی طرف بڑھا اور آناً فاناً اس کو چیر پھاڑ کر رکھ دیا۔ پھر ابو متعلق اس شہسوار کی طرف بڑھے اور اس سے پوچھا: میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ کون ہیں؟ آج آپ کی بروقت مدد کی وجہ سے میری جان بچ گئی، ورنہ یہ ڈاکو تو مجھے قتل ہی کر دیتا۔

شہسوار نے کہا: میں چوتھے آسمان کا فرشتہ ہوں، جب تم نے پہلی مرتبہ دعا مانگی تو میں نے آسمان کے دروازوں پر کھٹکھٹانے کی آواز سنی، جب تم نے دوسری مرتبہ دعا مانگی تو میں نے آسمان والوں کی ایک زوردار آواز سنی، جب تم نے تیسری

مرتبہ دعا مانگی تو کہا گیا کہ ایک پریشان حال دعا مانگ رہا ہے۔ میں نے اللہ رب العزت سے عرض کی کہ مجھے اس کے دشمن کے قتل پر مقرر فرما دے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص وضو کرے چار رکعت نماز پڑھے اور مذکورہ دعا پڑھے تو اس کی دعا قبول کی جاتی ہے خواہ وہ پریشان حال ہو یا نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

میدان جنگ میں دعا کی اہمیت

مجاہدین اسلام جب کابل کا گھیراؤ کئے ہوئے تھے اسی دوران ظہر کا وقت آن پہنچا۔ مسلمانوں کے سپہ سالار قتیبہ بن مسلم نے نماز کے بعد اللہ تعالیٰ کے دربار میں گڑگڑا کر یہ دعا کی: ''اے اللہ! ہمیں فتح ونصرت سے ہمکنار کر کیونکہ فتح ونصرت تیری ہی جانب سے نصیب ہوا کرتی ہے''۔

اس جنگ میں لشکر اسلام کی تعداد کا اندازہ ایک لاکھ کیا گیا ہے، قتیبہ بن مسلم نے نماز کے بعد جنگی کارروائی سے پہلے ایک نیک آدمی کو جس کا نام محمد بن واسع تھا، تلاش کرنے کا حکم دیا۔ یہ وہ وقت تھا جب جان کی تجارت ہونے والی تھی۔ یہ وہ وقت تھا جب جنت کے دروازے کھولے جا رہے تھے اور فرشتوں کی آمد ہو رہی تھی۔ مگر سپہ سالار اپنے اصحاب سے کہہ رہا تھا: محمد بن واسع کو تلاش کر کے میرے پاس لاؤ۔

مجاہدین اسلام نے محمد بن واسع کی تلاش شروع کر دی۔ دیکھا کہ وہ اپنے نیزے پر ٹیک لگائے زاروقطار رو رہے ہیں، اور اپنی انگلی آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے کہہ رہے ہیں: یا حی! یا قیوم! لوگوں نے آ کر قتیبہ بن مسلم کو اس بات کی خبر دی تو ان کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور فرمایا:

''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! محمد بن واسع کی (آسمان کی طرف اٹھی ہوئی) انگلی میرے نزدیک ایک لاکھ نامور چمکدار تلواروں سے اور ایک لاکھ خوش منظر لشکر جرار سے بہتر ہے''۔

پھر جنگ شروع ہوئی۔ خوب گرما گرم جنگ ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عظیم سے نوازا اور دشمنوں کو شکست فاش سے دوچار کیا۔ چنانچہ عصر کا وقت ہوتے ہوتے مسلمانوں نے کابل کو فتح کر لیا اور عصر کی نماز کابل کے اندر ادا کی۔

''تم میں سے ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک اعمال کئے ہیں اللہ تعالیٰ وعدہ فرما چکا ہے کہ انہیں ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسے ان لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا جو ان سے پہلے تھے اور یقیناً ان کے لئے اس دین کو مضبوطی کے ساتھ جما دے گا جسے ان کے لئے وہ پسند فرما چکا ہے اور ان کے اس خوف وخطر کو وہ امن وامان سے بدل دے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے، میرے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ ٹھہرائیں گے''۔ (النور:۲۴/۵۵)

☆☆☆

حسد گناہوں کی جڑ

حسد، اللہ تعالیٰ کی وہ پہلی نافرمانی ہے جو اس وقت وجود میں آئی جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور فرشتوں کو انہیں سجدہ کرنے کا حکم دیا تو ابلیس نے بربنائے حسد یہ کہہ کر سجدہ سے انکار کر دیا کہ آپ نے ان کو مٹی سے پیدا کیا ہے اور میں آگ سے پیدا کیا گیا ہوں، میں انہیں سجدہ کروں گا، انکار کیا اور حسد ہی نے اسے راندۂ بارگاہ بنا دیا۔

حسد ہر گناہ اور ہر برائی کی جڑ ہے، حسد، حاسد کو اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ باتیں گڑھے اور دوسروں کی طرف منسوب کرے، حسد، حاسد کو اس شخص کی غیبت کا مرتکب بناتا ہے جس سے اس کو حسد ہے، یہ اس کو مصیبت اور پریشانی میں ڈالنے کے لئے اس کی طرف سے ادھر اُدھر کی نامناسب اور بدترین باتیں نقل کرتا پھرتا ہے، اس کے لئے مشکلات ودشواریاں پیدا کرتا ہے، حقائق کو بگاڑ کر پیش کرتا ہے، اس کی ہر بات کو وہ معنی پہناتا ہے، جو اس کے تصور میں بھی نہیں، حاسد یہ سارا کھیل اس لئے کھیلتا ہے کہ جس سے اس کو حسد ہے اسے یہ اس کے پڑوسیوں سے لڑوادے، دوستوں پر پھوٹ ڈال دے۔

حسد فتنوں کی آگ

حاسد اتفاق واتحاد کے بجائے ستاتا اور دکھ دیتا ہے، جس معاشرہ میں رہتا ہے خلفشار مچائے رہتا ہے۔ دوسرے کی خوبیوں اور احسان کا انکار کرتا ہے، فتنہ کی آگ لگاتا ہے، خوبی ونیکی کی باتوں کو مٹانے کے درپے رہتا ہے، صحیح کو غلط اور غلط کو صحیح بنا کر پیش کرتا ہے جس کے اثرات تادیر باقی رہتے ہیں۔ اور دشواری ومشکلات پیدا کرتے ہیں۔

حاسد بدترین عادت کا حامل ہوتا ہے، حسد ہی نے ابلیس کی مٹی پلید کی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ترجمہ: اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے سجدہ کرو تو وہ سب سجدے میں گر پڑے، مگر شیطان نے انکار کیا اور غرور میں آ کر کافر بن گیا۔

(بقرہ:۳۴)

اس کے حسد نے کبر وگھمنڈ کی اسی حد پر اکتفا نہ کیا، بلکہ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ کی نافرمانی پر آمادہ کیا اور انہیں شجرۂ ممنوعہ کھلا کر جنت سے نکلوایا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ترجمہ: ''پھر شیطان نے دونوں کو وہاں سے پھسلایا اور جس (عیش ونشاط) میں تھے اس سے نکلوا دیا۔ (بقرہ:۳۶)

حسد نے ابلیس کو قرب خداوندی اور اس کے دائرہ اطاعت وعبادت سے نکال دیا، اس کو روحانی صفت سے محروم اور خدا پرستی سے عاری کر دیا، خوف وتقویٰ کا لباس اتار کر فرشتوں کے زمرہ سے دھتکار دیا اور فرمانبرداری کی نعمت چھین لی، قرآن کریم نے اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

ترجمہ: ''فرمایا یہاں سے نکل جا، تو مردود ہے اور تجھ پر قیامت کے دن تک لعنت رہے گی''۔ (حجر:۳۴-۳۵)

حاسد پریشانی اور غم میں مبتلا رہتا ہے

حسد، حاسد کو اختلاف ونفاق پر آمادہ کرتا ہے، وہ جب کسی کو اچھا اور خوش حال دیکھتا ہے، جلتا بھنتا اور گھٹ گھٹ کر رہ جاتا ہے۔ اپنے حاسدانہ مزاج کی وجہ سے خود پریشانی وغم میں مبتلا رہتا ہے اور دوسروں کو بھی اس سے دکھ پہنچا تا رہتا ہے، یہ ہوتا ہے حسد کا انجام، اللہ تعالیٰ کو بھی ناراض کرتا ہے اور ہر وقت الجھن و پریشانی میں بھی رہتا ہے۔

حسد ہی وہ جرم ہے جس نے روئے زمین پر پہلی مرتبہ قتل وخون ریزی کا گناہ کرایا، قابیل نے محض حسد کی وجہ سے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا اور ان کے لاشے کو لئے پھرا، سمجھ میں نہ آیا کہ اپنے بھائی کو دفن کردے۔ حسد نے دو بھائیوں میں پھوٹ ڈالا، اور والدین کو رنج پہنچایا، حسد ہی نے یہودیوں کو سرکشی پر آمادہ کیا اور اسلام میں داخل ہونے اور اطاعت قبول کرنے سے باز رکھا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ترجمہ: ’’تو جس چیز کو وہ خوب جانتے تھے جب ان کے پاس آ پہنچی تو اس سے منکر ہوگئے، پس کافروں پر خدا کی لعنت‘‘۔ (بقرہ:۸۹)

حسد نے عربوں کو اس حقیقت کے انکار پر آمادہ کیا، جس کو وہ اچھی طرح سمجھ گئے تھے اور یہ یقین تھا کہ محمدؐ اللہ کے بھیجے ہوئے رسول ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وہ اس کو اتنا ہی پہچانتے ہیں جتنا اپنے بیٹے کو

’’**یَعرِفُونَہٗ کَمَا یَعرِفُونَ اَبنَائَھُم**‘‘۔ (الانعام:۲۰)

جب حسد کی حقیقت یہ ہے اور وہ اتنا خطرناک اور مہلک ہے تو اس سے اپنے دل کو پاک رکھنا چاہئے اور حسد سے بہت پرہیز کرنا چاہئے خدا کی اطاعت وفرماں برداری کو اپنا شعار بنا کر اس مرض کا علاج کرنا چاہئے۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہارے اندر تم سے پہلی قوموں کا مرض (حسد وکینہ) پیدا ہو رہا ہے، یہ مرض تو مونڈ دیتا ہے، یعنی دین کو مونڈ دیتا ہے۔ (ترمذی)

حسد اشتراق کو ختم کردیتا ہے

حسد باہمی قرب وتعلق کو بگاڑ دیتا ہے، رشتوں کو ختم کردیتا ہے، بغض وکینہ کو ابھار دیتا ہے، اور دین کو برباد کردیتا ہے، اجر وثواب کو ختم کر کے گناہ کرادیتا ہے، اطاعت اور عبادت سے غافل کردیتا ہے، دل میں حسد کے پیدا ہوجانے سے روحانی طاقت کمزور پڑ جاتی ہے، اور حسد خداداد صلاحیتوں کو بجھا کر رکھ دیتا ہے، لوگوں میں اختلاف وانتشار اور فرقہ بندی حسد ہی کی بدولت ہوتی ہے، باہمی لڑائی جھگڑے اسی سے پیدا ہوتے ہیں، حسد ہی نے لوگوں کو نیکیوں سے محرومی اور عمل خیر سے جمود وتعطل کا شکار بنادیا ہے۔ مفید کاموں کی تنظیم میں ضعف وبے توجہی پیدا کی ہے، عہدوں اور مناصب کے حصول میں رسہ کشی کا سبب بنا ہے، ایک حکومت کا خاتمہ اور دوسری کا قیام یہ سب حسد کا نتیجہ ہے۔

غرض یہ کہ حسد ہی ہر برائی کی جڑ ہے، تمام برائیاں اسی سے پیدا ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی ناپسندیدگی اور اس کے مبغوض ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ فلق میں رسول اللہ ﷺ کو حاسد کے شر سے پناہ مانگنے کی تعلیم فرمائی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حسد سے بہت دور رہو، حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے، جس طرح آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔ (ابوداؤد)

حسد پستی تک پہونچاتا ہے

حسد تو انسان کو اس پستی تک پہنچا دیتا ہے کہ وہ جس سے حسد کرتا ہے اس کے متعلق یہ آرزو اور تمنا کرنے لگتا ہے کہ وہ کفر کا مرتکب ہو کر دائرہ اسلام ہی سے خارج ہو جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کا حال بیان کیا ہے۔

ترجمہ: ''بہت سے اہل کتاب اپنے دل کی جلن سے یہ چاہتے ہیں کہ ایمان لاچکنے کے بعد تمہیں پھر کافر بنا دیں، حالانکہ ان پر حق ظاہر ہو چکا ہے، تو تم معاف کردو اور درگزر کرو، یہاں تک کہ خدا اپنا دوسرا حکم بھیجے، بیشک خدا ہر بات پر قادر ہے۔ (بقرہ:۱۰۹)

مختصر یہ کہ حسد سے کڑھنے اور جل جل کر کباب بننے سے بہتر ہے کہ انسان حسد جیسی نافرمانی اور گناہ عظیم سے تائب ہو کر رحمت خداوندی سے کھل کر گلاب بنے، اللہ تعالیٰ حسد جیسی نافرمانی سے ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین یارب العالمین!

☆☆☆

اسلام کی سربلندی کیلئے

مسلمانوں میں اتحاد واتفاق ضروری

اسلام کی ۱۴۰۰ سالہ تاریخ اس بات کا ثبوت دیتی ہے کہ اسلام اور اہل اسلام سے یہود ونصاریٰ کی دشمنی ہمیشہ تواتر اور تسلسل کے ساتھ رہی ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ انہوں نے اسلام کو نقصان پہنچانے کا موقع کبھی ضائع نہیں کیا۔ قرآن مجید نے اس بات کی جانب مسلمانوں کو متعدد مقامات پر متنبہ کیا اور ان کی حرکتوں وسازشوں سے آگاہ کیا۔ سورہ مائدہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''یٰـاَیُّھَـا الَّـذِیْـنَ آمَـنُـوْا لاَ تَتَّخِذُوا الْیَھُوْدَ وَالنَّصَـارٰیٰ اَوْلِیَـآءَ بَـعْـضُـھُـمْ اَوْلِیَـآءَ بَعْضٍ وَمَنْ یَتَوَلَّھُمْ مِّنْکُمْ فَاِنَّهٗ مِنْھُمْ اِنَّ اللّٰهَ لاَ یَھْدِی الْقَوْمَ الظَّالِمِیْنَ''۔ (المائدہ:۵۱)

اس آیت کریمہ میں قرآن مجید واضح الفاظ میں آگاہ کررہا ہے کہ اے ایمان والو! تم یہود ونصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔ یہ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو کوئی تم میں سے ان سے دوستی کرلے گا پس وہ ان ہی میں شمار کیا جائے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ (المائدہ:۵۱)

قرآن مجید کا تاکیدی حکم

قرآن مجید کا یہ تاکیدی حکم ہمیشہ کے لئے ہے اور قیامت تک مسلمانوں کے لئے رہنمائی کا کام دے گا۔ اس میں کوئی قید وحد نہیں لگائی گئی کہ کتنے زمانے تک ان سے دوستی کی جائے اور کتنے زمانے کے بعد ان سے دوستی ترک کی جائے۔ حضور پاک ﷺ کے پردہ فرمانے کے بعد اب قرآن مجید میں نسخ کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ جو لوگ قرآن مجید کی ہدایات اور اس کے ارشادات کے خلاف کوئی عمل اختیار کرتے ہیں تو وہ ظالم قرار پاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کی نہ مدد کرتا ہے اور نہ ان کو ہدایت دیتا ہے کیوں کہ دشمن کو خیر خواہ سمجھنا خود بے وقوفی ہے۔ دشمن کے ساتھ کتنا ہی بہتر سلوک کیوں نہ کیا جائے وہ اپنی دشمنی سے باز نہیں آئے گا۔ یہود ونصاریٰ مسلمانوں کے حق میں کبھی بھی خیر خواہ نہیں ہو سکتے کیونکہ اسلام دشمنی ان کی سرشت میں داخل ہے جس کے شواہد قرآن مجید واحادیث شریفہ میں موجود ہیں۔ یہ لوگ مسلمانوں کو ہمیشہ دھوکہ دیتے ہیں اور ایسے افراد کی مدد کرتے ہیں جو اسلام دشمن ہیں اور ہمیشہ اسلام کے خلاف ایک محاذ کھڑا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

حضور ﷺ کا امن فارمولا

حضور پاک ﷺ جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس وقت مدینہ منورہ اور اس کے اطراف میں یہودی آبادیاں تھیں۔ آپ نے اس علاقہ کے امن کی خاطر یہودیوں سے معاہدہ فرمایا کہ اگر کوئی مسلمانوں پر حملہ کرے تو یہودی مسلمانوں کا ساتھ دیں گے۔ اور اگر کوئی یہودیوں پر حملہ کرے تو مسلمان ان کا ساتھ دیں گے اور اس خطہ کی حفاظت دونوں مشترکہ طور پر انجام دیں گے۔

چنانچہ مسلمان ہمیشہ ایفائے عہد کرتے رہے۔ کبھی بھی اس معاہدہ کی عہد شکنی نہیں کی۔ اس کے برخلاف یہودیوں نے ہمیشہ عہد شکنی کی اور ایذا رسانی سے کام لیا۔ ان ہی حالات کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں یہودیوں کو اس علاقہ سے جلاوطن کر دیا۔

مسلمانوں کو غور کرنا چاہئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ کس قدر تجربہ اور مشاہدہ کے بعد کیا ہوگا کیوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کبھی بھی تعصب اور ظلم سے کام نہیں لیا۔ عدل وانصاف اور حق وصداقت آپ کا شعار تھا۔ جب آپ رضی اللہ عنہ کو اس بات کا مکمل یقین ہو گیا کہ یہ لوگ اس علاقہ کے لئے ناسور ہے ان کی وجہ سے امن بگڑ رہا ہے اور فساد عام ہو رہا ہے تب کہیں آپ نے ان کی جلاوطنی کا فیصلہ کیا۔

عیسائیوں کی شرمناک شکست

تواریخ میں عیسائیوں کے ساتھ صلیبی جنگوں کا ایک بڑا سلسلہ ملتا ہے۔ صلیبی جنگیں اسلام کی فتح وشوکت اور عیسائیوں کی ہزیمت وشکست کی یادگار ہیں۔ اس سلسلہ میں صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت ناقابل فراموش ہیں۔ اس جنگ میں بھی صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کو ان کی مختلف سازشوں سے سابقہ پڑا۔ وہ کئی روپ میں اس مرد مجاہد کو متاثر اور کمزور کرنے کے لئے طریقے اختیار کئے لیکن اس مرد غازی نے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل کیا اور ہر سازش کا مقابلہ کرتے ہوئے باطل سے جنگ کرتا رہا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ہر قدم پر اس مرد مجاہد کو فتح وکامرانی عطا فرمائی۔ اور عیسائیوں کو ہمیشہ شرمناک شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ عیسائیوں کو آج تک ان صلیبی جنگوں کا داغ یاد ہے۔ وہ اس کو کبھی بھلا نہیں سکتے۔ اس لئے وہ وقفہ وقفہ سے کسی نہ کسی بہانے صلیبی جنگوں کا ذکر کرتے ہیں۔ اور اپنے دشمنی پر مبنی

اقدامات کو اس کا جواب قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ امریکہ کے سابق صدر جارج ڈبلیو بش نے عراق پر حملہ کے بعد ایک موقع پر اپنے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے صلیبی جنگ کا تذکرہ کیا تھا۔ اخبارات اور میڈیا میں جب اس پر ہنگامہ کھڑا ہوا تو اس بیان کو زبان کی لغزش قرار دے کر ٹالنے کی کوشش کی گئی۔ حقیقت میں یہ ان کی دل کی آواز تھی، کیوں کہ زبان دل کی ترجمان ہوتی ہے۔ بعد میں اس کی غلط تاویل کوئی فائدہ نہیں دیتی۔ اخبارات ورسائل جو تصاویر اور اطلاعات شائع ہوتی ہیں۔ وہ حقیقت کا ایک فیصد بھی نہیں۔ ابوغریب جیل کے جو واقعات میڈیا کے ذریعہ سامنے آیا کیا وہ انسانیت کے لئے شرمناک نہیں؟ ان بے گناہوں کو صرف اس بات کی سزا دی جارہی ہے کہ وہ مسلمان ہیں۔ اسلام کے لئے تڑپتا دل رکھتے ہیں اور اسلام کے لئے قربانی دینے کو تیار ہیں۔ یہی چیز ان کے پاس جرم بنی ہوئی ہے۔ اسی طرح افغانستان اور پاکستان میں ظلم وبربریت کا ننگا ناچ جاری ہے۔ ہر روز کئی مسلمان مرد، عورت، بوڑھے، بچے لقمہ اجل بنتے جارہے ہیں۔ کتنے خاندان صفحۂ ہستی سے مٹ چکے، کتنے بچے یتیم ہو چکے، کتنی عورتیں بیوہ ہو چکیں، اس کا نہ کسی کو اندازہ ہے اور نہ کسی کے پاس اعداد وشمار ہیں۔ اعداد وشمار کون رکھے گا، جبکہ یہ کوئی اتفاقی واقعہ یا حادثہ نہیں بلکہ روز کا معمول ہے۔ مسلمانوں پر ظلم وزیادتی کے بعد ظالموں نے یہ اندازہ قائم کرلیا ہے کہ مسلمان کمزور ہو چکے ہیں۔ نہ ان کے پاس ہتھیار ہیں اور نہ ان کے پاس اتحاد ہے۔

سیلاب کے جھاگ کی طرح

مسلم حکومتوں کی تعداد تو زیادہ ہے، دنیا بھر میں مسلمانوں کی آبادی بھی کم نہیں۔ لیکن اس وقت مسلمان غفلت اور انتشار کا شکار ہیں۔ اس حالت کی جانب

حضور اکرم ﷺ نے ۱۴ سو سال پہلے نشاندہی فرمائی تھی۔ ارشاد مبارک ہوا کہ عنقریب ایک وقت ایسا آئے گا کہ ساری اقوام، مسلمانوں پر ایسے ٹوٹ پڑیں گی جیسے کھانے والے ایک دوسرے کو بلاتے ہیں پیالہ کی طرف، تو کسی نے دریافت کیا: کیا اس وقت ہم (مسلمان) کم ہو جائیں گے۔ ارشاد ہوا نہیں بلکہ تم لوگ تو اس روز بہت زیادہ ہوں گے لیکن سیلاب کے جھاگ کی طرح ہوں گے، اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن کے سینے سے تمہارا رعب نکال لے گا اور تمہارے دلوں میں ''وہن'' (بزدلی) کو ڈال دے گا۔ پھر کسی نے پوچھا یارسول اللہ! 'وہن' کیا ہے؟ فرمایا: دنیا کی محبت اور موت کی ناپسندیدگی۔ (ابوداؤد، کتاب الملاحم)

مسلمانو! غور کرو نبی صادق ﷺ نے ہماری بربادی کے کیا اسباب بتلائے ہیں۔ آپ ﷺ نے دو چیزیوں کو سبب قرار دیا ہے۔ ایک دنیا کی محبت، دوسرے موت کا خوف، اگر آج بھی مسلمان ان دونوں چیزوں سے پاک ہو جائیں تو دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت بھی مسلمانوں کے جذبہ ایمانی کے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتی۔

احادیث شریفہ میں مسلمانوں کو قیامت کے قریب پیش آنے والے تمام واقعات سے باخبر کر دیا گیا ہے۔ یہاں تک خبر دی گئی ہے کہ دجال مسلم ممالک کو تہس نہس کرتا ہوا اور مسلم آبادی کو برباد کرتا ہوا نکل آئے گا لیکن حرمین شریفین میں داخل نہ ہو سکے گا۔

دجال مدینہ منورہ میں داخل نہیں ہوگا

حدیث پاک میں یہ بھی خبر دی گئی کہ وہ مدینہ پاک پر آئے گا اور ایک پہاڑ کی نشاندہی کی گئی ہے کہ اس پر چڑھے گا اور نبی کریم ﷺ کے روضہ اطہر کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہے گا کہ میں ''ان' کی وجہ سے اس شہر میں داخل نہیں ہو سکتا۔

ہمارا ایمان یہی ہے کہ اللہ خود حفاظت فرمانے والا ہے۔لیکن مسلمانوں کو اس وقت بیدار ہونا ضروری ہے۔ہم اپنے اختلافات کو ختم کر کے جب تک اتحاد کا مظاہرہ نہیں کریں گے مسلمانوں کا کوئی وزن قائم نہیں ہوگا اور نہ اقوام عالم میں ان کو کوئی اعتبار حاصل ہوگا۔ ایسے حالات سے پریشان ہونے کے بجائے عزم وحوصلہ، ہمت واستقلال سے کام لینا چاہئے۔یقیناً اللہ کی طرف رجوع ہوں تو اللہ ان کی ضرور مدد کرے گا کیوں کہ یہ اللہ کا وعدہ ہے۔شرط یہی ہے کہ ہم اپنے گناہوں سے توبہ کریں۔خلوص دل سے اللہ کی طرف رجوع ہوں اور دین پر مضبوطی سے جمے رہیں اور اپنے اندر اتحاد و اخلاص پیدا کریں۔ دوست، دشمن میں تمیز کریں۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ترجمہ: اے ایمان والو! میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ کہ ان سے دوستی کا اظہار کرنے لگو۔(الممتحنہ:۱)

دوسری جگہ ارشاد ہے: ترجمہ: اے ایمان والو! ان لوگوں سے دوستی نہ کرو جن پر اللہ نے غضب فرمایا۔(الممتحنہ:۱۳)

دعا ہے کہ اللہ ہم سب کو حق شناسی وحق پرستی کی توفیق دے اور ہم میں اتحاد واخلاص پیدا کرے۔

اس خاکسار کے نزدیک آج کے دور میں سالکین طریقت کے اصول وضوابط میں مسلمانوں کے درمیان اتفاق واتحاد کیلئے سعی کرنا بھی زندگی کا لازمی جزو ہے اور یہ وہ عبادت ہے کہ نوافل عبادات خواہ کتنی بڑی ہوں یا ریاضات کتنی اہم ہوں، اتفاق کیلئے ہر کوشش اللہ تعالیٰ کے حضور ان سب سے زیادہ مقام رکھتی ہے۔

(محمد ادریس حبان رحیمی)

☆☆☆

اسلام میں حق تلفی وقطع رحمی کی گنجائش نہیں

آج مسلم معاشرہ بغض وحسد، کینہ وکپٹ، عداوت، ودشمنی، ترک تعلق اور اس طرح کی بے شمار برائیوں کی لعنت میں مبتلا ہے، جس کے اسباب صرف اور صرف دنیوی اغراض اور مادی منفعت ہوا کرتے ہیں، معاشرہ تو بہت سے خاندانوں سے مل کر وجود میں آتا ہے، معاشرہ کے اندر اس طرح کی برائیاں خاندانی عدم توازن کی بنیاد پر پیدا ہوتی ہیں۔ خاندان کے اندر جب انارکی پیدا ہوتی اور بگاڑ اپنا پنجہ گاڑ لیتا ہے تو اس کا اثر اس معاشرہ پر پڑتا ہے جس معاشرہ کا یہ خاندان ایک حصہ ہوتا ہے، خاندانی انتشار ہی کی وجہ سے آج ہم دیکھتے ہیں کہ گھر گھر نافرمانیاں ہو رہی ہے، ایک رشتہ دار دوسرے رشتہ دار کے درپے آزار ہے، تعلقات منقطع ہیں اور بسا اوقات ایک دوسرے کے دشمن بنے ہوئے ہیں، صلہ رحمی ناپید ہوتی جارہی اور اس کی جگہ قرابت داروں کی حق تلفی اور قطع رحمی لے چکی ہے۔ آپسی الفت ومحبت مفقود ہوتی جارہی اور رحم وکرم کا جذبہ ماند پڑتا جارہا ہے، اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم اسلامی تعلیمات سے دور ہوتے جارہے ہیں، اسلامی اخلاقیات سے نا آشنا ہوگئے ہیں، رسول اکرم ﷺ کی سنتوں کو پس پشت ڈال دیا ہے، ہم نے اپنا شیوہ خوش

اخلاقی کی جگہ بداخلاقی کو بنالیا ہے، حالانکہ متعدد قرآنی آیتیں اور بیشمار احادیث نبوی ﷺ بصراحت قطع رحمی، آپسی رنجش، بغض وحسد، کینہ وکپٹ رکھنے اور قطع تعلق کرنے کی حرمت پر دلالت کرہی ہیں مگر ہم یا تو اس کا علم رکھتے ہوئے بھی اس سے اعراض کئے ہوئے ہیں یا لاعلمی وجہالت میں غیر اسلامی طریقہ اپنائے ہوئے ہیں۔

کینہ اور بغض کی نحوست

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جنت کے دروازے پیر اور جمعرات کے دن کھولے جاتے ہیں اور ہر ایسے بندے کی مغفرت کی جاتی ہے، جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانے والا نہیں ہوتا، البتہ ایک اور شخص بھی ہے جس کی مغفرت نہیں کی جاتی اور یہ وہ شخص ہے جس کے اندر اپنے بھائی سے کینہ اور بغض وحسد ہوتا ہے، ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہیں چھوڑ دو یہاں تک کہ یہ اپنے بھائی سے مصالحت کرے، انہیں چھوڑ دو یہاں تک کہ یہ اپنے بھائی سے مصالحت کرے۔ انہیں چھوڑ دو یہاں تک کہ یہ اپنے بھائی سے مصالحت کرے۔ (صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ، باب النہی عن الشحنہ والتہاجر)

شرک ناقابل معافی جرم

شرک کی برائی اتنی خطرناک اور بھیانک ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو بندوں کے تمام گناہوں کو معاف کردے، مگر شرک اکبر کو کسی بھی قیمت پر معاف نہیں کرنے والا ہے، اس کی صراحت سورہ نساء، سورہ حج، سورہ لقمان، سورہ زمر اور اس کے علاوہ بہت سی سوتوں اور آیتوں میں موجود ہے۔ اس قدر بھیانک جرم کے ساتھ ملا کر کینہ وکپٹ کو بیان کرنا اس کی خطرناکی کو ظاہر کرتا ہے اور شرک ہی کی طرح اس سے بچنے

کی تاکید کرتا ہے، اسی لئے اللہ کے نبی نے فرمایا: ''لَا یَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ یَّھْجُرَ اَخَاہُ فَوْقَ ثَلاثَۃِ اَیَّامٍ'' کہ کسی مسلمان کے لئے حلال وجائز نہیں کہ وہ تین دنوں سے زیادہ اپنے بھائی سے قطع تعلق کرے، حافظ ابن عبدالبر نے اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے اپنی ان احادیث کے ذریعہ اہل ایمان سے ترک تعلق، بغض وعداوت اور کینہ وکپٹ رکھنے کے گناہ کو ظاہر کیا ہے، کیوں کہ ایمان کا تقاضہ ہے کہ لوگوں کا خون، ان کے اموال اور ان کی آبرو محفوظ رہے۔ اور اس کے شر سے دوسرے محفوظ رہیں، اس لئے کسی مسلمان کے لئے حلال وجائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے ترک تعلق کرے، ان سے بغض وعداوت رکھے، بلکہ ایمان کا تقاضہ ہے کہ ایمان والوں کے درمیان الفت ومحبت کی فضا قائم ہوا اور آپسی اعتماد کا ماحول معاشرہ میں پھیلے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے بندوں کے حقوق کو خود معاف کرنے کے بجائے صاف حق بندوں کی معافی پر محمول کردیا ہے، اور اسی لئے اس حدیث میں کہا گیا ہے کہ کینہ رکھنے والے بندوں کو چھوڑ دو، یہاں تک کہ وہ خود آپس میں صلح کرلیں اور آپس میں معافی تلافی کرلیتے ہیں تو باقی حقوق جس کا تعلق اللہ سے ہے وہ اسے معاف کردے گا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اِنَّمَا الْمُوْمِنُوْنَ اِخْوَہ'' ایمان والے سب کے سب آپس میں بھائی بھائی ہیں، دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاعْبُدُوا اللّٰہَ وَلَا تُشْرِکُوا بِہٖ شَیْئًا وَّبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا... الخ اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک قرار مت دو، اور والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو، قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں، پڑوسیوں، ہم سفروں، مسافروں اور غلاموں وباندیوں کے ساتھ حسن سلوک کرو، اللہ تعالیٰ اکڑنے فخر ومباہات کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (النساء) اس آیت کے اندر اقارب کا عطف والدین پر کیا گیا ہے اور اس پر یتیم ومسکین، پڑوسی، بیویاں، مسافرین اور ملک یمین کا عطف کیا گیا

ہے ان تمام کو شامل کرتے ہوئے حسن سلوک کی تاکید اس لئے کی گئی کہ اس کا فائدہ پورے معاشرے کو پہنچے اور سب لوگ امن وامان، حسن اخلاق، اور باہمی الفت ومحبت کے ساتھ زندگی بسر کرسکیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آپس میں نہ بغض رکھو نہ حسد کرو، نہ ایک دوسرے کے درپے آزار ہو اور اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ، کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے (ترک تعلق کرے)۔(متفق علیہ)

تین دن سے زیادہ بول چال بند نہ کرے

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے تین شب سے زیادہ ترک تعلق کرے کہ ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوں تو یہ ادھر رخ پھیر لے اور وہ ادھر رخ پھیر لے، دونوں میں بہتر وہ شخص ہے جو سلام میں پہل کرے۔(متفق علیہ)

کتب حدیث کے اندر بے شمار ایسی حدیثیں وارد ہوئی ہیں جس میں نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو آپس میں ایک دوسرے سے الف ومحبت کرنے، ہمدردی وخیر خواہی کا معاملہ کرنے، ایک دوسرے کی ضروریات کا خیال رکھنے، آپسی تعاون کو فروغ دینے پر ابھارا ہے۔ حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک مومن دوسرے مومن کے لئے عمارت کی مانند ہے، جس کا ایک حصہ دوسرے کو تقویت پہنچاتا ہے۔(متفق علیہ) ایسی ہی ایک روایت ہے کہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آپس میں محبت کرنے اور ہمدردی ورحم دلی کرنے میں ایمان والوں کی مثال جسم واحد کی طرح ہے کہ جب اس کے ایک عضو میں تکلیف ہوتی ہے

تو پورا جسم بخار وبے خوابی میں اس کے لئے اٹھ کھڑا ہوتا ہے، ایک دوسری روایت میں ہے کہ اگر آنکھ میں تکلیف ہوتی ہے تو پورا جسم درد محسوس کرتا اور سر میں تکلیف ہوتی ہے تو پورا جسم تکلیف محسوس کرتا ہے''۔(متفق علیہ)

حضور ﷺ کے امتی ہونے کا تقاضہ

اگر ہم اہل ایمان ہیں، محمد عربی ﷺ کی امت میں ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور آپ ﷺ سے محبت والفت کا راگ الاپتے ہیں تو اس کا تقاضہ ہے ہم زیور تعلیم سے آراستہ ہوں۔ اسلام کی صحیح وسچی تعلیمات سے آگہی حاصل کریں اور اپنی زندگی اپنے مقتدیٰ اور رسول اللہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے اقوال کے مطابق گزارنے کی کوشش کریں، صلہ رحمی کریں، آپس میں جذبہ الفت ومحبت کو پروان چڑھائیں، رحم دلی اور ہمدردی کو اپنا شعار بنائیں اور اگر ہمارے دل میں کسی سے کینہ وکپٹ ہے تو اللہ کے واسطے اپنا دل صاف کریں، کسی سے دنیوی ومادی اغراض کی بنیاد پر اگر بغض وعناد ہو تو اسے دور کرتے ہوئے صلح ومصالحت کی طرف آگے بڑھیں، رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کریں اور عام لوگوں سے اگر کسی وجہ سے ترک تعلق ہے تو اسے پس پشت ڈال کر بھائی چارگی اختیار کریں، تاکہ اس دنیا سے ہم اس طرح رخصت ہوں کہ ہمارا دل سبھوں سے صاف ہو اور ہمارے اوپر کسی کا حق باقی نہ رہے اور اس طرح ہمیں اللہ کے نیک بندوں میں لکھ لیا جائے اور ہماری مغفرت کردی جائے، ہمیں یقین رکھنا چاہئے کہ ہم جس دین ومذہب کے ماننے والے ہیں وہ ہم سے متقاضی ہے کہ آخرت کی کامیابی کیلئے ہم آپس میں بیر نہ رکھیں اور اپنے اندرون خانہ سے بیرون اور پورے معاشرے تک اپنے تعلقات اچھے رکھیں۔

☆☆☆

اسلام میں

حیاء کی اہمیت اور فحاشی کی مذمت

دین اسلام ایک لحاظ سے دین انسان ہے۔ یعنی انسان کے خالق کی طرف سے انسان کے لئے طریقہ زندگی وہ طریقہ زندگی جو اللہ کو مطلوب ہے، اور جس کا نام اسلام ہے۔ اسلام صرف طریقہ زندگی ہی نہیں بلکہ مکمل طریقہ زندگی ہے، چنانچہ انسانی زندگی کا کوئی جذبہ اور کوئی ضرورت ایسی نہیں ہے جس کا نظم اسلام نے نہ کیا ہو اور صرف نظم پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کو حاصل کرنے کا بہترین طریقہ بھی بتایا جس کو شریعت بھی کہتے ہیں۔ انسانی زندگی کا ایک تقاضہ جنسی ضرورت ہے، اسلام نے اس ضرورت کا مکمل انتظام بھی کیا اور صحیح طریقہ بھی بتایا اور اسی نظم اور طریقہ کے مطابق جنسی تقاضہ کا صحیح استعمال کیا جاسکتا ہے، جس سے فرد کو بھی فائدہ پہنچتا ہے اور معاشرہ کو بھی فائدہ پہنچتا ہے اور اگر جنسی تقاضہ کی تکمیل کے سلسلہ میں اسلامی تعلیمات کو نظر انداز کر دیا جائے تو اس سے فرد کو بھی نقصان پہو نچتا ہے اور معاشرہ کو بھی نقصان پہنچتا ہے۔ جنسی تقاضہ کی تکمیل کے سلسلہ میں اسلام کتنا سنجیدہ اور احتیاط پسند ہے کہ اس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنسی جذبہ کو سمجھ بوجھ

کی عمر کے ساتھ رکھا تا کہ اس کا صحیح استعمال ہو اور غلط استعمال سے بچا جاسکے۔ کیونکہ اگر جنسی جذبہ کو پیدائش کے ساتھ ہی رکھ دیا جاتا جیسے کھانے پینے کی ضرورت پیدائش کے ساتھ ہی رکھ دی گئی تو اس جذبہ کا غلط استعمال ہوتا۔

جنسی جذبہ اور عقل میں دینی لحاظ سے اتنا قریبی تعلق ہے کہ شرعی لحاظ سے ایک انسان اسی وقت عاقل بالغ شمار ہوتا ہے جب کہ وہ جنسی جذبہ کی عمر کو پہنچ گیا ہو اور اس میں جنسی جذبہ کی علامت پائی جاتی ہو اور جب انسان بوڑھا ہو جاتا ہے اور سمجھ بوجھ میں کمی آجاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس جذبہ کو کم کر دیتا ہے یا ختم کر دیتا ہے۔

لیکن افسوس ہے کہ جنسی جذبہ کو سمجھ بوجھ کی عمر کے ساتھ رکھے جانے کے باوجود بہت سے انسان جنسی جذبہ کی تکمیل کے سلسلہ میں پاگل بن جاتے ہیں۔ اور ایسی ایسی حرکتیں کر بیٹھتے ہیں کہ انسانیت کا سر شرم سے جھک جائے اور جس کے تذکرہ سے زبان اور قلم میں لرزہ طاری ہو جائے۔

چنانچہ انسانی معاشرہ میں ایسی خبریں بھی پڑھنے اور سننے کو ملتی ہیں کہ ایک باپ اپنی سگی بیٹی سے زنا کرتا ہے اور اس سلسلہ میں اس کو سرزنش کی جاتی ہے تو وہ جواب میں کہتا ہے کہ میری بیٹی سے فائدہ اٹھانے کا سب سے زیادہ حقدار میں ہوں۔ اور یہ خبریں بھی پڑھنے کو اور سننے کو ملتی ہیں کہ ایک چالیس پچاس سالہ شخص چار پانچ سال کی معصوم بچی یا بچہ سے زنا کرتا ہے اور اس کے بعد اس کو قتل کر کے پھینک دیتا ہے۔

اسلام میں شرم وحیا کی کتنی اہمیت ہے، آنحضور ﷺ کی ایک حدیث سے بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا:

"عَنْ زَيْدِ بْنِ طَلْحَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِنَّ لِكُلِّ دِيْنٍ خُلُقًا وَخُلُقُ الْاِسْلَامِ اَلْحَيَاءُ. (ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت بن طلحہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر دین کے لئے ایک نمایاں اخلاق ہوتا ہے اور اسلام کا نمایاں اخلاق حیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دیگر مذاہب اور دین اسلام میں اخلاقی لحاظ سے تمیز کرنے والی چیز حیاء ہے۔ گویا کہ ایک مومن اور کافر میں اخلاقی لحاظ سے فرق کرنے والی چیز شرم وحیاء ہے لیکن افسوس ہے کہ آج کا مسلم معاشرہ فحاشی و بے حیائی میں غیر مسلم معاشرہ کی طرح ہی ہوتے جارہا ہے۔ ایک دوسری حدیث سے بھی اسلام میں شرم وحیا کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ "عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ قَالَ: اِنَّ الْحَیَاءَ وَالْاِیْمَانَ قرناءُ جَمِیْعًا فَاِذَا رُفِع احدُھما رُفِعَ الْاٰخِرُ". (بیہقی، ومشکوٰۃ المصابیح)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا بے شک حیا اور ایمان دونوں ایک ساتھ جڑے ہوئے ہیں جن میں سے کوئی ایک نکل جاتا ہے تو دوسرا بھی نکل جاتا ہے۔

مذکورہ حدیث سے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے کہ ایمان اور حیاء میں کتنا گہرا تعلق ہے، مطلب یہ کہ اگر کسی کی زندگی میں شرم وحیاء نہیں ہے تو اس کی زندگی میں ایمان بھی نہیں ہے۔ چاہے وہ مومن ہونے کا کتنا ہی دعویٰ کیوں نہ کرے۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ ایک مومن کو باحیاء اور پاک دامن ہونا چاہئے اور بے حیائی کی تمام باتوں سے اسے بچنا چاہئے، تب ہی وہ مومن ہوسکتا ہے۔

اسلام نے فرد اور معاشرہ میں شرم وحیاء کو فروغ دینے اور فرد و معاشرہ سے بے حیائی وفحاشی کو ختم کرنے کے لئے بنیادی طور پر چار تدبیریں متعین کی ہے۔ جب تک فرد اور معاشرہ ان تدبیروں سے نہیں جڑتا تب تک فرد اور معاشرہ کو بے حیائی وفحاشی سے بچایا جاسکتا ہے۔ وہ چار تدبیریں اس طرح ہیں۔ بلوغ کے فوراً بعد نکاح کے عمل کو فروغ دینا۔ بلوغ کے فوراً بعد عورتوں کے لئے پردہ کا استعمال۔ بلوغ کے

فوراً بعد عورتوں اور مردوں کے لئے غض بصر یعنی اپنی نظروں کو نامحروموں پر پڑنے سے بچانا۔ زنا اور بدکاری کی اسلامی سزاؤں کا نفاذ۔

مذکورہ چار تدبیروں میں سے پہلی تدبیر نکاح ہے۔ اسلام نے انسان کے بالغ ہونے کے بعد اس کیلئے نکاح کا حکم دیا ہے تاکہ وہ اس عمل سے جڑ کر ازدواجی زندگی گذارے اور تجرد کی زندگی سے پرہیز کرے۔ چنانچہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وانکحوا الایا مٰی منکم" یعنی تم میں جو بے نکاح ہیں ان کا نکاح کردیا کرو، اور آگے اسی آیت میں اللہ تعالیٰ نے نکاح کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

"اِنْ یَّکُونُوا فُقَرَاءَ یُغْنِیْھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہ" (سورہ نور:۳۲)

"اگر وہ تنگدست ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے انہیں مالدار کرے گا"۔

آنحضور ﷺ نے بھی ایک موقع پر نوجوانوں کو مخاطب کرکے فرمایا:

"یَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْکُمُ الْبَاءَ ۃَ فَلْیَتَزَوَّجْ فَاِنَّہُ اَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَاَحْصَنُ لِلْفَرَجِ وَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَعَلَیْہِ بِالصَّوْمِ فَاِنَّ لَہُ وِجَاءٌ". (بخاری ومسلم)

ترجمہ: اے نوجوانوں کی جماعت تم میں سے جو نکاح کی استطاعت رکھتا ہے اس کو چاہئے کہ وہ نکاح کرلے کیونکہ وہ نگاہ اور شرم گاہ کی حفاظت کا باعث ہے۔ اور جو اس کی استطاعت نہ رکھے اس پر لازم ہے کہ وہ نوافل روزے رکھے کیونکہ وہ شہوت کو دباتے ہیں۔ (بخاری ومسلم)

مذکورہ بالا آیت اور حدیث سے یہ بات واضح ہوئی کہ اسلام انسان کے بالغ ہونے کے بعد نکاح کے عمل پر زور دیتا ہے، البتہ مجبوری کی صورت میں عارضی طور پر زیادہ سے زیادہ نوافل روزوں کے اہتمام کے ساتھ زندگی گذارنے کی اجازت دیتا ہے لیکن جب نکاح کی استطاعت ہوجائے تو پھر نکاح ہی کو لازم کرتا ہے۔

اس سے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے کہ اسلام افراد اور معاشرہ کو بے حیائی اور فحاشی سے بچانے کے لئے کتنی واضح اور موثر رہنمائی عطا کرتا ہے لیکن افسوس ہے کہ باطل کی حکمرانی کی وجہ سے نکاح کے عمل میں طرح طرح کی روکاٹیں کھڑی کردی گئی ہیں۔ تاکہ نکاح کے عمل میں زیادہ سے زیادہ تاخیر ہو، کچھ رکاوٹیں انسانوں نے خود اپنے غلط طرز عمل کی وجہ سے کھڑی کررکھی ہیں جس کی وجہ سے لڑکوں اور لڑکیوں کی آدھی سے زیادہ جوانی کی عمر تجرد کی زندگی کے نذر ہوجاتی ہے۔

چنانچہ ہندوستان میں قانونی لحاظ سے لڑکی کے لئے اٹھارہ سال کی عمر ضروری ہے اور لڑکے کے لئے اکیس سال کی عمر ضروری ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی سترہ سال کی لڑکی اور بیس سال کا لڑکا اپنی اور والدین کی رضامندی کے باوجود بھی نکاح کرنا چاہے تو وہ قانونی لحاظ سے نکاح نہیں کرسکتے۔ اور اندھی نگری چوپٹ راج کی انتہا دیکھئے کہ یہی سترہ سالہ لڑکی اور بیس سالہ لڑکا بغیر نکاح کے ناجائز جنسی تعلقات کیساتھ ایک ساتھ رہنا چاہئے تو وہ قانونی لحاظ سے ایک ساتھ رہ سکتے ہیں۔ بلکہ جوان کو ناجائز جنسی تعلقات سے روکنے کی کوشش کرے گا اس کا یہ قدم غیر قانونی شمار ہوگا کیونکہ اس نے اظہار رائے کی آزادی میں مداخلت کی۔

اسی طرح ہندوستانی حکومت نے ملک کی سرکاری تعلیم کا نصاب اور نظام کچھ اس طرح مرتب کیا کہ تیس سال کی عمر تک تعلیمی سلسلہ ہی چلتا رہا اور پھر پکی ملازمت کے لئے دو تین سال اور انتظار کرنا پڑے۔ اس لحاظ سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ ہندوستان میں زیادہ تر نکاح نوجوان لڑکوں اور نوجوان لڑکیوں کے نہیں ہوتے بلکہ ہندوستان میں زیادہ تر نکاح ادھیڑ عمر کے مردوں اور ادھیڑ عمر کی عورتوں کے ہوتے ہیں۔ ہاں البتہ نوجوان لڑکوں اور نوجوان لڑکیوں کے درمیان زناکاری اور بدکاری عام ہوتی

ہے۔ اس لئے معاشرہ میں اس سوچ کو عام کرنے کی ضرورت ہے کہ بلوغ کے بعد جلد از جلد ازدواجی زندگی سے جڑنے میں تمام انسانوں کی بھلائی مضمر ہے۔

معاشرہ میں حیاء کو فروغ دینے اور فحاشی کو ختم کرنے کے لئے اسلام نے دوسری تدبیر عورتوں کے لئے پردہ اور حجاب کی رکھی ہے۔

یعنی عورت بالغ ہونے کے بعد اپنے جسم کے تمام اعضاء کو تمام غیر محرم مردوں سے چھپائے رکھے یہاں تک کہ اگر کسی غیر محرم مرد سے بات کرنے کا موقع آجائے تو نرم لہجہ میں بات نہ کرے بلکہ ذرا سخت لہجہ میں بات کرے تاکہ اس کے اندر کسی قسم کا برا خیال پیدا نہ ہو۔ غیر محرم مردوں سے مراد وہ تمام مرد ہیں جن سے نکاح کرنا شرعی لحاظ سے حرام نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ محرم مردوں کے علاوہ تمام افراد غیر محرم میں داخل ہیں اور ان سے پردہ کرنا ضروری ہے۔ لیکن عام طور سے معاشرہ میں بھی غیر محرم رشتہ داروں سے پردہ کرنے کو ضروری نہیں سمجھا جاتا جب کہ محرم رشتہ سے پردہ کرنا عام غیر محرم رشتہ داروں کے ساتھ بے پردگی کی صورت میں جنسی بے راہ روی کے مواقع زیادہ ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ایک موقع پر آنحضور ﷺ نے عورتوں کو غیر محرم مردوں سے پردہ کرنے کا حکم دیا تو ایک عورت نے حمو یعنی شوہر کے بھائی کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا: ''الحمو الموت''۔ یعنی شوہر کا بھائی (دیور) تو موت ہے۔ مطلب یہ کہ شوہر کے بھائی سے پردہ کرنا دوسرے رشتہ داروں کے مقابلہ میں زیادہ ضروری ہے۔ مذکورہ فرمان رسول ﷺ کی تشریح میں محدثین نے لکھا ہے کہ عربی میں حمو کا اطلاق شوہر کے بھائی کے ساتھ شوہر کا چچا، شوہر کا ماموں، شوہر کا بھتیجہ، شوہر کا بھانجہ، یعنی بہنوئی بھی غیر محرم ہے۔ اور اس سے بھی پردہ ضروری ہے۔ اسی طرح حقیقی چچازاد بھائی اور حقیقی ماموں زاد بھائی اور حقیقی پھوپھی زاد بھائی اور حقیقی خالہ زاد بھائی۔ یہ تمام غیر محرم میں داخل ہیں۔ اور ان سے پردہ کرنا ضروری ہے۔

لیکن افسوس ہے کہ خود مسلم معاشرہ میں بہت سی خواتین غیر محرم قریبی رشتہ داروں سے پردہ کرنے کو غیر ضروری سمجھتی ہیں اور کچھ خواتین اس کو معیوب سمجھتی ہیں۔اسی طرح بہت سے مرد بھی محرم قریبی رشتہ داروں سے پردہ کرنے کو غیر ضروری اور معیوب سمجھتے ہیں جب کہ غیر محرموں سے پردہ کرنے کے احکام اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ہیں اور اللہ اور اسکے رسول کے احکام پر عمل کرنے کو غیر ضروری اور معیوب سمجھنا ایک طرح سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کرنا ہے۔

اس لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ معاشرہ میں زیادہ سے زیادہ اس بات کو عام کیا جائے کہ عورتیں اور مرد غیر محرم رشتہ داروں اور اجنبیوں سے پردہ کریں۔

معاشرہ میں شرم وحیاء کو فروغ دینے اور بے حیائی ختم کرنے کے لئے اسلام نے تیسری تدبیر غض بصر رکھی ہے۔یعنی عورتیں اپنی نظریں غیر محرم مردوں پر پڑنے سے بچائیں اور اچانک پڑ جائے تو فوراً نیچے کرلیں۔اسی طرح مرد اپنی نظریں غیر محرم عورتوں پر پڑنے سے بچائیں اور اچانک پڑ جائے تو فوراً نیچے کرلیں یا دوسرے طرف پھیرلیں۔

غض بصر کا حکم واضح طور سے قرآن میں مذکور ہے۔

چنانچہ ارشاد ربانی ہے: ”قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ“. (النور: ۳)

ترجمہ: کہہ دیجئے مومنین سے کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔(نور:۳۰)

”وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ“.

ترجمہ:”اور ایمان والی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔(نور: ۳۱)

مذکورہ بالا فرمان خداوندی کی بناء پر تمام مومن مردوں اور عورتوں پر یہ بات لازم ہوجاتی ہے کہ دونوں نظریں غیر محرموں پر ڈالنے سے سختی کیساتھ پرہیز کریں اور کبھی اتفاقی طور پر پڑھ جائے تو فوراً اپنی نظریں نیچی کریں یا دوسری طرف پھیرلیں۔اور یہی حکم غیر محرم تصویروں کا بھی ہے۔یعنی کسی مرد اور عورت کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی غیر محرم کی تصویر کو غور سے دیکھے چاہے وہ تصویر کسی اخبار میں ہو یا کسی اور جگہ ہو اور آج کل کی تصویریں تو نئے آلات کی وجہ سے اور بھی زیادہ نمایاں اور بھڑک دار ہوچکی ہیں۔

حیاء کو فروغ دینے اور بے حیائی کو ختم کرنے کے لئے چوتھی تدبیر زنا کی اسلامی سزا کا نفاذ ہے،لیکن اس کی تعمیل اسلامی حکومت کے قیام سے ہے۔

☆☆☆

خدا یاد آئے جن کو دیکھ کر

مخدومنا ومخدوم العالم حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا قدس سرہ نے بتایا کہ حضرت اقدس مولانا الحاج شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری نوراللہ مرقدہ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ سردی میں کوئی کپڑا سردی کا نہیں تھا، کسی سے اظہار کو غیر مانع تھی، اس کی انتہائی کوشش میں رہتا تھا کہ کسی کو خبر نہ ہو، جب تک مسجد کے کواڑ کھلے رہتے، حمام کے سامنے سکینے کے بہانے سے بیٹھا رہتا اور جب سب چلے جاتے تو مسجد کے اندر زنجیر لگا کر مسجد کی صف کے ایک کونے پر لیٹ کر کروٹیں بدلتا ہوا دوسرے کونے تک پہنچ جاتا، وہی صف اوڑھنا بچھونا بن جاتی تھی، سر اور پیروں کی طرف سے خوب ہوا لگتی رہتی تھی، تہجد کے وقت اسی طرح کروٹیں بدلتا ہوا دوسری جانب آجاتا، صف بچھ جاتی، پھر ارشاد فرمایا وہ سردی تو گذر گئی لیکن اللہ کے فضل سے اس کے بعد سے کوئی سال ایسا نہیں گذرا کہ مالک کی طرف سے ایک دو لحاف عمدہ ہدیہ کے نہ آئے ہوں۔

حضرت نے ارشاد فرمایا کہ سہارنپور کی طالب علمی کے دور میں داخلہ بند ہو چکا تھا، مطبخ تو مدرسہ کے اندر اس وقت تک قائم ہی نہیں ہوا تھا، طلبہ کو وظیفہ ملا کرتا تھا، دارالطلبہ بھی نہیں بنا تھا، اس لئے طلبہ کا قیام مساجد میں رہتا تھا، ایک مسجد میں

ہمارا پانچ آدمیوں کا قیام تھا، ایک طالب علم امام تھا اس کا کھانا محلّہ سے آتا تھا، اور دو کا وظیفہ مدرسہ سے تھا، وہ اسباق سے فارغ ہونے کے بعد اپنی روٹی خود ہی پکایا کرتے تھے، کبھی دال بھی پکا لی ورنہ چٹنی، تین آدمیوں کا کھانا ہم پانچ آدمی کھایا کرتے تھے، پیٹ صرف اس دن بھرتا تھا، جب کہ محلّہ میں کسی جگہ دعوت ہوتی تھی یا جمعرات وغیرہ کو مسجد میں کوئی اور کچھ دے جائے، ورنہ آدھی بھوک ہی اکثر کھانے کی نوبت آتی تھی، حضرت نے موجودہ طلباء کے ہنگاموں پر کئی مرتبہ ارشاد فرمایا، کہ یہ تم لوگوں نے مطبخ جاری کر کے کیا کیا ہے، دونوں وقت پکی پکائی بےفکری سے ملتی ہے، اس لئے کبھی روٹی کچی مل جاتی ہے، کبھی سالن ناپسند ہو جاتا ہے، ہم لوگوں کو اسباق کے بعد اس زمانے میں اپنی اپنی روٹی پکانے کی فکر پڑ جاتی تھی، اپنے ہی ہاتھ سے طلبہ عام طور سے پکاتے تھے، کچی پکی جیسی پک جاتی تھی، اسی کو غنیمت سمجھتے تھے، اپنی پکائی ہوئی ہوتی تھی، اس میں عیب نہیں نکلتا تھا، اب مطبخ سے پکی پکائی ملتی ہے، سینکڑوں عیوب اس کے اندر پیدا ہوتے ہیں اور شکم سیر روٹی کھا کر لغویات کی سوجھے ہے، ہم لوگوں کو اتنا وقت ہی نہیں ملتا تھا کہ ان خرافات کی سوجھے، حدیث پاک کے اندر بھی اسی مضمون کی طرف اشارہ ہے: ”اَلا یُوْشِکُ رَجُلٌ شَعْبَانَ عَلٰی اَرِیْکَتِہٖ یَقُوْلُ عَلَیْکُمْ بِھٰذَا الْقُرآن فَمَا وَجَدْتُّمْ فِیْہِ مِنْ حَلَالٍ فَاَحِلُّوْہ فَمَا وَجَدْتُّمْ فِیْہِ مِنْ حَرَامٍ فَحَرِّمُوْہُ وَاِنَّمَا حَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ کَمَا حَرَّمَ اللّٰہُ“. (الحدیث: مشکوٰۃ بروایۃ ابی داؤد)

”عنقریب ایک زمانہ آئے گا کہ ایک آدمی پیٹ بھرا اپنے مزین تخت پر بیٹھا ہوا کہے گا کہ بس قرآن پاک کو مضبوط پکڑو، ہم صرف اسی کو مانیں گے جو حلال وحرام قرآن میں ہے، حالانکہ اللہ کے رسول نے جو چیزیں حرام کی ہیں وہ ایسی ہی ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے حرام کی ہیں“۔

یہ ارشاد مبارک ان لوگوں کے بارے میں ہے جو حدیث شریف کا انکار کرتے ہیں۔اور حضور اقدس ﷺ نے سچ فرمایا کہ یہ ساری باتیں پیٹ بھرائی اور پیسے سے پیدا ہوتی ہیں، فقر وفاقہ میں لغویات اور خرافات کی نہیں سوجھتی۔

حضرت نوراللہ مرقدہ اپنے رائے پور کی حاضری کے ابتدائی دور کے قصے بھی بہت ہی لطف اور مزے لے لے کر سنایا کرتے تھے، کیونکہ اپنے شیخ حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری قدس سرہ کے خادم خاص تھے۔فرمایا کرتے تھے کہ حضرت شیخ قدس سرہ کو لٹانے کے بعد جب دوپہر کو حضرت آرام فرماتے تو میں کواڑ بند کرکے مہمانوں کے کھانا پکنے کی جگہ جاتا۔معزالدین مرحوم جو بڑے حضرت کے مہمانوں کے کھانے پکانے کے منتظم تھے۔وہ سب مہمانوں کو کھلا کر مطبخ بند کرکے اپنے گھر چلے جاتے۔میں وہاں جا کر دیکھتا، کبھی ایک آدھ روٹی بچی ہوئی ہوتی۔سالن کی دیگچیوں سے پونچھ کر کھالیتا اور کبھی کچھ بھی بچا ہوا نہیں ہوتا تھا تو سوکھے ہوئے ٹکڑے طاقوں وغیرہ میں رکھے ہوئے مل جاتے تھے ان کو پیالے میں ڈال کر پانی میں بھگو کر نمک ڈال کر اور اگر نمک نہ ملتا تو بغیر نمک ہی کے کھالیا کرتا تھا۔کبھی پیٹ بھرتا، کبھی نہ بھرتا۔کسی دوسرے سے تو کیا کہتا، میں نے کبھی معزالدین مرحوم سے بھی یہ نہیں کہا کہ تم نے میرے واسطے روٹی نہیں رکھی۔

حضرت شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہ نے فرمایا: میرے عزیز مرحوم نے کئی بار سنایا کہ وہ دہلی کی کسی مسجد میں امام تھے۔اور چچا جان قدس سرہ (حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نوراللہ مرقدہ کا ابتدائی دور تھا۔وہ ایک مرتبہ رمضان میں یہ سمجھ کر کہ چچا جان دلی کے پیر ہیں، رمضان میں بہت فتوحات ہوتی ہوں گی، وہ ظہر کے بعد عصر کے قریب نظام الدین پہنچے۔چچا جان نوراللہ مرقدہ کا معمول عصر کے بعد سے مغرب تک ذکر بالجہر کا تھا۔عین افطار کے وقت خدام سے پوچھتے کہ کوئی چیز

افطاری کو ہے۔جو ماحضر ہوتا، خدام پیش کردیتے، اور جو کچھ کھانا ہوتا، مغرب کے وقت ہی نوش فرمالیتے۔وہی افطاری ہوتی تھی اور وہی افطاری کے بعد کا کھانا۔ جب افطار کا وقت ہو گیا اور چچا جان نے حسب معمول پوچھا کہ لاؤ بھائی کچھ ہے۔ کسی نے کہا کہ حضرت کچھ اور تو ہے نہیں، کل کے گولر بچے ہوئے ہیں۔چچا جان نے فرمایا کہ واہ وا، واہ وا، ضرور لاؤ۔میرے عزیز بھی شریک ہو گئے۔چچا جان نے چار پانچ گولر کھا کر اور پانی پی کر اللہ کا شکر ادا کیا۔مغرب کی نماز پڑھائی اور نفلوں کے اندر مشغول ہو گئے۔عشاء کی اذان تک حسب معمول نفلیں پڑھتے رہے۔اذان کے قریب فارغ ہو کر تھوڑی دیر لیٹے پھر عشاء اور تراویح بڑے اطمینان سے پڑھائیں۔یہ غریب عزیز سوچتا ہی رہا کہ کھانے کا نمبر کب کو آئے گا۔

نظام الدین کے رہنے والے طلباء اپنا کھانا خود پکاتے تھے اور پکانے کے بعد ایک ایک، دو دو روٹی ان کو تقسیم ہو جاتی تھی۔وہ اپنے اپنے ہاتھ پر رکھ کر کھالیتے تھے۔چچا جان کو تو کیا احساس ہوا ہو گا مگر، ان عزیز نے رات بڑی مشکل سے گذاری۔سحر کے وقت پھر وہی افطار والا منظر تھا وہی گولروں کا لوٹا تھا، اور وہی سحری اور وہی شکر۔صبح کی نماز کے بعد اس عزیز نے دلی آنے کی اجازت چاہی۔چچا جان بہت ہنسے اور فرمایا کہ بالکل اجازت نہیں ہے۔اس نے اپنی ضروریات کا بہت اظہار کیا۔مگر انہوں نے منظور نہیں فرمایا۔غریب نے سارے دن روزہ پر روزہ چند گولروں کے سحر وافطار کے ساتھ رکھا تھا۔کہا کرتا تھا کہ جو کچھ میرے اوپر گذری تھی میں ہی جانتا تھا۔دوسرے دن عصر کے بعد وہی ذکر کا منظر تھا اور مرحوم عزیز کہا کرتا تھا کہ میری جان کو بن رہی تھی کہ اب پھر وہی گولر آئیں گے۔قبیل المغرب دہلی سے ریڑھی پر رکھی ہوئی نہایت لذیذ مرغن بریانی کی ایک دیگ آئی جس کی خوشبو سے ساری مسجد مہک رہی تھی۔چچا جان نے افطار کے وقت فرمایا کہ ”آؤ بھائی

لطیف! یہ بریانی تمہارے ہی واسطے آئی ہے۔ مرحوم کہا کرتا تھا کہ دوسرے دن افطار وسحر میں اتنی رغبت اور لذت سے پیٹ بھر کر کھائی کہ عمر بھر یاد رہے گی۔

حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ نے فرمایا: میری دادی کے نانا حضرت مولانا مظفر حسین قدس سرہ کے نام نامی سے ابھی تک ہندوپاک کے ہزاروں آدمی واقف ہیں۔ ان کی طالب علمی کا ابتدائی دور دہلی میں گذرا۔ بازار سے کھانا خرید کر کھایا کرتے تھے۔ لیکن صرف روٹی خریدتے تھے، سالن کبھی نہیں خریدتے تھے اور بغیر سالن خشک روٹی کھایا کرتے تھے۔ اسلئے کہ اس زمانے میں دہلی کی دکانوں میں جو سالن پکتا تھا اس میں امچور کا ڈالنا لازم تھا۔ اور فرمایا کرتے کہ آموں کے باغوں کی بیع قبل از بدوّ صلاح ہوتی ہے جو جائز نہیں ہے۔ اس لئے سالن سے کبھی روٹی نہ کھاتے تھے، اسی کا اثر تھا کہ کسی مشتبہ مال کو حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا معدہ قبول نہیں کرتا تھا۔ اگر کسی جگہ غلطی سے بھی مشتبہ مال کھانے کی نوبت آجاتی تو فوراً قے ہوجاتی تھی۔ بہت سے واقعات اس سلسلہ کے حضرت مرحوم کے مشہور ومعروف ہیں۔

ان اکابر کے حالات سے سبق لینا چاہئے کہ دنیا کی زندگی چاہے جتنی بھی زیادہ ہوجائے، بہرحال ختم ہونے والی ہے۔ موت سے کسی کو چارہ نہیں ہے اور آخرت کی زندگی دائمی ہے کبھی ختم ہونے والی نہیں۔ سمجھدار عقلمند کا کام ہے کہ دائمی زندگی کے لئے جو کچھ کرسکتا ہو کرلے۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ خدا کی قسم میں تم لوگوں پر فقر کا اندیشہ نہیں کرتا۔ مجھے اس کا اندیشہ ہے کہ دنیا تم پر پھیل جائے گی جیسا کہ تم سے پہلے پر پھیل چکی ہے اور تم اس میں دل لگا بیٹھو گے جیسا کہ وہ لوگ لگا بیٹھے تھے۔ اور یہ دنیا تم کو بھی ایسے ہی ہلاک کردے گی، جیسے ان لوگوں کو ہلاک کیا ہے۔ (مشکوۃ بروایت شیخین) ان حضرات اکابر نے حضور ﷺ کے پاک ارشادات پر عمل کی توفیق، نہ ان اکابر جن کے ہر قول

وفعل کو اپنی آنکھوں سے دیکھا، کے اتباع کی امنگ اور شوق فَالِی اللّٰہ الْمُشْتَکیٰ۔

أُولٰئِکَ اٰبَائِیْ فَجِئْنِیْ بِمِثْلِهِمْ | إِذَا جَمَعَتْنَا یَا جَرِیْرُ الْمَجَامِعُ
خدا یاد آئے جن کو دیکھ کر وہ نور کے پتلے | نبوت کے یہ وارث ہیں یہی ہیں ظل رحمانی
یہی ہے جنکے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر | انہیں کے اتقاء پر ناز کرتی ہے مسلمانی
انہیں کی شان کو زیبا نبوت کی وراثت ہے | انہیں کا کام ہے دینی مراسم کی نگہبانی
رہیں دنیا میں اور دنیا سے بالکل بے تعلق ہوں | پھریں دریا میں اور ہرگز نہ کپڑوں کو لگے پانی
اگر خلوت میں بیٹھے ہوں تو جلوت کا مزہ آئے | اور آئیں اپنی جلوت میں تو ساکت ہو سخن دانی

لکھنے کو تو بہت جی چاہتا ہے مگر اسکے لئے تو بڑے دفتر چاہئیں۔ نمونہ کے لئے یہ بھی کافی ہیں۔ (آپ بیتی سے اقتباس)

☆☆☆

خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے پیرومرشد

خواجہ عثمان ہارونی راہ حق کے ایسے مسافر تھے جن کی منزل حصول مطلوب اور رضائے مولی کے سوا کچھ نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ الطاف حق کے جلوے آپ کو ہر دم اپنی آغوش میں لئے رکھتے تھے جن کے فیضان واکرام سے رشد وہدایت احسان وکرامات کے ایسے ایسے چشمے آپ کی ذات سے جاری ہوئے جنہیں دیکھ کر لوگ دنگ رہ جاتے اور باطل کے متوالے آپ کے گرویدہ ہوکر تائب ہوجاتے۔ چنانچہ منقول ہے کہ ایک دفعہ آدھی رات کے وقت آپ اپنے دولت کدہ میں تشریف فرما تھے کہ ۷۹ کافروں نے مشورہ کیا کہ آؤ عثمان ہارونی کے یہاں چلیں اور کہیں کہ ہم سب بھوکے ہیں۔ ہر ایک کو نئے طباق میں علیحدہ علیحدہ کھانا دیجئے۔ اس باہمی مشورہ کے بعد جب وہ لوگ آپ کی خدمت میں پہنچے تو خواجہ نے فرمایا اے آدم وحوا کے بیٹو ہاتھ دھوکر بیٹھ جاؤ اور آپ بذات خود بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر آسمان کی جانب ہاتھ اٹھاتے اور ہر جنس کے مختلف کھانوں کے بھرے ہوئے طباق جیسا وہ لوگ سوچ کر آئے تھے غیب سے لیتے اوران کے سامنے رکھ دیتے۔ وہ کافر بھی متواتر نظریں جمائے دیکھتے رہے کہ طباق غیب سے آرہے ہیں۔ جب کافروں نے

آسودہ ہوکر کھالیا تو آپ نے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ کی نعمت کھاؤ اوراس پر ایمان لے آؤ۔ انہوں نے پوچھا کہ اگر ہم تمہارے خدا ورسول پر ایمان لے آئیں اور مسلمان ہوجائیں تو کیا خدائے تعالیٰ ہمیں بھی تم جیسا کردے گا۔ آپ نے فرمایا کہ میں غریب کس شمار میں ہوں خداوند قدوس تو اس پر بھی قادر ہے کہ مجھ سے ہزار درجہ تمہیں بلند فرمادے۔ یہ سن کر وہ سب کے سب ایمان لے آئے اور مسلمان ہوگئے۔ آپ کی صحبت میں رہے آپ کی صحبت وتربیت نے انہیں ولی کامل بنادیا۔

جب خواجہ عثمان ہارونی کی ولایت وکرامت کا ڈنکا چار دانگ عالم میں بجنے لگا تو اطراف عالم سے تشنگان طریقے کے قافلے آپ کے اردگرد فروکش ہونے لگے۔

سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز جو عرصہ دراز سے کسی ایسے ہی مرد حق آگاہ کی تلاش میں تھے آپ کو پاکر گویا کہ انہوں نے آب حیات کا چشمہ شیریں پالیا۔ طالب صادق کی نگاہ جوں ہی آپ پر پڑی وفور شوق کی دنیا زیروزبر ہونے لگی۔ درویش کامل کی دوربین نگاہوں نے بھی گوہر نایاب کو تاڑنے میں تاخیر نہ کی اور فوراً اپنی فرزندی میں شامل کرلیا۔ پیری اور مریدی کا رشتہ کتنا پاکیزہ اور تقدس مآب ہوتا ہے۔ بتانے کی حاجت نہیں تاہم اس کے شرائط وآداب سے عصر حاضر میں اکثر مریدین نابلد وناآشنا ضرور ہیں بلکہ بعض دنیا پرست اور جاہل پیر تو ان سے کلیۃً بے خبر اور کورے ہیں۔ حضرت ابوقاسم گرگانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارا جی چاہتا ہے کہ دنیا میں کوئی ہمارا ایسا مرید ہو کہ ہم اس کی کھال اتار کر اس میں بھس وغیرہ بھر کر دھوپ میں لٹکا دیں تاکہ دنیا والوں کو یہ معلوم ہوجائے کہ مریدی کس کا نام ہے اور حضرت میر عبدالواحد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب تک ہر مرید کی سچی عقیدت اپنے مرشد کے تصرف میں اس حد تک نہ پہنچ جائے کہ وہ اپنی ہر مراد کو فنا کردے اس کو سچا اور واقعی مرید نہیں کہا جاسکتا۔ مذکورہ بالا اقتباس کے تناظر میں جب ہم خواجہ

غریب نواز کی عقیدت ومحبت اور آداب وخدمات کا جائزہ لیتے ہیں تو برجستہ نوک قلم پر یہ حقیقت مچلنے لگتی ہے کہ پیر ہوتو خواجہ عثمان ہارونی کی طرح اور مرید ہوتو خواجہ غریب نواز کے جیسا کیونکہ عقیدت کا معاملہ اگر یکطرفہ ہوتو وہ لطف نہیں ہوتا جو طرفین کے قلبی لگاؤ سے ہوتا ہے۔عثمان ہارونی غریب نواز سے کس قدر محبت کرتے اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ایک دفعہ غریب نواز سے ملاقات کرنے کے لئے آپ نے بغداد شریف کا سفر کیا۔خود خواجہ غریب نواز کے دل میں ان کے مرشد کامل کی کتنی عقیدت ومحبت تھی کہ مرید ہونے کے بعد بیس برس تک اپنے شیخ کی خدمت میں رہے اس دوران سفر کا اتفاق ہوا تو ایک وفا شعار خادم کی طرح حضرت کا بستر اور توشہ سر پر لئے ہوئے آپ کے ہم رکاب ہوتے۔آپ کی اطاعت شعاری اور خدمت گذاری سے متاثر ہوکر انہوں نے آپ کو خلعت خاص عصائے مبارک نعلین پاک اور مصلی شریف عنایت فرمایا تھا اور چند قیمتی اسرار ورموز اور حکمت سے لبریز نصیحتیں کی تھیں۔حضرت خواجہ غریب نواز مرشد برحق کی تربیت عبادت اور ریاضؒ کی کثرت مجاہدہ نفس تلاوت قرآن اور کثرت روزہ کے علاوہ انصاف خداوندی نوازشات رسول اکرم ﷺ کی بدولت افق ولایت کی اس حدتک باریاب ہوچکے تھے جہاں سے عنایات الٰہیہ کے چشمے ابلتے رہتے ہیں۔آپ خود فرماتے ہیں کہ میں ہر دن اور ہر رات قرآن شریف ختم کرتا جب بھی قرآن ختم کرتا تو ہاتف غیبی آواز دیتا کہ ہم نے تمہارا ختم قبول کیا۔عموماً آپ کی آنکھیں بند رہتیں صرف نماز کے وقت کھولتے اور جس خوش نصیب پر آپ کی نگاہ ناز پڑ جاتی وہ ولی اللہ ہوجاتا۔(ماخوذ)

☆☆☆

عطر محبوبِ حق ﷺ کو پسند تھا

خوشبو اور عطر کا استعمال حضرات انبیاء کرام کی پسندیدہ عادت ہے۔حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انبیاء کی عادتوں میں ایک عادت عطر لگانا بھی ہے۔(سیرت الشامی، ج:۷،ص:۵۳۴)

اسی طرح ملیح بن عبد اللہ نے اپنے والد انہوں نے اپنے دادا انہوں نے نبی ﷺ سے یہ روایت نقل کی ہے۔

آپ ﷺ عطر کا ہدیہ واپس نہیں فرماتے تھے

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ عطر کے ہدیہ کو واپس نہیں کرتے تھے۔(بخاری) عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا تین چیزیں واپس نہیں کی جاتی ان میں سے ایک عطر بھی ہے۔(ترمذی)

عطر کا ہدیہ واپس کرنا ممنوع ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تمہیں کوئی عطر وخوشبو دے تو اسے سونگھ لو واپس نہ کرو۔(سیرت الشامی، ج:۷،ص:۵۳۴)

ابو عثمان رضی اللہ عنہ مدنی سے روایت ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کو کوئی ریحان (خوشبو) دے تو اسے واپس نہ کرو یہ جنت سے نکلی ہے۔ (سیرت الشامی، ج:۷، ص:۵۳۳)

عطر محبوب ہے

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ دنیا میں ہمیں تین چیزیں محبوب و پسندیدہ ہیں ان میں سے ایک عطر بھی ہے۔ (نسائی، ج:۷، ص:۹۳)

مشک اور عود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پسندیدہ عطر ہے۔ (سبل الہدی، ج:۷، ص:۵۳۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ خوشبو اور عطر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت پسند ہے۔ بکثرت آپ صلی اللہ علیہ وسلم عطر کا استعمال فرماتے۔ (کنز الاعمال، ج:۷، ص:۳۷)

حضرت ابراہیم سے روایت ہے کہ آپ کی تشریف آوری کی اطلاع خوشبو سے ہوتی۔ (کنز الاعمال)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سب سے بہترین خوشبو، میں ان کو لگاتی یہاں تک کہ خوشبو کا نشان سر اور داڑھی مبارک پر ہوتا۔ (مشکوٰۃ، ص:۳۸۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخر شب میں عطر کا استعمال فرماتے۔ (سیرت الشامی، ج:۷، ص:۵۳۳)

ہندی خوشبو آپ کو پسند تھی اس کا نام قماری تھا جو عود کی ایک قسم ہے۔

(سیرت الشامی، ص:۵۳۷)

عطر حنا کی فضیلت

حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جنت کی خوشبو حنا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ کی خدمت میں حنا لایا گیا تو

آپ نے فرمایا یہ خوشبو جنت کے مشابہ ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ حنا جنت کی خوشبو کا سردار ہے۔ (سیرت الشامی، ج:۷، ص:۵۲۵)

لوگوں کا اکرام عطر سے کرنا سنت ہے

حضرت زینت سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ لوگوں کا اکرام کرو اور افضل طریقہ اکرام کا عطر ہے اس میں تکلف بوجھ نہیں۔ (مجمع الفوائد، ج:۵، ص:۱۶۱)

عورتوں کو خوشبو لگا کر باہر نکلنا منع ہے۔ مردوں کو زعفران لگانا منع ہے۔ غسل حیض میں خوشبو کا استعمال سنت ہے۔ (نسائی، ص:۴۱۰، مشکوٰۃ، ص:۳۸، ترغیب، ص:۳۴)

مختلف مواقع پر عطر کا استعمال

ملا علی قاری نے شرح شمائل ترمذی میں لکھا ہے کہ ان موقعوں میں عطر کا اہتمام سنت ہے۔

جمعہ و عیدین کے دن، ذکر اور تعلیم و تلاوت کے وقت۔ اجتماعات اور محفل کے اوقات میں۔ احرام کے وقت۔ زوجین کے باہمی ملاقات کے وقت۔

(ترغیب، ج:۱، ص:۴۹۸، ابن ماجہ:۱۰۹۸، مجمع الزوائد، ج:۵، ص:۱۶۰، الفوائد، ج:۵، ص:۱۶۱)

☆☆☆

زندگی کے حقائق کو سمجھنے کی توفیق

علامہ اقبال نے کسی موقع پر اپنے مخاطب کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا ''Face Facts Like A Man'' ہماری سمجھ میں آتا ہے کہ یہاں A Man سے مراد A Perfect Man ہے۔ یوں تو زندگی کے عمومی حقائق کو سبھی سمجھ لیتے ہیں لیکن ان کو مثبت انداز میں سمجھ کر اپنے خالق و مالک کے ساتھ اپنا معاملہ درست کرلینا اور اپنی آخرت وعاقبت کو بنالینا سنوار لینا حقیقی سوجھ بوجھ اور سمجھ داری رکھنے والے اہل سعادت صاحب نصیب آدمی ہی کا کام ہے۔ یہاں مذکورہ بالا قول کی روشنی میں اقبال یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگر تم دنیا میں مشکلات پر غالب ہونا چاہتے ہو تو حقائق کا مردانہ وار مقابلہ کرو۔ اس سے اعراض نہیں کرو اور نہ حقائق سے آنکھیں موندلو (اس لئے کہ بہرصورت آنکھیں بند کرلینے سے آندھی رُکا نہیں کرتی، جو لوگ حقائق سے منہ چراتے ہیں انہیں حقائق کا سامنا کرنا ہی پڑتا ہے) اپنے قول کی تشریح کرتے ہوئے علامہ فرماتے ہیں: مسلمان ایسے بزدل ہوگئے ہیں کہ اب حقائق کا مقابلہ نہیں کرسکتے اور اس سے اس طرح بھاگتے ہیں جیسے قصائی سے جانور، حالاں کہ حقائق کی اہمیت کا مردانہ وار اعتراف کرنا ہوگا اور ان

کے وجود کو تسلیم کرنا ہوگا۔ علامہ اقبال اپنی پوری زندگی اس کوشش میں مصروف رہے کہ قوم حقائق حیات سے آگاہی حاصل کرے یعنی نہ صرف یہ کہ ان اٹل صداقتوں کا علم حاصل کرے جن پر بنی آدم کی حیات موقوف ہے بلکہ اس آگاہی کے بعد ان صداقتوں کو ہمیشہ اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں مدنظر رکھے۔ علامہ نے ۱۹۳۲ء میں ایک صحبت میں اپنے مخاطب سے ارشاد فرمایا تھا کہ: مسلمان قوم ایک عرصہ دراز سے حقائق حیات سے بیگانہ ہوچکی ہے اور اب تو فرار کی یہ کیفیت ہے کہ قوم ہر حقیقت اور ہر صداقت سے روگرداں ہے۔ جس طرح شتر مرغ شکاری کو دیکھ کر اپنا سر ریت میں چھپا لیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں اس کی نگاہوں سے محفوظ ہوگیا۔ اسی طرح مسلمان، مصائب کا مقابلہ کرنے کے بجائے خانقاہوں اور درگاہوں اور حجروں میں اپنا سر چھپاتے پھرتے ہیں۔ (یہ علامہ کے درد کے چھپنے کی جگہیں تھیں، آج کے دور میں قوم نے اس سے کہیں بہتر جگہیں اپنے سر چھپانے کے لئے تلاش کرلی ہیں) لیکن یہ کوشش بے فائدہ ہے۔ مصائب حیات صرف مقابلہ کرنے سے دور ہوسکتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ قوم پر تن آسانی (سہولت پسندی) مسلط ہوچکی ہے، وہ جدوجہد سے نفور (انکار کرنے والا نفرت کرنے والا) ہے اسی لئے زندگی سے دور ہے۔ جس طرح ایک فضول خرچ اور عیاش مقروض مستقبل کے تصور سے گھبرا کر شراب اور موسیقی کے دامن میں پناہ لیتا ہے۔ اسی طرح میری قوم مختلف نئے اور پرانے حیلے وسیلوں سے سکون اور عاقبت تلاش کرتی ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ زندگی کے بنیادی حقائق، ہیں کیا؟ یہاں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں: ۱- انسان کو اسی بات کا پھل ملے گا جس بات کے لئے وہ کوشش کرتا ہے۔ یہ حقیقت قرآنی آیت لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (انسان کے لئے وہی کچھ ہے جس کے لئے وہ کوشش کرتا ہے)

۲- زید کو دوا پلانے سے بکر کا مرض دور نہیں ہوسکتا۔ گویا ہر شخص کو اپنی ذاتی بیماری کے علاج کی فکر ہونی چاہئے۔ اور اس فکر کے تحت کسی طبیب حاذق کی تلاش کرنی چاہئے۔

۳- اس دنیا میں تنازع للبقاء (Struggle for Existence जीने के लिए संघर्ष) اور بقائے اصلح (Survival of the filtest अति सक्षम व्यक्ति के जीने की सम्भावना) کے قوانین کارفرما ہیں۔

۴- اللہ تبارک وتعالیٰ کی سنتوں میں کبھی تبدیلی نہیں ہوتی مثلاً اللہ تعالیٰ نے یہ قانون بنادیا ہے کہ جو کے بیج سے گیہوں کا پودا نہیں اگ سکتا۔ (بقول مولانا روم از مکانات عمل غافل مشو+ گندم از گندم بروید جوز جو) اپنے حرکات عمل کے نتائج سے بے پرواہ مت رہو اس لئے کہ قدرت کا واضح قانون ہے کہ گیہوں کے بیج سے گیہوں اور جو کے بیج سے جو ہی پیدا ہوتا ہے۔

۵- جب تک کوئی فرد یا قوم اپنی حالت کو بدلنے کے لئے جدوجہد نہ کرے اللہ تعالیٰ بھی اس کی حالت کو نہیں بدلتا (یہ حقیقت قرآنی آیت سے بھی ثابت ہے، بقول مولانا حالیؔ ۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

۶- کوئی شخص کسی دوسرے شخص کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا یعنی اللہ تعالیٰ کے حضور میں ہر شخص اپنے ذاتی اعمال کیلئے جواب دہ ہے دوسرے کے اعمال کیلئے نہیں۔

۷- جیسی کرنی ویسی بھرنی جس کو Tit for Tal بھی کہہ سکتے ہیں یا نیوٹن کے Thrid Law of Motion کے مطابق To Every Action

There is an Equal Opposite Reaction یعنی ہر عمل کے مساوی اور برعکس ردعمل ہوتا ہے۔

۸- محنت کے بغیر راحت حاصل نہیں ہوسکتی۔

۹- جدوجہد سے حکومت ملتی ہے حکومت سے دولت حاصل ہوتی ہے دولت سے عیش وعشرت کا دروازہ کھلتا ہے عیش وعشرت کا نتیجہ تن آسانی ہے، تن آسانی کا نتیجہ محکومی اور غلامی ہے۔

۱۰- جاہل آدمی اور حیوان (گھوڑا، گدھا، گائے، بیل، بکری وغیرہ) میں مقصد حیات کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے یعنی جس طرح گھوڑے کی زندگی کا کوئی مقصد نہیں سوائے اس کے کہ وہ دوسروں کی گاڑی کھینچے اسی طرح جاہل فرد یا قوم کی زندگی کا بھی کوئی مقصد نہیں سوائے اس کے کہ وہ دیگر اقوام کی غلامی کرے اور ان کی آسائش کے سامان مہیا کرتا رہے۔

مستفاد از شرح بال جبریل مولفہ پروفیسر یوسف سلیم چشتی

☆☆☆

سورۃ البقرہ کی دو آیتوں کی فضیلت

● صحیح مسلم میں روایت ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ کو معراج کرائی گئی اور آپ ﷺ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے، جو چیز آسمان کی طرف جاتی ہے، وہ یہیں تک پہنچتی ہے، پھر یہاں سے لے لی جاتی ہے۔ وہاں حضور اکرم ﷺ کو تین چیزیں عطا کی گئیں۔ (۱) پانچ وقت کی نمازیں۔ (۲) سورۃ البقرہ کی آخری آیتیں۔ (۳) شرک سے بچنے والوں کے تمام گناہوں کی بخشش۔

● مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، مجھے سورۃ البقرہ کی آخری آیتیں عرش کے نیچے محفوظ خزانے سے دی گئی ہیں۔ مجھ سے پہلے کسی نبی کو یہ نہیں دی گئیں۔

● صحابہ کرام رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی موجود تھے کہ اچانک ایک دہشت ناک دھماکے کی آواز آسمان سے آئی۔ حضرت جبرئیل امین علیہ السلام نے اوپر آنکھیں اٹھائیں اور فرمایا کہ یہ آسمان کا دروازہ کھلا ہے جو آج تک کبھی نہیں کھلا۔ اس سے ایک فرشتہ اترا، اس نے آنحضرت ﷺ سے کہا، آپؐ خوش ہو جایئے، آپ ﷺ کو وہ دو نور دیئے جاتے ہیں۔ جو

آپؐ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے۔ سورۃ الفاتحہ اور سورۃ البقرہ کی آخری آیتیں، ان میں سے ایک ایک حرف پر آپ کو نور عطا کیا جائے گا۔ (مسلم شریف)

ہر حرف پر ثواب دیا جائے گا، یا آپؐ کی دعا قبول کی جائے گی۔ (صحیح مسلم)

● جو شخص ان دونوں (سورتوں کی) آیتوں کو رات کو پڑھ لے اسے یہ دونوں کافی ہیں۔ (بخاری شریف)

● مسند احمد میں ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”سورۃ البقرہ کی ان دونوں آیتوں کو پڑھتے رہا کرو، مجھے یہ عرش کے نیچے کے خزانے سے دی گئی ہیں۔

● حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ، میں نہیں سمجھتا کہ اسلام کے ماننے والوں میں سے کوئی شخص آیۃ الکرسی اور سورۃ البقرہ کی آخری آیتیں پڑھے بغیر سو جائے۔ یہ وہ خزانہ ہے جو حضور اکرمؐ کو عرش تلے کے خزانے سے دیا گیا ہے۔

● اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کی تخلیق سے دو ہزار برس پہلے ایک کتاب لکھی۔ اس میں سے دو آیتیں اتار کر سورۃ البقرہ ختم کی۔ جس گھر میں یہ تین راتوں تک پڑھی جائیں، اس گھر کے قریب بھی شیطان نہیں جا سکتا۔ (ترمذی شریف)

● جب حضور اکرم ﷺ سورۃ البقرہ کی آخری آیات اور آیۃ الکرسی کی تلاوت فرماتے تو ہنس دیتے اور فرماتے کہ یہ دونوں رحمٰن کے عرش تلے کا خزانہ ہیں۔ ● حضور اکرم ﷺ نے فرمایا، مجھے سورۃ الفاتحہ اور سورۃ البقرہ کی آخری آیتیں عرش کے نیچے سے دی گئی ہیں۔

☆☆☆

جن کیلئے موت ہے زندگی!

ایک عورت نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آرام گاہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کھول دیا جائے تا کہ میں زیارت کرسکوں۔ جناب عائشہ رضی اللہ عنہا نے حجرہ مبارک کو کھول دیا۔ وہ عورت حجرہ شریفہ میں داخل ہوئی اور رونے لگی۔ یاں تک کہ روتے روتے اس نے وہیں جان دے دی۔ (کتاب الشفاء، حصہ دوم، ص: ٦٣)

عبداللہ بن محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک عابدہ عورت کو دیکھا کہ رو رو کر کہہ رہی تھی اور آنسو چہرے پر بہا رہی تھی کہ بخدا میں خدائے تعالیٰ کے شوق میں اور اس کی ملاقات کے اشتیاق میں زندگی سے تنگ آ گئی ہوں۔ یہاں تک کہ اگر موت بکتی ہوتی تو میں اس کو خرید لیتی۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے اس سے پوچھا کہ تجھ کو اپنے عمل پر اطمینان ہے اس نے کہا اطمینان تو نہیں مگر میں اس سے محبت رکھتی ہوں اور اس پر مجھ کو حسن ظن ہے تو کیا تم کو یہ خیال ہے کہ باوجود محبت کے وہ مجھ کو عذاب دے گا۔ (احیاء العلوم جلد ٤، ص: ٥١٠ + رسالہ قشیریہ ٥٧٧)

جس مرد یا عورت کے سینے میں اللہ اور اس کے رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی آگ جل رہی ہے اور جس کا دل معرفت الٰہی کا آئینہ، انوار و تجلیات کی آماج گاہ، اس کی بے مثال چمک دمک اور جھلملاہٹ کی قندیل ہے وہی اس کی قدر و منزلت جانتا

ہے کہ اگر وہ آگ بجھ جائے یا وہ روشنی ماند پڑ جائے تو اس صاحب دل کی جان پر بن آئے ایک ایسا شخص جو اپنے سینے میں دل نہیں پتھر رکھتا ہے اور جو اس فن سے بالکل ہی نابلد، اس کی باریکیوں سے قطعی ناآشنا ہے، وہ کیا جانے کہ احساس محبت کیا ہے، دردِ محبت کی کیفیت کیا ہے۔ اور ان اعلیٰ مضامین کی سوجھ بوجھ اور معنی و مفہوم کیا ہیں۔

خلشِ غم میں بھی ہنس ہنس کے گزر کرتے ہیں
ان گنت پھول جو کانٹوں میں بسر کرتے ہیں

ملتے کہاں ہیں اب وہ پراگندہ طبع لوگ
افسوس تجھ کو میرؔ سے صحبت نہیں رہی

شیخ سعدی کو آسمانی تحفہ

برگِ درختان سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

ہرے بھرے درختوں کے پتوں میں سے
ہر ایک پتہ خالق کائنات کی معرفت کا ایک دفتر ہے

(شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ)

(نفحات الانس میں لکھا ہے کہ ایک معاصر بزرگ شیخ سعدی کی عظمت کے منکر تھے۔ ایک رات انہوں نے خواب میں دیکھا کہ آسمان کے دروازے کھل گئے ہیں اور فرشتے نور کے طباق ہاتھوں میں لئے کھڑے ہیں۔ ان بزرگ نے پوچھا: یہ کیا ہے۔ فرشتوں نے جواب دیا۔ یہ سعدی شیرازی کے لئے تحفہ ہے کیونکہ اس نے ایک شعر کہا ہے جو حق تعالیٰ کے حضور میں قبول ہوا ہے اور وہ شعر مذکورہ بالا ہے۔ وہ بزرگ خواب سے بیدار ہوئے تو اسی وقت رات کو شیخ سعدی کے مکان پر خوشخبری دینے کیلئے گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ سعدی چراغ جلا کر یہی شعر گا رہے ہیں۔ (تزکیہ نفوس سہ ماہی منگروہ اعظم گڑھ)

☆☆☆

وساوس کیلئے حضور ﷺ کی دعا

حضرت معاویہ بن ابی طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دعا فرمایا کرتے تھے:
"اَللّٰھُمَّ اعْمِرْ قَلْبِی مِنْ وَسَاوِسِ ذِکْرِکَ واطْرُدْ عَنِّیْ وَسَاوِسَ الشَّیْطَانِ".
"اے اللہ! میرے دل کو اپنے ذکر کے خیالات سے معمور فرمادے اور مجھ سے وساوس شیطانی دور کردے"۔

وعن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال : قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "اِنَّ لِلشَّیْطَانِ لَمَّةٌ بِابْنِ آدَمَ، وَلِلْمَلَکِ لَمَّةٌ، فَاَمَّا لَمَّةُ الشَّیْطَانِ فَاِیْعَادٌ بِالشَّرِّ وَتَکْذِیْبٌ بِالْحَقِّ، وَاَمَّا لَمَّةُ الْمَلَکِ فَاِیْعَادٌ بِالْخَیْرِ وَتَصْدِیْقٌ بِالْحَقِّ فَمَنْ وَجَدَ ذٰلِکَ، فَلْیَعْلَمْ اَنَّهُ مِنَ اللّٰهِ، فَلْیَحْمَدِ اللّٰهَ، وَمَنْ وَجَدَ الْاُخْرٰی، فَلْیَتَعَوَّذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ". ثُمَّ قَرَءَ: (اَلشَّیْطَانُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ)

(رواہ الترمذی، وقال ، ھذا حدیث غریب)(مشکوٰۃ ص ۱۹)

"حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: بے شک کبھی شیطان انسان کے دل پر اترتا اور اس میں وسوسہ ڈالتا ہے اور کبھی فرشتہ اس کے دل

میں آتا ہے اور الہام کرتا ہے۔ شیطان کی آمد اور اس کے نزول کی علامت یہ ہے کہ وہ شر وفساد مثلاً کفر وشرک، ضلالت ومعصیت، گناہ اور گمراہی پر۔

وسواس کی بیماری

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لَا یَبُوْلَنَّ اَحَدُکُمْ فِیْ مُسْتَحَمِّهٖ فَاِنَّ عَامَّةَ الْوَسْوَاسِ مِنْهُ".
"تم غسل خانہ میں پیشاب ہرگز نہ کیا کرو عام طور پر وسواس کا مرض اسی سے پیدا ہوتا ہے۔ (خطیب بغدادی، ۱/۲۴۰، فتح الباری، ۸/۵۸۸)

فائدہ: حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ خود بھی فرماتے ہیں کہ غسل خانہ میں پیشاب کرنے سے وسواس پیدا ہوتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:
"اِنَّ الشَّیْطَانَ وَاضِعٌ خُرْطُوْمَه عَلٰی قَلْبِ ابْنِ آدَمَ فَاِنْ هُوَ ذَکَرَ اللّٰهَ تَعَالٰی اِنْغَمَسَ وَاِنْ نَسِیَ اللّٰهَ تَعَالٰی اِلْتَقَمَ قَلْبَهُ".
'شیطان انسان کے دل پر اپنی سونڈ رکھ چھوڑتا ہے اگر وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرے تو پیچھے ہٹ جاتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کو بھول جائے تو اس کے دل کو لقمہ بنالیتا ہے'۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہیں:
ایک صاحب کشف النصائح انسان نے بارگاہ خداوندی میں التجا کی کہ اسے یہ منظر دکھایا جائے کہ شیطان دل میں کیسے وسوسہ ڈالتا ہے؟ اس کی دعا قبول ہوئی۔ خواب میں اس نے دیکھا کہ ایک انسان کا جسم شفاف بلور کی مانند ہے۔ اور باہر سے اندر والے اعضاء بھی نظر آرہے ہیں اس نے دیکھا کہ شیطان ایک مکروہ مینڈک کی شکل میں اس کے کندھے پر بیٹھا ہوا ہے اور اپنی لمبوتری باریک تھوتھنی اس

کے دل میں داخل کی ہوئی ہے۔ جب وہ اللہ کو یاد کرتا ہے تو تھوتھنی ہٹا لیتا ہے اور جونہی وہ غافل ہوتا ہے تو وہ تھوتھنی دل میں چبھو دیتا ہے۔

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز میں خشوع یہ ہے کہ نماز پڑھنے والا شخص نہ جانے کہ اس کے داہنے طرف کون شخص ہے اور بائیں طرف کون ہے!

ایک مجلس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

میں بتاؤں کہ سب سے پہلے کیا چیز دنیا سے اٹھے گی؟ سب سے پہلے نماز کا خشوع اٹھ جائے گا تو دیکھے گا کہ بھری مسجد میں ایک شخص بھی خشوع سے نماز پڑھنے والا نہ ہوگا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راز دار کہتے ہیں وہ بھی فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے نماز کا خشوع اٹھایا جائے گا۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ بندے کی طرف برابر متوجہ رہتا ہے جب تک بندہ نماز میں ادھر اُدھر نظر کو متوجہ نہیں کرتا۔ جب بندہ ادھر اُدھر التفات کرتا ہے تو اللہ بھی اس کی طرف سے توجہ پھیر لیتا ہے۔

(رواہ احمد وابوداؤد، والنسائی، والدارمی)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے التفات فی الصلوٰۃ کے متعلق دریافت کیا، فرمایا: یہ ایک جھپٹا ہوتا ہے جو شیطان بندے کی نماز میں سے اچک لیتا ہے۔ (رواہ الشیخان فی الصحیحین)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ راوی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

لوگ نماز کے اندر اپنی نگاہ آسمان کی طرف کیوں اٹھاتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اس معاملہ میں اتنا سخت تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ لوگوں کو اس حرکت سے باز آ جانا چاہیے۔ ورنہ ان کی نگاہیں اچک لی جائیں گی۔ (رواہ البغوی)

مسلم اور نسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا: نماز میں دعاء کے وقت آسمان کی طرف نگاہ اٹھانے سے لوگوں کو باز آ جانا چاہئے۔

ایک عجیب وغریب واقعہ

''نماز برائیوں سے بچاتی ہے'' کے ضمن میں حضرت عبدالرحمٰن صفوری رحمۃ اللہ علیہ نے نزہۃ المجالس میں ایک عجیب وغریب حکایت نقل فرمائی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔

ایک شخص ایک عورت پر عاشق ہو گیا اور شب وروز اس کے فراق میں بیقرار رہنے لگا آخر کار ہمت کر کے اس نے ایک خط لکھا اور اپنے عشق کا اظہار کرتے ہوئے وصال (ملاپ)) کا طالب ہوا وہ خاتون نہایت ہی شریف خاندان سے تعلق رکھتی تھی، ''میک اپ'' کر کے ''تعلیم یافتہ جاہل'' اور بے حیا عورتوں کی طرح گلیوں اور بازاروں میں بے پردہ پھرنے والیوں میں سے نہ تھی نہ اس نے کبھی کسی غیر مرد کے ساتھ ہنس ہنس کر بے تکلفی کے ساتھ بات چیت کی تھی کیوں کہ اس کو معلوم تھا کہ کسی غیر مرد کے ساتھ بے تکلف ہونا، بلکہ اس کے سامنے بے پردہ آ جانا یہ سب حرام ہے اور اس قسم کی حرکت کوئی غیرت مند خاتون کر ہی نہیں سکتی بلکہ سوچ بھی نہیں سکتی۔

چنانچہ وہ اپنے زبردستی کے ''عاشق'' کا خط پا کر جھینپ گئی، چونکہ شادی شدہ بھی تھی اور اسے اپنے شوہر نامدار کے حقوق کی بھی خبر تھی کہ شوہر کی نافرمانی سے دنیا وآخرت میں تباہی اور بربادی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ لہٰذا کچھ سوچ سمجھ کر وہ چھٹی اپنے شوہر نامدار کی خدمت میں پیش کر دی۔

اس کا شوہر نہایت ہی پرہیزگار ہونے کے ساتھ ساتھ عقلمند بھی تھا۔ (احمقوں اور بے شرموں کی طرح کبھی اس نے اپنی بیگم صاحبہ کو فیشن کرا کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر بازاروں میں یا تفریح گاہوں میں لے جا کر اپنی عقل وآبرو کا نیلام نہیں کیا تھا نیز

بازاروں میں اپنی بیوی کے حسن وجمال کا مظاہرہ کرا کے بے شرموں اور بے حیاؤں کی فہرست میں اپنا نام کبھی نہیں لکھوایا تھا اس نے اپنی بیگم صاحبہ کو نماز اور سنتوں اور پردہ کی تربیت دیکر ''کامل مومنہ'' بنایا تھا، نادانوں کی طرح فیشن کی پتلی بنا کر اس کے ساتھ فحش اور الٹے سیدھے گانے سن کر ڈرامہ دیکھ کر اسے ''مومنہ'' سے ''میم صاحبہ'' نہیں بنادیا تھا) اسے اپنی زوجہ پر پورا اعتماد تھا دونوں ایک دوسرے سے بالکل خوش تھے اور ازدواجی زندگی نہایت ہی خوشگوار تھی حسن اتفاق سے وہ ایک مسجد میں امامت بھی کرتا تھا لہٰذا اس خط کے جواب میں اپنی زوجہ ہی کی معرفت اس نے یہ جواب دلوایا کہ: ''پہلے فلاں مسجد میں فلاں امام کے پیچھے متواتر چالیس روز پانچوں وقت باجماعت نماز ادا کرو، پھر آگے دیکھا جائے گا''۔

''مرتا کیا نہ کرتا'' بیچارہ عاشق جو ٹھہرا اس نے شرط منظور کرلی اور پابندی سے نماز باجماعت شروع کردی جوں جوں دن گزرتے گئے نماز کی برکتیں اس پر آشکارا ہوتی چلی گئیں جب چالیس دن گزر گئے تو اس کے دل کی دنیا ہی بدل چکی تھی چنانچہ یہ پیغام بھیج دیا:

''محترمہ! نماز کی برکت سے میری آنکھ کھل گئی ہے، میں معاذ اللہ حرام کاری کے خواب دیکھتا تھا لیکن اللہ عزوجل کے کروڑ ہا کروڑ شکر کہ اس نے مجھے تیری محبت سے چھٹکارا عطا کردیا ہے اور اب میرے دل میں اپنے رب کی محبت موجیں ماررہی ہے الحمد للہ میں نے تیری محبت اور اپنی بدنیتی سے توبہ کرلی ہے اور تجھ سے معافی کا طلب گار ہوں''۔

جب اس نیک خاتون نے اپنے شوہر کو یہ پیغام سنایا تو سنتوں کا درد رکھنے والا نیک مرد اپنے بگڑے ہوئے مسلمان بھائی کی اصلاح کی خوشخبری پاکر مسرت سے جھوم اٹھا اور اس کی زبان سے بے ساختہ یہ جاری ہوگیا:

(صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيمُ فِي قَوْلِهٖ: اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ) یعنی رب عظیم نے بالکل سچ فرمایا: ''بے شک نماز منع کرتی ہے فحاشی سے''۔ (نزہۃ المجالس)

حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا جماعت نہ ملنے پر رونا

ایک دن حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی عصر کی جماعت رہ گئی، کیونکہ معتقدین تو بڑا ہجوم کرتے ہیں، پھر ماشاءاللہ جمعہ کے دن تو کیا ہی کہنے! غالباً کسی دکان کا افتتاح تھا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو لے کر گئے۔ حضرت نے فرمایا بھائی جمعہ کی عصر کی جماعت اپنی مسجد میں پڑھتا ہوں، میری عصر کی نماز جماعت سے نہ رہ جائے۔ انہوں نے کہا نہیں جی! ہم پہنچائیں گے۔

لے جاتے وقت تو لوگ بہت مستعد ہوتے ہیں اپنے کام کا خیال ہوتا ہے، دوسرے کا خیال نہیں ہوتا، حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ جب واپس پہنچے تو نماز ہو چکی تھی، اس پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ بڑا روئے۔ اس دن میں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو خوب روتے ہوئے دیکھا۔ بہت روئے، اور فرمانے لگے کہ ہمارے پاس اصل تو ہے نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل ہے، نماز تو ہمیں پڑھنی آتی نہیں بس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل کرلیتے ہیں، یہ نقل بھی ہمارے پاس نہ رہے تو پھر ہمارے پاس کیا رہا؟ اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائے ہمیں اس چیز کی قدر نہیں۔ (اصلاحی مواعظ، یوسف)

جماعت کے فوت ہونے پر افسوس

کہتے ہیں کہ حاتم کی ایک دفعہ جماعت فوت ہوگئی بعض احباب تعزیت کرنے لگے تو رو کر کہا کہ اگر میرا ایک بیٹا فوت ہوجاتا تو آدھا بلخ میری تعزیت کو آتا اور آج جب کہ میری جماعت فوت ہوگئی احباب میں سے چند ایک نے ہی تعزیت

کی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ اگر بیٹے فوت ہوجاتے تو مجھے اتنا صدمہ نہ ہوتا جو کہ ایک جماعت کے فوت ہونے سے ہوا ہے۔ (تنبیہ الغافلین)

''نماز کا دنیا میں وہ مقام ہے جو آخرت میں دیدارِ الٰہی کا ہے''۔

اب آپ خود ہی سمجھ لیجئے کہ اپنی نمازوں کو بہتر بنانے اور ترقی دینے کی ہمیں کتنی فکر اور کوشش کرنی چاہئے۔ (دین شریعت)

ایک نمازی کا فرمان ہے: ''نماز آخرت کی چیز ہے، جب میں نماز میں داخل ہوتا ہوں تو دنیا سے نکل جاتا ہوں''۔

ایک بزرگ سے پوچھا گیا: ''کیا نماز میں آپ کو کوئی چیز یاد آتی ہے؟''۔

فرمایا الحمدللہ نماز کی حالت میں دنیا مافیہا سے قطعاً تعلق نہیں رہتا۔ اللہ اکبر

☆☆☆

حضرت عین القضاۃ ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کی

ایک مؤثر دعاء

''میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس علم (معرفت وحقیقت) سے آشنا فرمائے جو آپ کے لائق اور مناسب ہے اور اس سے کسب فیض کی توفیق عنایت کرے۔ آپ پر اپنے اوامر شریعت کے رازہائے پنہاں (پوشیدہ رازوں) کو آشکارا فرمائے، شریعت کے نواہی (جن باتوں سے بچنے کا حکم ہے) سے گریز وپرہیز کرنے میں آپ کی بھرپور مدد ونصرت فرمائے۔ اپنے خاص فضل وکرم سے آپ کی گزر وبسر کا انتظام وانصرام کرے، امتحان آزمائش مصیبت اور پریشانی کے پرفتن حالات سے آپ کو محفوظ رکھے۔

خواہش نفس اور ہوا وہوس سے نجات دے، رحمت ایزدی آپ کے قلب اور آپ کے پیکر کی طرف مکمل اور اکمل طریقہ پر متوجہ رہے، آپ کو سلامتی کے ساتھ پوری دنیا میں مشہور ومعروف فرمائے۔ عزت وتکریم کے اختصاص (خصوصیت) سے مالا مال فرمائے۔ آپ کی حفاظت ورہنمائی کا وہ بذات خود ذمہ دار کفیل ہوجائے اور وہ کسی حال میں بھی آپ کی حفاظت ونگہبانی اور آپ کی طرف اپنی رحمت

وعنایت سے دستبردار نہ ہو۔ بے شک وہی ذات سب سے بڑا محافظ اور مددگار ہے اور اس کو اس بات پر پوری قدرت حاصل ہے''۔

(ماخوذ از رسالۂ عینیہ یا تازیانۂ سلوک صفحہ ۲۰ مکتوب حضرت امام احمد غزالیؒ بنام حضرت عین القضاۃ ہمدانیؒ)

اللہ کی بندوں سے منہ پھیرنے کی علامت؟

معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندہ سے اعراض اور منہ پھیرنے کی علامت یقیناً یہی ہے کہ بندہ لایعنی چیزوں میں مشغول ہو جائے۔ چنانچہ ہر وہ شخص جس کی عمر کی ایک گھڑی بھی اللہ تعالیٰ کے مقصد تخلیق کے علاوہ میں استعمال ہوتی ہو وہ شخص اس لائق ہے کہ اس کی امیدیں آرزوئیں اور حسرتیں لمبی ہوں اور مزید یہ کہ اسے طویل افسوس ہو۔ اور جس شخص کی عمر اس حال میں چالیس سال سے زیادہ ہو گئی کہ اس کے شر اور برائی پر اس کے خیر اور اچھائی کا تسلط نہیں ہوا تو اس کو جہنم کی تیاری کر لینی چاہئے اور جس شخص کی عمر اللہ تعالیٰ نے ساٹھ سال کر دی ہو تو (اس کی کیا بات کی جائے) وہ عمر طبعی کی آخری حد میں پہنچ چکا ہے۔

چونکہ آپ جو منتخب روزگار ہیں اللہ تعالیٰ طاعت و فرماں برداری کے ذریعہ آپ کی مدد فرمائے، آپ کا سینہ تائید ربانی کیلئے کشادہ ہے۔ آپ پند و نصیحت سننے والے، ہمت عالیہ کی کشش کو دل سے قبول کرنے والے اور جان سے اخذ کرنے والے ہیں اور یہ جو کچھ ہے سب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے '' **ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ** '' (سورہ مائدہ: ۵۴) اسی لئے یہ راز کی باتیں آپ پر منکشف کی جارہی ہیں اور اس راز نامہ کے اسرار آپ پر کھولے جارہے ہیں۔

سنئے! حق بولنے والوں کا لقمۂ سخن ہوا پرستوں کے حلق میں کڑوا معلوم ہوتا ہے۔ جن کاموں سے منع کیا جاتا ہے وہ ان کی طبیعت کو محبوب ہوتا ہے، جن باتوں

سے روکا جاتا ہے انہیں باتوں کی طرف حرص کا غلبہ ہوتا ہے اور جو چیزیں مکروہ ہیں وہی ان کو پسند آتی ہیں، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''**لَوۡ مُنِعَ النَّاسُ عَنۡ فَتِّ الۡبُعۡرَۃِ لَفَتُّوۡھَا**''. ''اگر لوگوں کو اونٹ کی مینگنی توڑنے سے منع کیا جاتا تو لوگ اسے بھی ضرور توڑتے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی فرمایا: ''**مَا نُھِیۡنَا اِلَّا فِیۡہِ شَیۡئٌ**'' (ہم لوگوں کے لئے جو چیز بھی ممنوع ہے اس میں کوئی نہ کوئی حکمت اور راز ہے)۔

حق بولنے والوں کی محبت ایسی کلی ہے جو ہر درخت پر نہیں کھلتی اور ایسا نور ہے جو نفحات قدم پر اعتراض اور روک لگانے والوں کے چراغ دین میں روشن نہیں ہوتا۔ (ماخوذ کتاب ایضاً صفحات ۲۰-۲۱)

☆☆☆

درود شریف دعا کی قبولیت کا ذریعہ ہے

قرآن کریم کی سورۃ الاحزاب : ۵۶ میں حضور نبی کریم ﷺ پر درود وسلام بھیجنے کا حکم دیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری عبادت کہلاتی ہے۔ درود شریف کی کثرت سے متعدد دینی اور دنیاوی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ اس سے ایمان، علم اور تقویٰ میں اضافہ ہوتا ہے۔ رشد وہدایت کو راہ ملتی ہے، ایمان واحسان کی راہوں میں ترقی ہوتی ہے اور درود شریف پڑھنے والا اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت کا حق دار بنتا ہے۔

سورۃ الاحزاب: ۴۳ میں ارشاد ہوتا ہے کہ ''وہ ایسا ہے کہ اللہ اور اس کے فرشتے تم پر رحمت بھیجتے رہتے ہیں، تا کہ حق تعالیٰ تم کو تاریکیوں سے نور کی طرف لے آئے''۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے درود بھیجنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ حضور ﷺ پر رحمتیں بھیجتا ہے، آپ ﷺ کے درجات کو بلند کرتا ہے اور آپ ﷺ کی شان کو بڑھاتا ہے۔ فرشتوں کی طرف سے صلوٰۃ کا مطلب یہ ہے کہ وہ سب نبی پاک ﷺ کی رفعت شان اور بلندیٔ درجات کے لئے بارگاہ الٰہی میں دعا کرتے ہیں۔

درود شریف کی کثرت سے نبی کریم ﷺ کے ساتھ دلی تعلق پیدا ہوتا ہے اور روحانی قرب حاصل ہوتا ہے۔ اسکے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہوتا ہے۔ درود پاک دنیا میں اعزاز واکرام اور درجات کی بلندی اور آخرت میں نبی کریم ﷺ کی خصوصی توجہ کا ذریعہ بھی ہے۔ جمعہ کے دن کثرت کے ساتھ حضور ﷺ پر درود بھیجا جائے۔ احادیث مبارکہ کے مطابق درود فرشتوں کے ذریعہ آپ ﷺ تک پہنچائے جاتے ہیں۔ طبرانی کی روایت کے حوالے سے نبی کریم ﷺ کا فرمان مبارک ہے جو شخص کسی کتاب میں لکھ کر مجھے درود بھیجے تو جب تک میرا نام کتاب میں موجود رہے گا، اس کے حق میں فرشتے دعائیں کرتے رہیں گے''۔

نبی کریم ﷺ کا فرمان مبارک ہے: ''جو شخص صدق دل سے روزانہ ایک ہزار مرتبہ درود شریف پڑھے گا، جب تک وہ جنت میں اپنا مقام نہ دیکھ لے گا اسے موت نہیں آئے گی''۔

ترمذی میں حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے حوالے سے آیا ہے : ''دعا زمین اور آسمان کے درمیان رکی رہتی ہے اور جب تک نبی پاک ﷺ پر درود نہ بھیجا جائے اوپر نہیں جاتی۔'' صدق دل سے بکثرت درود شریف پڑھنے والے کو یقیناً خواب میں رسول کریم ﷺ کی زیارت نصیب ہوگی، انشاء اللہ

درود شریف خطاؤں سے معافی کا ذریعہ بھی ہے۔ احادیث میں خطاؤں سے معافی مانگنے کے مختلف طریقے بتائے گئے ہیں، ان میں سے ایک اہم ذریعہ اور وسیلہ نبی کریم ﷺ پر درود وسلام بھی ہے۔ اس کے ذریعے سے نہ صرف خطائیں معاف ہوتی ہیں بلکہ آخرت کی زندگی کے درجات بھی بلند ہوتے ہیں۔

نسائی او رمسند احمد میں حضرت انسؓ اور مسلم اور دارمی میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کے مطابق نبی کریم ﷺ کا فرمان مبارک ہے:

"جو بندہ مجھ پر خلوص دل کے ساتھ ایک مرتبہ درود بھیجے گا، اللہ اس پر دس مرتبہ صلوٰۃ بھیجے گا۔ اس کی دس خطائیں معاف کردی جائیں گی اور اس کے دس درجے بلند کردیئے جائیں گے۔"

مسند احمد کی ایک اور حدیث میں یہ بھی آیا ہے: "اس کے لئے دس نیکیاں بھی لکھ دی جاتی ہیں"۔

درود شریف سے غفلت محرومی اور خسارے سے دوچار کرتی ہے۔ یہ بات خاص طور پر یاد رکھنے کی ہے کہ جس طرح نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنا باعث رحمت ہے، اسی طرح صلوٰۃ وسلام سے غفلت برتنا محرومی اور خسارے کا باعث ہے۔ نبی کریم ﷺ نے خود اس کی نشان دہی فرمائی ہے۔

ترمذی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایات کے حوالے سے فرامین نبویؐ ہیں:

● "ذلیل وخوار ہو وہ آدمی جس کے سامنے میرا ذکر آئے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے"۔ ● "وہ شخص کامل بخیل ہے کہ اس کے سامنے میرا ذکر آئے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے"۔ ● "اگر کسی محفل میں نہ تو اللہ کا ذکر کیا جائے اور نہ ہی اس کے رسول ﷺ پر درود بھیجا جائے اور نہ ہی اس کے رسول ﷺ پر درود بھیجا جائے تو روز قیامت یہ اس کے لئے حسرت اور خسارے کا باعث ہوگا"۔

معلوم ہوا کہ درود نہ بھیجنے کی وجہ سے انسان اس رحمت اور برکت سے محروم رہتا ہے جو درود وسلام بھیجنے کی وجہ سے اس کو حاصل ہوتیں۔

نماز میں درود شریف کو شامل کرنے کی بہت سی وجوہ ہیں، جو ذیل میں بیان کی جاتی ہیں:

درود پیغمبروں کا حق ہے، یعنی اللہ تعالیٰ سے ان کے حق میں مزید رحمت اور درجات کی بلندی کی دعا کی جائے۔ درود توحید باری کا اعلان ہے۔

سورۃ الاحزاب کی آیت ۵۶ کے حوالے سے انبیائے کرام علیہم السلام بھی رحمت اور سلامتی کے لئے اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں۔ درود پاک شرک کی نفی ہے۔ اس کی وجہ سے شرک کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ کیوں کہ شرک کا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ خیر اور رحمت میں اللہ کے ساتھ دوسرے کو بھی شامل رکھا جائے۔

درود نبیوں کے لئے دعا ہے۔ اس کی سب سے اہم حکمت یہ ہے کہ درود وسلام کے اس حکم نے ہم سب کو نبیوں کا دعا گو بنا دیا ہے۔ یعنی جو شخص نبیوں اور رسولوں کے حق میں دعا کررہا ہو، وہ کسی بھی دوسری مخلوق کے آگے سر نہیں جھکا سکتا۔ درود شریف قبولیت دعا کا وسیلہ ہے۔ دعا مانگنے سے پہلے اور دعا مانگنے کے بعد نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنا ضروری ہے، کیوں کہ درود شریف یقیناً اللہ کی بارگاہ میں قبول ہوتی ہے۔

آداب درود شریف

دعا کرنے کے جملہ آداب کے ساتھ درود شریف پڑھتے وقت مندرجہ ذیل باتوں کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے:

نبی کریم ﷺ کا اسم مبارک سن کر آپ ﷺ پر درود بھیجنا واجب ہے۔ جمعہ کے خطبے میں جب بھی آپ کا نام آئے تو دل میں صلی اللہ علیہ وسلم ضرور کہا جائے۔

بے وضو درود شریف پڑھنا جائز ہے، مگر بہتر یہی ہے کہ باوضو ہوں۔ قرآن کے حوالے سے "اپنی آواز کو نبی کی آواز سے بلند مت کرو"۔ اسی لئے درود شریف کو نرمی وآہستگی کے ساتھ پست آواز میں پڑھنا ضروری ہے۔ چیخ کر پڑھنا مناسب نہیں ہے۔ نماز میں آخری تشہد کے علاوہ (آخری رکعت میں التحیات کے بعد) دوسرے ارکان میں درود شریف پڑھنا مکروہ ہے۔

اگر ایک مجلس میں کئی بار حضورؐ کا اسم مبارک لیا جائے تو صرف ایک مرتبہ درود پڑھنا واجب ہے، اس کے بعد مستحب ہے۔

احادیث میں بہت سے درودوں کا ذکر ملتا ہے۔ ان میں افضل ترین درود، درود ابراہیمی ہے جو نماز میں پڑھی جاتی ہے۔ اگر درود کو اسی ادب اور احترام کے ساتھ ادا کیا گیا جیسا کہ اس کا حق یہ ہے تو اس کے فائدے ملیں گے ورنہ نہیں۔ صحیح طریقہ ہے کہ آپ ﷺ کی رسالت پر مکمل یقین وایمان کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کی عزت وتعظیم کی جائے اور یہ عزت واحترام قرآن میں دی گئی ہدایت کے مطابق ہو۔ یعنی آپ ﷺ کی مکمل اطاعت کی جائے، آپ ﷺ سے غیر مشروط محبت کی جائے اور آپ کی صحیح معنی میں اتباع کی جائے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو درود شریف کے جملہ فضائل وبرکات عطا فرمائے۔ آمین!

☆☆☆

قلب کی موت نفس کی خواہشات سے

لفظِ قلب کا بنیادی معنی الٹنا، پلٹنا، اور لوٹ پوٹ کرنا ہے اسے انسان کا دل بھی کہا جاتا ہے۔ عربی میں عقل کو بھی قلب کہا گیا ہے مثلاً اہل جہنم کے متعلق اللہ کا ارشاد ہے:

"لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا". (سورۃ الاحزاب)

وہ قلب تو رکھتے ہیں مگر سوچنے سمجھنے کا کام نہیں لیتے۔

اسی طرح ایک دوسرے مقام پر اللہ کا فرمان ہے:

"فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ". (سورۃ المنافقون)

ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی ہے کہ وہ نہیں سمجھتے۔ سورہ محمد میں ایک جگہ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا آیا ہے یعنی کیا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہیں؟ سورہ بقرہ میں خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ کہا گیا ہے یعنی مہر لگا دی اللہ نے ان کے دلوں پر

قرآن میں ایک جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد یوں ہے:

"اِنَّ فِیْ ذَالِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَهٗ قَلْبٌ".

اس میں صاحب عقل اور اہل دل کے لئے نصیحت ہے۔

مذکورہ بالا آیات میں سمجھ بوجھ اور حسن استماع سے انکار کیا گیا ہے نیز ان آیات کے مطالعہ سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ قلب محض گردش خون کا مرکز نہیں ہے بلکہ عقل و معرفت پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ بالفاظ دگر قلب حیات ظاہری کو بھی برقرار رکھتا ہے اور حیات باطنی کو بھی۔ وہ گردش خون کا سرچشمہ بھی ہے اور فہم و ادراک کا ماورائی ذریعہ بھی۔ اس تناظر اور پس منظر میں ہی قلب سے متعلق اکابر صوفیہ اور اولیائے کاملین کے اقوال تصوف کی مستند اور قدیم کتابوں میں جا بجا ملتے ہیں مثلاً حسین بن منصور رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جس کو قلب حاصل ہے یا دولت حسن استماع حاصل ہے اس کو مبصرون کی بصارت، عارفوں کی معرفت، علمائے ربانی کا نور اور گذشتہ جنتیوں کے نیک طریقے، ازل اور ابد اور ان دونوں کے درمیان جو کچھ ہے وہ سب کچھ حاصل ہے یعنی اس کائناتِ حادث سے وہ سب کچھ اس شخص کے لئے ہے جس کو قلب حاصل ہو یا وہ حسن استماع پر عمل پیرا ہو''۔ (عوارف المعارف از شیخ شہاب الدین سہروردی، اردو ص:۱۶۱)

ابن عطا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''ایک قلب وہ ہے جس نے ملاحظہ حق، چشم تعظیم سے کیا پھر اس کیلئے سراپا گداز ہو گیا اور ماسوا اللہ سے قطع تعلق کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف جھک گیا''۔ (ایضاً ص:۱۶۰)

اسی سلسلے میں محمد ابن علی باقر رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد یوں ہے:

''قلب کی موت نفس کی خواہشات سے ہے یعنی نفس جب خواہشات میں مبتلا ہو اس کی موت واقع ہو گئی پس جس نے جس قدر شہوات کو ترک کیا، اتنی ہی اس کے قلب کو حیات میسر آئی''۔ (ایضاً ص:۱۶۱)

ابن ہشام جو عربی زبان کا ایک بزرگ ترین شاعر گذرا ہے اس نے قلب کے مفہوم کا تجزیہ کرتے ہوئے اس کے چار اہم عناصر کی یوں نشاندہی کی ہے:

''پہلا دل، دوسرا عقل، تیسرا کسی چیز کا خلاصہ، چوتھا کسی چیز کا بہترین اور عمدہ حصہ''۔ (لغات القرآن جلد سوم از غلام احمد پروفیسر، ص:۱۳۸۱)

ابن ہشام کے علاوہ ابن فارس نے بھی لفظ قلب کے دو بنیادی معنوں کو یوں بیان کیا ہے: ''کسی چیز کا خالص اور گراں قدر حصہ اور دوسرا کسی چیز کو ایک رخ سے دوسرے رخ پر پھیرنا''۔ (ایضاً، ص:۱۳۸۱)

قلب کی بوقلمونی اور اس کے مقام خاص کا ثبوت احادیث سے بھی ملتا ہے مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کے ساتھ بھلائی چاہتا ہے تو اس کے دل میں ایک واعظ مقرر کر دیتا ہے''۔

ایک دوسری جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''جس شخص کے دل میں واعظ ہوتا ہے اللہ کی جانب سے اس پر محافظ مقرر رہوتا ہے''۔ ایک جگہ آپ کا ارشاد ہے کہ مومن کا دل مجرد ہے جس میں چراغ چمکتا ہے۔

ایک موقع پر صحابہ کرام نے شرح صدر کے متعلق سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ ایک نور ہے جس کو اللہ تعالیٰ سینہ میں ڈالتا ہے۔

(تہذیب کی جدید تشکیل، از مولانا محمد تقی امینی، ص:۱۱۴)

انہی متذکرہ بالا احادیث کی روشنی میں اکابر صوفیہ، ائمہ اور بزرگان دین نے اپنے اپنے طور پر قلب کی تعریف و توصیف بیان کی ہے۔ مثلاً امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''علم کثرت روایات کا نام نہیں بلکہ وہ ایک نور ہے جس کو اللہ تعالیٰ بندہ کے دل میں ڈالتا ہے''۔ (ایضاً، ص:۱۱۴)

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اس نور کو ''مفتاح'' سے تعبیر کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''یہ نور اکثر معارف کی کنجی ہے''۔ (ایضاً، ص:۱۱۴)

مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:

"معلوم ہوتا ہے کہ صاحب احوال نے قلب کی لاتعداد مقامات میں سے ابھی ایک چوتھائی بھی طے نہیں کئے ہیں۔ انکا طے کرنا ضروری ہے تاکہ عالم روحانیت کے مقام اول کے مشاہدات کی تکمیل ہوجائے۔" (مکتوبات مجدد، دفتر اول، مکتوب نمبر:۱۵۳)

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور ومعروف تصنیف احیاء علوم الدین جلد۳ بیان معنی النفس میں ایک جگہ قلب کو ایک لطیف روحانی وباطنی قوت سے تعبیر کیا ہے۔

(تہذیب جدید کی تشکیل، ص:۱۱۲)

اس سلسلے میں ابن تیمیہ کا کہنا ہے: "قلب سے مراد (گوشت پوست سے جدا) اس کی روح کی وہ حقیقت ہے جو اللہ کی معرفت کا محل ہے"۔ (ایضاً، ص:۱۱۲)

مذکورہ بالا احادیث، صوفیہ، ائمہ وعلماء کے اقوال وارشادات کی روشنی میں یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ قلب ہی معرفت ومحبت، فہم وادراک، علم وآگہی اور بصیرت وبصارت کی حقیقی مسکن ومرکز ہے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ ہر قلب اس کا متحمل نہیں ہوسکتا کیوں کہ اس میں بندہ کے کسب کے ساتھ ہی فضل الٰہی بھی ناگزیر ہے جیسا کہ قرآن کا ارشاد ہے:

"وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ". (الحجرات:۷)

یعنی اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے تمہیں ایمان کی محبت دی اور اس نے تمہارے دلوں کو اس سے مزین فرمایا۔ اس سلسلے میں بندہ کسب سے متعلق بھی قرآن پاک سے واضح ثبوت ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا"، یعنی جن لوگوں نے ہمارے متعلق کوشش کی ہم ضروران کے لئے اپنی راہیں کھول دیں گے۔ بہرحال مقام قلب اور حسن استماع کیلئے تزکیہ نفس اور تصفیۂ باطن لازمی ہے۔ بندہ جب اپنے قلب کو تمام آلائشوں (مثلاً حسد، کبر، نخوت، کینہ اور بغض) سے پاک وصاف کرکے اوصاف حمیدہ سے متصف ہوتا اور راہ شریعت

اختیار کرتا ہے اس کے بعد ہی اسے معرفت نفس حاصل ہوتا ہے اور معرفت الٰہی بھی۔ روحانی اور وجدانی قوتوں سے بھی مالا مال ہوتا ہے اور قوتِ توحید سے بھی۔ اس کی حیثیت ایک سچے عاشق رسول کی بھی ہوتی ہے اور موحد کی بھی۔ یہی وجہ ہے کہ کتاب تصوف کا سب سے اہم اور گراں قدر باب تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب کو قرار دیا گیا ہے اور قرآن میں جابجا اس سلسلے میں آیات بکھری ہوئی ہیں۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا. مراد کو پہنچا جس نے اپنے نفس کو پاکیزہ بنایا۔ اسی طرح اللہ کے رسول کا ارشاد ہے:

مُجَاهَدَةُ النَّفْسِ جِهَادُ اَكْبَرُ. "نفس سے مجاہدہ جہاد اکبر ہے"۔

اس طرح ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ معرفتِ الٰہی کا تصوف سے گہرا تعلق ہے۔ اہل معرفت ہی حقیقی معنوں میں صوفی اور عارف ہوتا ہے۔ جو لوگ معرفت وتصوف کو الگ الگ تصور کرتے ہیں وہ اسلامی تصوف اور قرآنی آیات کی روح سے نابلد ہیں یا کما حقہ واقف نہیں ہیں۔ جس کی معرفت جس قدر بلند ہوتی ہے اسی قدر اس کو قلب اور حسن استماع بھی حاصل ہوتا ہے اور اسی اندازہ سے اس کا ایمان ویقین بھی مستحکم اور اس کا عشق نقطہ ارتکاز پر دکھائی دیتا ہے۔ گویا معرفت سے ہی عقل وقلب کو جلا حاصل ہوتی ہے اور دل مثل آئینہ بنتا ہے جس میں خدا کے جلوے نمایاں ہوتے ہیں اور بندۂ خاکی کو روحانی عروج حاصل ہوتا ہے جس کو دیکھ کر فرشتے حیرت واستعجاب کے سمندر میں غوطہ زن ہوجاتے ہیں۔ شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

"اے بھائی! جس نے تم کو فرشتوں سے سجدہ کرایا اور آسمان والے کو تمہارا دشمن بنادیا۔ اس نے ایک بہت بڑا کام تمہارے سپرد کیا۔ یقیناً اس گندی اور کثیف مٹی کے اندر کوئی پاک اور روشن مقصد چھپا ہوا ہے کہ فرشتوں کی عقلیں اور انسان کی سمجھ ان اسرار کے دریافت کرنے سے عاجز ہے۔ جب اس مقصد کی کرن (شعاع)

پھوٹنے لگتی ہے تو فرشتے حیران اور آسمان سرگرداں ہو جاتے ہیں۔ وہ تواضع اختیار کرتے اور اس پر ہیبت طاری ہو جاتی ہے''۔ (مکتوب صدی مترجم، مکتوب نمبر ۵۸، ص: ۳۸۳-۳۸۴)

اپنے ایک خط میں خواجہ سہیل تستری رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو شیخ شرف الدین منیری نے یوں نقل کیا ہے: ''حضرت آفریدگار و جل علا نے نقطۂ عبودیت سے زیادہ پیاری کوئی چیز پیدا نہیں کی کیوں کہ اس کا نام دل ہے اور وہی خزانہ معرفت ہے۔ اگر خداوند تعالیٰ کے نزدیک کوئی چیز دل سے زیادہ عزیز ہوتی تو اپنی معرفت کے جواہرات کو ضرور اس میں رکھتا''۔ (ایضاً، مکتوب نمبر ۳۸، ص: ۲۷۱)

مقام قلب اور عروج آدم خاکی سے متعلق شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات کے بحوالہ بالا اقتباسات میں جن خیالات کا اظہار ہوا ہے اس کے ثبوت میں ذیل کی حدیث قدسی ملاحظہ فرمائیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''لَا یَسَعُنِیْ سَمَائِیْ وَلَا اَرْضِیْ وَلٰکِنْ یَّسَعُنِیْ قَلْبُ عَبْدِی الْمُؤْمِنِ''.

میری سمائی نہ میرے آسمان میں ہوسکتی ہے اور نہ میری زمین میں لیکن بندۂ مومن کے دل میں میری سمائی ہوتی ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے: ''لَا یَسَعُنِیْ اِلَّا قَلْبُ مُؤْمِنٍ''. یعنی میری سمائی بجز قلب مومن کے اور کہیں نہیں ہوسکتی۔

انہی احادیث کے مفہوم کو اردو کے مشہور و معروف صوفی شاعر خواجہ میر دردؔ نے اپنے شاعرانہ انداز میں یوں بیان کیا ہے ؎

ارض و سما کہاں تیری وحدت کو پا سکے
میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے

مذکورہ بالا مباحث کی روشنی میں یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ مقام قلب سے متعلق اکابر صوفیہ اور عارفین کے اقوال و ارشادات کا سرچشمہ

اور منبع و ماخذ کتاب و سنت ہے۔ اس بنیاد پر قلب کے ظاہری عمل کے ساتھ ساتھ اس کے باطنی عمل سے قطعی انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔ قلب بلا شبہ نور ہدایت، نور معرفت، بصیرت و بصارت اور فہم و فراست کا مسکن ہے اور انہی جملہ جواہرات قلب کا ذکر عملی اور نظری طور پر تصوف بالخصوص اسلامی تصوف میں ملتا ہے۔ اور انہیں جواہرات قلب انسانی کی بنیاد پر انسان کو عز و شرف حاصل ہوتا ہے۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف ''منہاج العابدین'' میں اس حقیقت کی طرف یوں نشاندہی کی ہے:

''دل بندے کے نفیس و اعلیٰ جواہر کا خزانہ ہے۔ ان اعلیٰ جوہروں میں سے ایک جوہر اعلیٰ و عمدہ ہے، وہ معرفت خداوندی ہے جو دونوں جہاں کی سعادت کا ذریعہ ہے اور وہ قلبی بصیرت ہے جس کی وجہ سے دربار الٰہی میں انسان کو وجاہت و بزرگی حاصل ہوتی ہے''۔ (منہاج العابدین، مترجم، چوتھی فصل، دل کے بیان میں، ص: ۱۱۳)

☆☆☆

تواضع کی حقیقت

فَقَدْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ اَوْ كَمَا قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ.

جہاں آپ ﷺ معلم حکمت تھے معلم قرآن بھی تھے، مکہ معظمہ میں دارارقم سے ہی قرآن وسنت کی تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا تھا، تقریباً تیرہ سال تک یہ سلسلہ وہاں جاری رہا پھر مدینہ منورہ میں آکر یہ سلسلہ کئی گھروں اور مکانات میں رہا، خاص طور پر صفہ کے اندر جاری کیا گیا اور جیسے آپ ﷺ معلم کتاب اور حکمت تھے ایسے ہی آپ ﷺ مزکی نفوس بھی تھے یعنی آپ ﷺ نے اخلاقی بیماریوں اور نفس کے عیوب کا تزکیہ بھی فرمایا۔

تزکیۂ نفس کی ضرورت واہمیت

جس طرح جسم کے اندر امراض ہوتے ہیں ایسے ہی قلب کے اندر بھی امراض ہوتے ہیں ان کا علاج بھی ضروری ہے جیسا کہ ہم جسم کی بیماریوں کا علاج کرتے ہیں اور امراض قلب جسم کی بیماریوں سے بھی زیادہ سخت ہے۔

قرآن کریم کی آیت: ''قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا'' کا خلاصہ یہ ہے کہ جس نے امراض وعیوب سے نفس کا تزکیہ کیا، وہ فلاح پا گیا، آج ہم سب اس کے طالب ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ توفیق دیں اور ایسے اللہ والے بھی مل جاتے ہیں جن سے حکمت ایمانی نصیب ہوجاتی ہے، علم ظاہر کے طالب تو بہت ہیں کہ جگہ جگہ مدارس قائم ہیں۔ والحمدللہ علی ذلک، لیکن تزکیہ نفس کو اکثر حضرات ضروری سمجھتے بھی نہیں، مگر علاج نہیں ہوتا۔ ہمارے ہاں تزکیہ کی اتنی اہمیت نہیں ہے بلکہ ہم اس سے غافل ہو رہے ہیں۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ تم دس سال دارالعلوم دیوبند میں لگا کر آئے ہو، کم سے کم دس مہینے ہی میرے پاس تزکیۂ نفس کے لئے رہو۔ نبی کریم ﷺ بیک وقت معلم ومزکی تھے اور ساری عمر آپ ﷺ نے تزکیہ وتعلیم کا کام کیا، تو کیا ان کی جانشینی کا حق اسی طرح ادا ہوگا جس طرح ہم کر رہے ہیں، علماء ورثۃ الانبیاء ہیں تو کیا وہ صرف علم کی وراثت ہے، تزکیہ کی وراثت نہیں ہے، وراثت علم میں تزکیہ بھی شامل ہے۔

علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ دربارِ اشرفی میں

حضرت علامہ سید سلیمان ندوی کا نام آپ حضرات نے سنا ہوگا، یہ ہمارے حضرت تھانوی کے خلفاء میں سے ہیں، ندوہ کے بڑے فاضلین میں سے تھے اور ہمارے اکابر سے زیادہ تر علیحدہ ہی رہتے تھے، پھر کچھ ایسے واقعات پیش آئے کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری کی دولت نصیب ہوئی اور وہاں آنے جانے لگے۔ ایک مجلس میں بیٹھے تھے، مجلس کے بعد حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب جو کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے فیض یافتہ تھے اور سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے بھی ان سے بہت تعلقات تھے، ان سے فرمایا کہ: ''آج مجھے معلوم ہوا کہ علم کسے کہتے ہیں''۔

حالانکہ وہ بہت بڑے عالم فاضل تھے۔حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب نے موقع پا کر یہ بات حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے گوش گذار کی کہ سید صاحب یوں کہہ رہے تھے، حضرت خاموش ہوگئے اوراگلے دن پھر مجلس ہوئی تو حضرت نے دوران مجلس فرمایا کہ ’’اونٹ جب تک پہاڑ کے دامن سے نہ نکلے اپنے آپ کو بہت اونچا سمجھتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ میرے سے اونچا کوئی نہیں ہے‘‘۔حضرت نے بڑی عجیب اصلاح فرمائی اور یہ ایک میں نے حضرت کی مثال دی ورنہ تمام مصلحین امت اسی طرح کرتے ہیں۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت

سید صاحب واپسی کے لئے مصافحہ کرنے لگے، ہاتھ میں ہاتھ دیا تو عرض کرنے لگے کہ حضرت مجھے کوئی نصیحت فرمادیں،تو حضرت نے فرمایا کہ:’’آپ خود عالم ہیں، میں آپ کو کیا نصیحت کروں، بس یہ کہتا ہوں کہ جتنا ہو سکے اپنے آپ کو مٹائیے‘‘۔حضرت سمجھ گئے کہ ان میں اس بات کی ضرورت ہے، ہر شخص میں الگ الگ بیماریاں ہوتی ہیں جسے طبیب کامل ہی سمجھ سکتا ہے۔ وہی علاج بھی تجویز کرتا ہے جو کہ مفید ہوتا ہے،ایک ہی علاج سب کے لئے نہیں ہوسکتا۔سید صاحب کا ہاتھ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ میں تھا،حضرت کی نصیحت کا اتنا اثر ہوا کہ سید صاحب کی چیخ نکل گئی اور رو پڑے۔ یہ اللہ والوں کی مجلس کے اثرات ہوتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی بے نفسی

تواضع کا تعلق دل کی کیفیت سے ہوتا ہے۔صرف زبان سے کہنے کا نام تواضع نہیں ہے کہ میں عاجز ہوں، بہت چھوٹا ہوں، میں بہت کمزور ہوں، نالائق ہوں، جاہل ہوں،تواضع دل کی کیفیت کا نام ہے۔ ہمارے حضرت مولانا سید حسین

احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ جو کہ ہمارے شیخ الحدیث ہیں، وہ وعظ فرمارہے تھے، دوران وعظ مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی بات ذکر فرمائی جو کہ دارالعلوم دیوبند کے بانی ہیں اور ہمارے اکابر اساتذہ کے استاذ بھی ہیں۔ بخاری شریف کے آخری پانچ پاروں کے محشی ہیں۔حضرت کے استاد مولانا احمد علی صاحب محدث سہارن پور یہ حاشیہ لکھ رہے تھے، آخری پانچ پاروں کا حاشیہ مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے جس کا فیض بہت عام ہے۔تو حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ یوں فرماتے تھے کہ:’’میں اپنے میں اور اس دیوار میں کوئی فرق نہیں سمجھتا‘‘۔کسی نے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے جو کہ سب کے شیخ اور امام وقت تھے کہا کہ حضرت آپ مولانا قاسم صاحب سے فرمائیں کہ اپنے آپ کو اتنا نہ مٹائیں۔ ورنہ انکا فیض کیسے پھیلے گا۔اس سے شان چھپ جائے گی، آپ انہیں کچھ نصیحت فرمادیں۔حضرت شیخ کامل تھے، فرمایا کہ آپ تو یوں کہہ رہے ہیں کہ میں انہیں کچھ کہوں، اگر مجھے مولانا قاسم ملیں گے تو میں ان سے کہوں گا کہ اپنے آپ کو اور مٹایئے، یہ وہاں کی نصیحت تھی۔

تصنع اور تواضع

ہمارے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مثال دی کہ اس تصنع کی جو آج کل ہمارے اندر چل رہا ہے عام طور پر اپنے نام کے ساتھ احقر، حقیر، فقیر لکھتے رہتے ہیں، اس زمانے میں خاکسار بھی لکھا کرتے تھے، خاکسار کے معنی مٹی جیسا کہ حضرت مدنی نے فرمایا کہ جب کوئی خاکسار لکھ رہا ہوتا ہے تو اس وقت اگر کوئی دوسرا کہہ دے کہ واقعی تم تو مٹی جیسے ہو تو وہ لڑ پڑے گا۔ پتہ چلا کہ یہ صرف زبان سے کہہ رہا ہے اس کے دل میں کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ تصنع کئے ہوئے ہے اور یہ صرف تواضع کا ایک خول ہے۔

ہمارے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ بعض دفعہ آدمی تواضع کرتا ہے اور صورت عاجزی ہی کی ہوتی ہے۔ لیکن اس کے دل میں تکبر ہوتا ہے تو وہ تکبر بصورت تواضع ہوتا ہے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی بصیرت

ایک عالم حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں تھانہ بھون میں حاضر ہوئے، حضرت نے فرمایا کہ تمارے اندر تکبر ہے، اس کا علاج ہونا چاہئے انہوں نے کہا حضرت میرے اندر تکبر نہیں ہے، حضرت نے فرمایا کہ کچھ دن یہاں میرے پاس رہو، پھر بات کریں گے کئی ماہ وہ انتظار ہی میں رہے، ماشاءاللہ وہ بھی خوب طالب تھے، طالب کی عجیب شان ہوتی ہے صحیح طالب طلب کے اندر اپنی عمر گذار دیتا ہے۔

مولانا مفتی محمد حسن صاحب بانی جامعہ اشرفیہ لاہور کی یاد آئی، مدرسہ نعمانیہ امرتسر میں مدرس تھے، حضرت کی خدمت میں آئے تو حضرت نے فرمایا کہ میں تمہیں بیعت کروں گا مگر کچھ شرطیں ہیں ان میں سے ایک شرط یہ ہے کہ آپ نے کسی حنفی سے حدیث نہیں پڑھی، کسی حنفی سے حدیث پڑھ کر آؤ، تو مفتی صاحب نے فرمایا کہ ٹھیک ہے جیسے آپ فرمائیں گے میں ویسے ہی کروں گا، چنانچہ دیو بند گئے، حضرت علامہ محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے دوبارہ دورہ حدیث پڑھا، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ شرط پوری ہوگئی۔ ایک شرط یہ لگائی کہ بیعت ہونے سے پہلے میرے مجاز حکیم محمد مصطفیٰ صاحب کے ساتھ خط وکتابت کرو، جب پندرہ خط ہو جائیں تو وہ مجھے دکھاؤ، پھر میں فیصلہ کروں گا کہ بیعت کروں یا نہ کروں، تو یہ طلب کی بات ہے، انہوں نے یہ شرط پوری کی، نہ معلوم کتنے دنوں میں پندرہ خط پورے ہوئے ہوں گے۔ تو کئی ماہ کے بعد ان عالم صاحب نے آکر اقرار کیا کہ واقعی میرے اندر تکبر ہے، حضرت نے فرمایا کہ

اتنے دن لگا دیئے، اتنے دن میں تو تمہارا علاج بھی ہو جاتا پہلے ہی مان لیتے۔ علاج تجویز فرمایا کہ اچھا خانقاہ کے دروازے کے سامنے سڑک ہے اس پر جھاڑو دیا کرو چونکہ شیخ نے فرمایا تھا اس لئے ماننا تو پڑا، مگر ابتدائی معلم تھے اس لئے حیلہ کرنے لگے کہ رات کے وقت جھاڑو دینا شروع کیا تا کہ کوئی دیکھے نہیں، آہستہ آہستہ سب کے سامنے دینے لگے، دس دن کے بعد حضرت نے بلوایا، فرمایا کہ مولوی صاحب! کیا کر رہے ہو؟ عرض کیا آپ نے سڑک پر جھاڑو دینے کے لئے فرمایا تھا۔ فرمایا کہ اب جھاڑو دینا چھوڑ دو اور نمازیوں کو وضو کے لئے لوٹا پانی کا بھر دیا کرو، اب وہ صاحب پہلے جھاڑو دینے پر آمادہ نہ ہوتے تھے، حیلہ بہانہ کر کے پوشیدہ طور پر جھاڑو دینا شروع کیا تھا، کہتے ہیں کہ میں دونوں کام کیا کروں گا، آپ مجھے منع نہ کریں، جھاڑو بھی دیا کروں گا اور لوٹے بھی بھر دیا کروں گا۔ اب یہاں پر بہت باریک بات تھی جس کو حکمت ایمانی کا امام ہی سمجھ سکتا تھا جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا تھا۔ فرمایا کہ نہیں! چھوڑ دو، کیوں؟ وجہ یہ ہے کہ پہلے یہ علاج تھا اب تمہیں عادت پڑ گئی اور تم اس کو فخر سمجھتے ہو اور یہ تکبر ہے، پہلے یہ تواضع تھی مگر اب یہ تکبر ہے۔ عرض کیا کہ ٹھیک ہے اب یہ ایسی باریک بات ہے کہ ہمارا اس طرف ذہن نہیں جا سکتا، ہمارا طریقہ تو پہلے بھی سطحی اور عامیانہ ہے۔ تو میں عرض کر رہا تھا کہ بعض دفعہ تواضع میں بھی تکبر پوشیدہ ہوتا ہے جس کو ماہر طبیب ہی سمجھتا ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک مثال دی ہے ورنہ ہمارے سب اکابر مصلحین کا یہی طریقہ تھا۔ من تواضع للہ، فرمایا: "تواضع اللہ کے لئے ہو"۔ تواضع کا باب تفاعل ہے، تفاعل میں تقابل ہوتا ہے، تو یہاں تقابل اور کشا کشی نفس سے ہو رہی ہے، آج کل صرف خول ہی خول ہے اور جتنا ہے اس پر بھی اللہ کا شکر ہے، نام تو ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں معاف کرے۔

(جناب مولانا عبدالشکور صاحبؒ، ماخوذ از دارالسلام مالیر کوٹلہ اگست، ستمبر ۲۰۱۱ء) ☆☆☆

مغفرت کا ذریعہ

زمین پر ناجائز قبضہ کا عذاب

قتادہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے انس رضی اللہ عنہ کی زبان سے سنا کہ ایک مرتبہ مدینہ میں خوف وہراس کا ماحول پیدا ہوگیا تو نبی کریم ﷺ نے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا گھوڑا جسے (سست رفتار ہونے کی وجہ سے) ''مندوب'' کہا جاتا تھا ان سے مانگا اور (تحقیق احوال کے لئے) اس پر سوار ہوکر مدینہ سے باہر نکل گئے۔ واپس آنے کے بعد آپ نے فرمایا: ''مجھے خوف وگھبراہٹ کی کوئی چیز نظر نہیں آئی، اور میں نے اس گھوڑے کو تیز رفتار پایا''۔ (متفق علیہ)

سالم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''جوشخص کسی کی زمین کا چھوٹا سا حصہ بھی ناحق لے گا تو اسے قیامت کے دن زمین کے ساتویں طبق تک دھنسایا جائے گا''۔ (بخاری)

جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حق شفعہ کا فیصلہ ہر اس چیز میں کیا جو ابھی تقسیم نہ ہوئی ہو، لہٰذا جب (تقسیم کے بعد) زمین کی حدود متعین ہوجائیں اور راستے علیحدہ علیحدہ کردیئے جائیں تو پھر حق شفعہ باقی نہیں رہتا۔ (بخاری)

جابر رضی اللہ عنہ ہی کا بیان ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ہر اس چیز میں جو ابھی غیر منقسم ہو، چاہے وہ گھر ہو یا زمین یا باغ، حق شفعہ کا فیصلہ فرمایا: ''کسی کیلئے جائز نہیں کہ وہ کسی مشترک چیز کو اپنے شریک کی اجازت کے بغیر بیچ دے، اس کے شریک کی مرضی پر منحصر ہے کہ چاہے وہ اس چیز کو خرید لے، چاہے تو چھوڑ دے، اگر کسی نے شریک کی اجازت کے بغیر کسی چیز کو بیچ دیا، تب بھی (معلوم ہونے پر) اس چیز کو خریدنے کا وہی زیادہ حق دار ہوگا''۔ (مسلم) ابورافع رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''پڑوسی اپنی قربت وہمسائیگی کی وجہ سے حق دار ہے''۔ (بخاری)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''کوئی شخص اپنے ہمسایہ کو اپنی دیوار میں لکڑی گاڑنے سے نہ روکے''۔ (متفق علیہ)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کی روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''اگر راستہ (کے حدود کی تعین) میں تمہارے درمیان اختلاف ہوجائے تو اس کی چوڑائی تم سات ہاتھ متعین کردو''۔ (مسلم)

زمین کاشت کیلئے دینا

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے خیبر کے یہودیوں کو وہاں کے کھجور کے باغات اور وہاں کی زمین اس شرط پر دے دی تھی کہ وہ اس میں محنت کریں اور اپنا مال بھی لگائیں اور اس کی پیداوار اور پھلوں کا نصف حصہ اللہ کے رسول ﷺ کو دیا کریں۔ (مسلم)

صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے یہودیوں کو خیبر کے باغات اور وہاں کی مزروعہ اراضی اس شرط پر دی تھی کہ وہ اس میں محنت کریں اور کاشت کاری کریں اور پیداوار میں سے نصف حصہ ان کا ہوگا۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ ہم لوگ مخابرت (کسی کو زمین اس شرط کے ساتھ کاشت کے لئے دینا کہ وہ پیداوار کا ایک متعین حصہ تہائی یا چوتھائی زمین کے مالک کو دے گا) کیا کرتے تھے اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے تھے، یہاں تک کہ جب رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی کریم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے تو ہم نے اس وجہ سے مخابرت کرنا چھوڑ دیا۔ (مسلم)

حنظلہ بن قیس رافع بن خدیج سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے دو چچاؤں نے انہیں بتایا تھا کہ لوگ نبی کریم ﷺ کے عہد میں اپنی کاشت کی زمین اجرت دیتے تھے، لیکن زمین کے مالکان نالیوں پر ہونے والی پیداوار یا زمین کے ایک متعین حصہ کی پیداوار کو اپنے لئے مستثنیٰ کر لیتے تھے تو نبی اکرم ﷺ نے ہمیں اس عمل سے منع فرمایا، حنظلہ بن قیس کہتے ہیں کہ میں نے رافع رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ اگر دراہم و دنانیر کے عوض کسی کو زمین اجرت پر دی جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے، گویا کہ مزارعت کی جس صورت سے منع کیا گیا ہے اگر حلال وحرام کی سمجھ رکھنے والا شخص اس پر غور کرے تو اسکے اندر موجود نقصان کے خطرات کی وجہ سے اس کی اجازت نہ دے۔ (متفق علیہ)

رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم اہل مدینہ میں سب سے زیادہ کاشت کی زمینوں والے تھے، ہم میں سے کوئی شخص اپنی زمین کو اس شرط کیساتھ دوسرے کو کاشت کیلئے دیتا تھا کہ زمین کے اس (مخصوص) حصہ کی پیداوار میری ہوگی اور زمین کے بقیہ حصہ کی پیداوار تمہاری ہوگی، چنانچہ کبھی ایسا ہوتا تھا کہ زمین کے ایک حصہ میں پیداوار ہوتی اور دوسرے حصہ میں پیداوار نہیں ہوتی تھی تو نبی اکرم ﷺ نے (اس یک طرفہ خسارہ کی وجہ سے اس طرح کے معاملات سے) منع فرمادیا۔

(متفق علیہ)

عمر بن دینار کہتے ہیں: میں نے طاؤس سے کہا کہ اگر آپ مخابرت (مزارعت) کو ترک کر دیتے تو بہتر ہوتا، اس لئے کہ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ اے عمرو! میں لوگوں کو (اپنی زمین) دیتا ہوں اور (مزارعت میں) ان کی مدد بھی کرتا ہوں اور سب سے بڑے عالم یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھے بتایا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے (مزارعت کی اس صورت سے) منع نہیں فرمایا ہے، لیکن آپ نے یہ فرمایا: ''کوئی شخص اپنے بھائی کو اپنی زمین دے دے یہ اس کے لئے اس سے بہتر ہے کہ اس کے بدلہ ایک متعین اجرت اس سے حاصل کرے''۔ (متفق علیہ)

جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''جس کے پاس زمین ہو تو اسے چاہئے کہ خود اس میں کاشت کرے یا (اگر خود نہ کر سکے تو) اپنے بھائی کو دیدے اور اگر اسے (دوسرے کو) دینا پسند نہ ہو تو پھر زمین کو اپنے پاس ہی رکھے''۔ (متفق علیہ)

☆☆☆

افاداتِ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ وساوس غیر اختیاریہ چاہے کفر ہی کیوں نہ ہوں اگر یہ شخص صراط مستقیم سے نہ ہٹے تو وہ گمراہ نہیں ہے۔ بلکہ میں تو توسع کر کے کہتا ہوں کہ عین قوت ایمانیہ کی دلیل ہے کہ باوجود مزاحم پھر اس راہ پر لگا ہوا ہے۔ ایسی حالت میں گھبرانا نہیں چاہئے اور قوت وہمت کیساتھ راہ طے کرتا ہوا چلا جائے۔ بڑا اجر ہے۔ اور میں تو کہتا ہوں کہ مسلمان کی کوئی حالت غیر اختیاریہ ایسی نہیں کہ وہ محمود نہ ہو اور اس پر اس کو اجر وثواب نہ ہو اسی کو فرماتے ہیں۔

در طریقت ہر چہ پیش سالک آید خیر اوست
بر صراط مستقیم اے دل کسے گمراہ نیست

(راہ خدا کے رہرو کو خدا کا راستہ طے کرتے ہوئے جو چیز بھی پیش آتی ہے۔ وہ اس کے حق میں خیر ہی خیر ہوتی ہے اے دل! صراط مستقیم پر رہتے ہوئے کوئی شخص گمراہ نہیں ہوتا) کام میں لگے رہنے کی ضرورت ہے، لگے رہو جو کچھ بن پڑے لیے جاؤ، واقعی کمی کیا ہے۔ کوئی لینے والا چاہئے مگر محض قیل وقال سے کام نہیں چلتا ہے پھر دیکھو کیا کچھ عطا ہوتا ہے کام کرنے نہ کرنے پر ایک مثال یاد آئی ایک شخص کہتا

ہے کہ میں بھوکا ہوں مگر جو روٹی مجھ کو دی جائے اس کا قطر چار انگشت کا ہو۔ اس سے معلوم ہوگا کہ اس کو بھوک نہیں ورنہ قیل وقال نہ کرتا۔ ارے بھائی روٹی ہونا چاہئے وہ ایک بالشت کی ہو یا چار انگشت کی ہو اسی طرح جنت میں تو پہونچ جاؤ چاہئے وہ درجہ داہنے ہو یا بائیں نیچے ہو یا اوپر۔

فرمایا کہ جس طرح میں دوسروں کی اصلاح کے طریق سوچتا رہتا ہوں۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اپنی اصلاح کے طریق بھی سوچتا رہتا ہوں مسلمان کو تو مرتے دم تک اپنی اصلاح کی فکر میں لگا رہنا چاہئے اس پر بھی نجات ہو جائے تو سب کچھ ہے اسکے آگے کیا ہم حوصلہ اور ہمت کر سکتے ہیں باقی فضائل ومدارج تو بڑے لوگوں کی باتیں ہیں، ہم کو تو جنتیوں کی جوتیوں میں ہی جگہ مل جائے یہ بھی بڑی دولت ہے جوتیوں پر یاد آیا کہ حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کی یہ حالت تھی کہ حضرت سید صاحب کی مجلس میں شرکت کرنے کو اور ایک مجلس میں بیٹھنے کو خلاف ادب سمجھتے تھے۔

حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جوتیاں لئے ہوئے موخر مجلس میں بیٹھے رہتے تھے اگر کبھی بیٹھے بیٹھے کسل ہو جاتا وہیں جوتیاں سر کے نیچے رکھ کر لیٹ جاتے تھے جس وقت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی پالکی چلا کرتی تھی تو حضرت مولانا شہید رحمۃ اللہ علیہ پالکی کے ساتھ دوڑا کرتے تھے اس کو اپنے لئے فخر سمجھتے تھے۔

چاندنی چوک میں پالکی جارہی ہے اور آپ ساتھ دوڑ رہے ہیں حالانکہ دہلی میں اس خاندان کے ہزاروں سلامی تھے مگر ذرہ برابر حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ اس کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ کیا یہ حضرات خشک تھے۔ ان کو خشک کہا جا سکتا ہے۔ اصلاح یونہی ہوتی ہے آج ذرا ذرا بات پر ناگواری ہوتی ہے۔

غرض ہر شخص کو اپنی اصلاح کی فکر میں لگا رہنا چاہئے مرتے دم تک یہی حالت رہے عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

اندریں رہ می تراش و می خراش

تادم آخر دم فارغ مباش

تادم آخر دمے آخر بود

کہ عنایت باتو صاحب سربود

''اس راہ میں ہمیشہ تراش وخراش دوادوش، ریاضت ومجاہدہ میں لگے رہواور آخر وقت تک فارغ ہوکر نہ بیٹھوممکن ہے اخیر وقت جب دم واپسیں ہوعنایت الٰہی تمہاری ہم راز ہوجائے اورتمہارا کام بن جائے''۔

ایک خط کے جواب میں فرمایا کہ ہر شخص کے لئے جداعلاج ہے کسی کوکم کھانا مفید ہےاورکسی کو بالکل نہ کھانا اورکسی کوخوب کھانا۔ جس کوضعف بڑھنے کا اندیشہ ہو۔ایک شخص تھے چرتھاول میں ان کی تہجد کی نماز کیلئے آنکھ نہ کھلتی تھی انہوں نے مجھ سے بیان کیا کہ جس روز ایسا ہوتا ہے صبح کوروزہ رکھ لیتا ہوں مگراس سے بھی کچھ نہ ہوا۔ میں نے کہا یہ تمہارے لئے اورزیادہ کسل کا سبب ہوگا اسلئے کہ جب روزے سے رہوگےتو خوب تن کے کھاؤ گے۔تن کے پیوگےتو نشہ ہوکراورکسل بڑھے گا۔

کہا کہ ہواتو ایسا ہی میں نے کہا کہ یہ تدبیر کروکہ عصر سے قبل کھانا کھاؤاورذراکم کھاؤاورمغرب سے پہلے پانی جس قدر پیاس ہو پی لوپھر نہ پیو۔یہ تدبیر کامیاب ہوگئی۔

ایک صاحب نے دریافت کیا کہ کیاتعلق مع اللہ سے خاص قسم کاتعلق مراد ہے۔اس پرفرمایا۔ ہاں! جیسے محبوب سے تعلق ہوتا ہے۔ ورنہ یوں تو ہرمومن کوتعلق ہوتا ہے۔ پھرفرمایاحضرتؒ نےتعلق مع اللہ کے لئے دو چیزیں لازم ہیں۔سہولت طاعت، دوام ذکر۔جس کسی سے محبت ہوجاتی ہے تواس کے ساتھ ایساتعلق ہوجاتا ہے کہ اکثر اوقات اس کی یاد رہتی ہے میں تو اس کی یوں تعبیر کرتا ہوں کہ دوام

طاعت اور کثرت ذکر کیونکہ ذکر میں تو کسی وقت غفلت بھی ہوہی جاتی ہے۔اس لئے یہاں بجائے لفظ دوام کے لفظ کثرت ذکرلایا گیا۔(حسن العزیز،ج:۳)

بڑی پیرانی صاحب کافتحپور میں جس روز آپریشن ہوا۔ان کا بھتیجا بعد آپریشن کے ان کی بیہوشی دیکھ کرروتا ہوا خیمہ پرآیااور کہا کہ بیہوش ہیں کراہ رہی ہیں۔اس میں منہ سے اللہ اللہ نکل رہا ہے۔اس پر حضرت نے فرمایا کہ ذکراللہ جب دل میں رچ بس جاتا ہےتو ہر وقت اسی کا دھیان رہتا ہے۔ذکر چونکہ بسا ہوا ہےان کے دل میں اس لئے زبان سے بیہوشی میں بھی اللہ اللہ نکلتا ہےاگر دوسرا شخص ہوتا جس کے دل میں ذکر بسا ہوا نہ ہوتا تو کیااس طرح کرتا۔(حسن العزیز،ج:۳،ص:۹۱)

دووظیفے

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ نے فرمایا کہ شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری نے مجھے دووظیفے بتلائے تھے وہ اب تک میرے عمل میں ہیں ایک وظیفہ تو وسعت رزق کے لئے ہے۔اور وہ اصل میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کا معمول تھا وہ یہ ہے کہ صبح کی نماز کے بعد ستر مرتبہ یہ آیت پڑھی جائے۔''اَللّٰهُ لَطِيْفٌ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ (الشوریٰ: ۱۹) (اول وآخر درود شریف) اس وظیفہ کی برکت ہے کہ بحمداللہ کبھی مالی تنگی پیش نہیں آئی۔دوسرا وظیفہ حل مشکلات کے لئے ہے: ''حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ'' (اللہ ہمارے لئے کافی ہےاوروہی بہترین کارساز ہے) تین سو کتالیس مرتبہ۔

(البلاغ اشاعت خصوصی،ص:۱۱۷۸)

☆☆☆

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور حرص علم

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے سب سے بڑے شاگرد امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کا واقعہ ان کے شاگرد حضرت ابراہیم بن جراح رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ جس زمانہ میں حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ بیمار تھے اور مرض الوفات میں تھے، میں ان کی عیادت کیلئے ان کے گھر گیا تو انہوں نے مجھ سے سوال کیا کہ رمی جمار (یعنی شیطان کو کنکریاں مارنا) کس حالت میں افضل ہے، پیدل یا سوار ہوکر؟ میں نے کہا: سوار ہوکر امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''اخطات'' تو نے غلط کہا، میں نے کہا: پیدل پھر فرمایا، ''اخطات'' اور پھر امام رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی وضاحت یوں فرمائی کہ ہر وہ رمی جس کے بعد رمی ہے اس کو پیدل انجام دینا افضل ہے اور جس رمی کے بعد رمی نہیں ہے اس کو سوار ہوکر انجام دینا افضل ہے، یعنی جمرۂ اولی اور جمرۂ وسطیٰ کی رمی پیدل کی جائے اور جمرۂ عقبہ کی رمی سوار ہوکر کی جاسکتی ہے، کیوں کہ اس کے بعد نہ تو ٹھہرنا ہے اور نہ دعا ہے، ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد جب میں اٹھ کر چلنے لگا اور صدر دروازہ پر پہنچا تو رونے والوں کی آواز سنی، معلوم ہوا کہ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوگیا ہے۔ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے ان کی اس حرص علم پر تعجب ہوا کہ موت کی آخری گھڑی ہے اور اس وقت بھی مسئلہ سوچ رہے ہیں!

مسئلہ سوچتے سوچتے موت آگئی

امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے نمبر کے شاگرد ہیں، انہوں نے علم فقہ کی تدوین وتہذیب کا کارنامہ انجام دیا اور اس کو کتابی شکل میں لاکر دنیا کے سامنے پیش کرنا ان ہی کا احسان ہے اور ان کی تالیف کردہ کتابیں، ''ظاہر الروایات'' سے مشہور ہیں، ان کے حالات میں لکھا ہے کہ ان کے انتقال کے بعد کسی نے ان کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ موت کی گھڑی کیسے گزری؟ تو فرمایا کہ میں تو مکاتب کا ایک مسئلہ سوچ رہا تھا اور اسی حالت میں میرا انتقال ہوا، مجھے معلوم نہیں میری موت کیسے آئی، گویا مسئلہ کی سوچ میں لگے ہوئے ہیں، اور موت آگئی!

یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ کی بے تابی

شمائل ترمذی میں باب ماجاء فی لباس رسول اللہ ﷺ میں محمد بن فضل کی سند سے روایت ہے کہ مرض الوفات میں حضور ﷺ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ پر ٹیک لگائے قطری چادر لپیٹے ہوئے تشریف لائے اور نماز پڑھائی، محمد بن فضل فرماتے ہیں کہ مجلس درس میں آتے ہی یحییٰ بن معین نے یہ حدیث مجھ سے پوچھی تو میں نے بیان کرنا شروع کیا، حدثنا حماد بن سلمہ، اس پر انہوں نے کہا کہ اگر آپ اپنی کاپی میں دیکھ کر بیان فرماتے تو بڑا اچھا ہوتا، چنانچہ میں کاپی لینے کے لئے اٹھا تو انہوں نے میرا کپڑا پکڑ لیا اور فرمایا پہلے حدیث لکھا دو، اس لئے کہ مجھے ڈر ہے کہ میں دوبارہ تم سے نہ مل پاؤں، چنانچہ میں نے لکھوا دی اس کے بعد کاپی لاکر سنادی۔

دیکھئے! ان کو علم کا کتنا شوق تھا کہ ان کو یہ گوارہ نہیں کہ استاذ کاپی لینے جائے اور وہ یا یہ دنیا سے رخصت ہوجائیں اور ایک حدیث سننے سے محروم رہ جائیں۔

ابوریحان بیرونی کا ذوق

فقیہ ابوالحسن علی بن عیسیٰ کا بیان ہے کہ میں ابوریحان بیرونی کے پاس ایسی حالت میں گیا جب وہ دم توڑ رہا تھا لیکن اس حالت میں بھی اس نے کہا کہ جدات فاسدہ کے متعلق تم نے مجھ سے ایک دن کیا کہا تھا؟ مجھ کو اس پر رحم آیا، اور میں نے کہا اس حالت میں؟ ابوریحان نے کہا اس مسئلہ کا علم اس سے بہتر نہیں ہے کہ میں دنیا کو اس حال میں چھوڑوں کہ اس سے جاہل رہوں؟ چنانچہ میں نے اس مسئلے کو دوبارہ بیان کیا، اس نے اس کو یاد کرلیا، اس کے بعد اس کے پاس سے نکلا تو راستہ ہی میں تھا کہ انتقال کی خبر سنی، یہ تھا ان کی طلب کا حال اور تحصیل علم کا جذبہ!

بوقت موت استفتاء سینہ پر

آپ کہیں گے کہ یہ تو پرانی باتیں ہیں، تو ہمارے اکابر واسلاف علماء دیوبند کے بھی ایسے نمونے ملتے ہیں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ''فتاویٰ دارالعلوم'' کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دارالعلوم کے مفتیِ اول مفتی عزیز الرحمٰن کے حالاتِ زندگی میں لکھا ہے، جب ان کے انتقال کا وقت آیا تو ان کے ہاتھ میں ایک استفتاء تھا اور وہ اس کو دیکھ رہے تھے اور اسی حالت میں روح پرواز کرگئی کہ یہ استفتاء ان کے سینہ پر تھا، حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نقشبندی سلسلہ کے بہت بڑے بزرگ تھے۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اور ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ ڈابھیل میں

محدث کبیر حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات سے تمام اہل علم واقف ہیں، ان کے علم کا یہ حال تھا کہ ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ چلتا پھرتا کتب

خانہ تھے، یہ اپنے وقت کے محدث جلیل اور بڑے عالم تھے، ان کے انتقال کے بعد جامعہ ڈابھیل کے تعزیتی اجلاس میں علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ جملہ ارشاد فرمایا تھا کہ آج اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ کیا تم نے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا ہے؟ تو میں کنایہ اور استعارہ کی زبان استعمال کرتے ہوئے کہوں گا کہ جی ہاں! میں نے ان دونوں کو دیکھا ہے اور اس سے میری مراد حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی ہوگی۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا حافظہ

آپ کی سوانح میں لکھا ہے کہ آپ کا حافظہ اتنا قوی تھا کہ اگر کوئی چیز غیر اختیاری طور پر سن لیتے تو پندرہ سال تک اس کو نہیں بھولتے تھے، اور اگر کسی چیز کا بالقصد مطالعہ فرماتے تو ہمیشہ کے لئے محفوظ ہوجاتی، ایک مرتبہ ایک مسئلہ میں آپ نے حوالہ دیا کہ ''فتح القدیر'' کی (جو ہدایہ کی آٹھ جلدوں میں شرح ہے) فلاں جلد میں فلاں صفحہ پر یہ مسئلہ لکھا ہوا ہے، کسی نے پوچھا کہ حضرت! تازہ مطالعہ کیا ہے؟ فرمایا کہ نہیں بیس سال پہلے مطالعہ کیا تھا، اتنا قوی حافظہ تھا!

مطالعہ کی بیماری

آپ کے حالات ہی میں لکھا ہے کہ مرض الوفات میں مبتلا تھا۔ دیوبند کے محلّہ خانقاہ میں جو دارالعلوم سے پچھم کی جانب ہے، اپنے مکان میں رہتے تھے، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رات کے آخری حصہ میں یہ افواہ سنی کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوگیا ہے، بیمار تو چل ہی رہے تھے، میں نے جب سنا تو بہت افسوس ہوا، لیکن وہ وقت ایسا نہیں تھا کہ وہاں جایا جاتا، فجر

کی نماز کے بعد جلدی سے ہم لوگ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور دارالعلوم کے دیگر اساتذہ، وہاں پہنچے تو ہم نے دیکھا کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ چوکی (لکڑی کی چارپائی) پر تکیہ لگائے ہوئے جھک کر مطالعہ کر رہے ہیں، چنانچہ ابھی روشنی پوری طرح نہیں ہوئی تھی اس لئے بہت جھک کر مطالعہ کر رہے تھے، ہمیں یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ہم نے جو خبر سنی تھی وہ غلط ہے، پھر جب ہماری طرف متوجہ ہوئے تو حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ناز سے کہا کہ ایسا کون سا مسئلہ ہے جو آپ کی نظر سے نہیں گزرا؟ ماشاءاللہ آپ نے سارے مسائل دیکھ رکھے ہیں تاہم اگر کوئی مسئلہ فی الفور قابل تحقیق تھا تو ہم خدام کہاں مرگئے تھے؟ کسی کو حکم کرتے، وہ معلوم کر کے بتا دیتا، آپ کا وجود امت کے لئے نعمت ہے، آپ کی صحت امت کی امانت ہے، آپ کو اپنی صحت کا خیال رکھنا چاہئے، امت کو آپ کے وجود اور صحت سے بہت بڑا فائدہ ہو رہا ہے، ابھی آپ بیمار چل رہے ہیں، آپ کتاب کے مطالعہ کی زحمت کیوں اٹھا رہے ہیں؟ حضرت شاہ صاحب کچھ دیر تو انتہائی معصومیت اور بے چارگی کے انداز میں مولانا شبیر احمد کی طرف دیکھتے رہے پھر فرمایا: بھائی ٹھیک کہتے ہو، یہ کتاب بھی تو ایک روگ ہے، اس روگ کا کیا کروں!

کاش! ہمیں بھی یہ روگ لگ جائے جو بہت ہی مبارک ہے اور اسی میں ہماری کامیابی ہے اور حقیقی طالب علم ایسے ہی لوگ ہیں، آج کل بے رغبتی اور غفلت کا یہ عالم ہے کہ دوران درس استاذ کی بات سننے اور سمجھنے والے چند ہی بچے ہوتے ہیں، ورنہ کوئی ادھر دیکھتا ہے کوئی اُدھر دیکھتا ہے، کوئی اور کام میں مشغول ہے، کوئی دوسری طرف دھیان لگائے ہوئے ہے ؎

ما بہ تو مشغول تو باعمر وزید

یہ حال ہے ہماری طلب کا، اور ہم اپنے آپ کو طالب علم کہلواتے ہیں!

مال کا بھوکا

اللہ کے نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ دو بھوکے ایسے ہیں جن کا پیٹ کبھی نہیں بھرتا، ایک علم کا بھوکا، اور دوسرا مال کا بھوکا، فیکٹری والے کی تمنا ہوتی ہے کہ دوسری فیکٹری ہو جائے اور مکان والے کی تمنا ہوتی ہے کہ دوسرا مکان بن جائے، اس کا پیٹ نہیں بھرتا اسی لئے وہ چین سے نہیں بیٹھتا چاہے اس کے بینک بیلنس میں کروڑہا کروڑ روپیہ جمع ہو جائے جو آنے والی نسلوں کو کافی ہو جائے، پھر بھی وہ چین سے بیٹھنے کو تیار نہیں، بلکہ وہ ہر وقت اس کو بڑھانے کی فکر میں رہتا ہے، وہ سیراب ہو کر بھی کہتا ہے کہ میں بھوکا ہوں، یہی مطلب ہے: "منهوم فى المال" کا۔

آج کا طالب علم

مگر علم کا بھوکا اس زمانے میں ایسا بن گیا ہے کہ اس سے زیادہ مستغنی کوئی نہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسے اس کی کوئی ضرورت ہی نہیں، کوئی زبردستی اس کے کان میں بات کرلے اور وہ اس کو سن لے، تو یہ اس کا احسان ہے۔

آج طلبہ میں ہر چیز کی طلب ہے، ہر طالب علم یہ چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں، گھڑی اچھی ہو، جوتا اچھا ہو، قلم اچھا ہو، کمرہ اچھا ہو، غرض ہر چیز کی طلب موجود ہے، نہیں ہے تو علم کی طلب نہیں ہے، اور ہم اپنے آپ کو طالب علم کہتے ہیں، انجمن کی تقریروں میں علم کے فضائل بیان ہوتے ہیں، لیکن یہ فضائل تو اس کے لئے ہیں جو حقیقی طالب علم ہو، گویا ہم حقیقی طالب علم نہیں ہیں۔

زیادتی علم کی دعا

اب حقیقی طالب علم کیسے بنیں گے؟ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے اندر علم کا جذبہ پیدا کریں، اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا: ’’وقل رب زدنی علماً‘‘۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ کا علمی مقام اتنا اونچا ہے، کہ آپ فرماتے ہیں: ’’اُوْتِیْتُ عِلْمَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ‘‘۔ مجھے اگلوں اور پچھلوں کا علم دے دیا گیا، پھر بھی اللہ تعالیٰ پاک ﷺ کو حکم دیتے ہیں کہ (اے نبی) آپ یہ دعا کیجئے اے میرے پروردگار! تو مجھ کو علم میں ترقی عطا فرما، علم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، اللہ تعالیٰ بے نہایت، اس کی صفت بھی بے نہایت ہے، آدمی علم میں جتنی بھی ترقی کرلے، علم کے بہت سے مدارج باقی ہی رہتے ہیں۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا جملہ مشہور ہے کہ ہم جتنا پڑھتے ہیں، اتنی ہی ہماری جہالت واضح ہوتی جاتی ہے کہ ہماری معلومات کی مقدار مجہولات کے مقابلہ میں بہت کم ہے، جتنا زیادہ جانتے جاتے ہیں اتنا ہی زیادہ یہ احساس بڑھتا جاتا ہے کہ یہ بھی ہم نہیں جانتے تھے، گویا جتنا ہم پڑھتے جائیں گے اتنی ہی جہالت ہمارے سامنے آتی چلی جائے گی، تو اپنے آپ کو حقیقی طالب علم بنانے کی کوشش کی جائے۔

وہ صعوبتیں اور یہ سہولتیں

فی زمانہ ہمارے مدارس میں آپ کو علم حاصل کرنے کے لئے کوئی مشقت اور تکلیف برداشت کرنے کی ضرورت نہیں ہے، کتابوں کے ساتھ ساتھ جملہ سہولیات مہیا ہیں، اس کے بالمقابل ہمارے اسلاف نے کیسے علم حاصل کیا؟ کیسی

کیسی مشقتیں برداشت کیں، ہزاروں میل کا سفر کرتے تھے، اپنی ضرورت کے لئے ان کے پاس کچھ بھی نہیں ہوتا تھا، نہ پہننے کو کپڑے ہوتے تھے، لیکن چوبیس گھنٹے ایک دھن سوار رہتی تھی کہ میرے علم میں کیسے اضافہ ہو، جس شہر میں جاتے، وہاں جتنے بڑے علماء ہوتے، ان سے علم حاصل کرتے، پھر آگے بڑھتے اور دوسرے شہر میں جاتے، پھر تیسرے شہر میں جاتے، اس طرح انہوں نے علم حاصل کیا، آج اللہ تعالیٰ نے ہم پر یہ احسان کیا کہ ہمیں دردر کی ٹھوکریں کھانے کی کوئی ضرورت نہیں پہلے زمانے میں طلبہ کو خود کتابوں، کپڑوں اور قیام وطعام کا انتظام کرنا پڑتا تھا، اب تو مدرسہ والے خود ہی ان سب چیزوں کا انتظام کردیتے ہیں جس سے بچوں کو نہ کھانے کی فکر رہتی ہے، نہ کپڑوں کی اور نہ رہنے کی، حتی کہ دیگر زوائد کی بھی فکر نہیں رہتی، مزید برآں مدارس والے باصلاحیت اچھے اچھے اساتذہ، مختلف جگہوں سے فراہم کرتے ہیں، لیکن انسان کی فطرت ہے کہ اسباب میں جتنی آسانی ہوتی ہے، اتنی ہی طلب میں کمی آجاتی ہے، کھانے پینے کے جتنے اسباب مہیا کئے جاتے ہیں اتنی ہی کم بھوک لگتی ہے، بات یہ ہے کہ جوں جوں اسباب بڑھتے جاتے ہیں تو توں قویٰ کمزور ہوتے جاتے ہیں۔

برف کا کارخانہ کھلا اور پانی گرم ہوگیا

ہمارے حضرت شیخ نے آپ بیتی میں لکھا ہے اور حضرت کی مجلس میں بھی بارہا سنا ہے کہ سہارن پور میں پانی کا یہ حال تھا کہ گرمی کے زمانے میں نلکے (Hand Pump) سے جب پانی نکالتے تھے تو ایک دم ٹھنڈا ہوتا تھا، لیکن جس دن برف کا پہلا کارخانہ شروع ہوا تو نکلنے والے پانی کی وہ کیفیت نہ رہی، ویسا ٹھنڈا پانی نہ رہا جو پہلے آتا تھا۔

پہلے زمانہ میں جب لاؤڈ اسپیکر نہیں تھا تو کھیت میں مزدوری کرنے والے لوگ اذان کی آواز سن کر نماز ادا کرتے، گویا کانوں اور زبانوں میں یہ صلاحیت ہوتی تھی کہ آواز بلند نکلتی اور سنائی بھی دیتی، آج اگر ہم مسجد میں بیٹھے ہوں اور بجلی نہ ہو تو ہمیں پتہ نہیں چلتا کہ اذان ہوئی یا نہیں۔

پہلے زمانہ میں موٹر گاڑیاں نہیں تھیں تو لوگ میلوں پیدل چلتے تھے، اب سواریوں کی بہتات ہوئی تو حالت یہ ہے کہ کھیت میں جانا ہو تو بھی سواری کا انتظار کرتے ہیں، سواری نہ ہو تو دو تین گھنٹے انتظار کر کے گھر واپس آجاتے ہیں، چل کر جانے کی ہمت ہی نہیں کرتے، یہی حال مدارس میں بھی ہے، حضرت شیخ نے لکھا ہے کہ ہم جس زمانہ میں پڑھتے تھے تو پنکھے نہیں تھے اور اس سے پہلے تو بجلی بھی نہیں تھی، اب تو کمروں میں بھی پنکھے آگئے ہیں۔

سہولیات نے بیڑا غرق کیا

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ بیتی میں لکھا ہے کہ حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب مظاہری رحمۃ اللہ علیہ ناظم مظاہر علوم سہارنپور جب رنگون تشریف لے گئے تو وہاں کے لوگوں نے حضرت سے درخواست کی کہ مدرسہ میں پنکھے لگا دیئے جائیں، تو حضرت نے فرمایا کہ اس کی ضرورت نہیں، کیوں کہ اگر طلبہ پنکھے کے نیچے سبق پڑھیں گے تو جہاں پنکھے نہ ہوں گے، وہاں خدمت نہیں کریں گے، بات یہی ہے کہ ان سہولتوں نے ہمارا بیڑا غرق کر دیا ہے، اور جو علم بڑی مشقتوں سے حاصل کیا جاتا تھا، وہ آج حاصل نہیں ہوتا، ہمارے اسلاف نے علم حاصل کرنے کا جو طریقہ اختیار کیا تھا آج بھی وہی طریقہ ہے، فرق اتنا ہے کہ آج اتنی مشقت نہیں اٹھوائی جاتی ہے، اگر کوئی بغیر مشقت کے علم حاصل کرنا چاہے تو علم کی برکات سے محرومی یقینی ہے۔

علم بھی بے نیاز ہے

آپ نے یہ جملہ پڑھا ہوگا ''اَلْعِلْمُ لَا یُعْطِیْکَ بَعْضَهٗ حَتّٰی تُعْطِیَهٗ کُلَّکَ''، علم آپ کو اپنا تھوڑا حصہ بھی نہیں دے گا جب تک کہ آپ اپنا سب کچھ اس کے پیچھے نہ لگا دیں، علم اللہ کی صفت ہے اور اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے، تو اس کی صفت بھی مستغنی ہے، اگر ہم بے نیاز ہو کر علم حاصل کرنا چاہیں گے تو علم نہیں آئے گا، آپ محتاج بنئے اور اس کے لئے محنت ومشقت اٹھائیے، تب علم آسکتا ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ علم اسی انداز اور انہی آداب کی رعایت سے حاصل کیا جائے جیسے ہمارے اسلاف واکابر نے کیا تھا، تب تو امید ہے کہ کچھ علم آجائے گا اور پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے خدمتِ دین کی توفیق بھی میسر ہوگی۔

☆☆☆

کھڑے ہوکر کھانے کی ممانعت

موجودہ دور کا المیہ ہے کہ انسان انسانی تقاضوں اور شریعت کے رہنما اصولوں کو چھوڑ کر آزاد خیالی کی طرف بڑھ رہا ہے اور حیوانی طریقے اختیار کرتا جا رہا ہے، انہی میں سے ایک طریقہ بیاہ شادیوں کے موقع پر کھڑے ہوکر کھانے پینے کا رواج ہے جو تیزی کے ساتھ ترقی کر رہا ہے، اور معاشرہ کے لئے چیلنج بنتا جا رہا ہے۔

اس طریقہ کی ابتداء اہل یورپ نے اپنی معاشرتی ضروریات، عدیم الفرصتی، تنگ لباسی، اور سہل پسندی جیسی وجوہات کی بنا پر کی، پھر کچھ فیشن پرستوں نے اسے بطور فیشن اختیار کیا اور غیر یورپی افراد تک پہنچایا اس کے بعد مذہب بیزار اور آزاد خیال لوگوں نے اسے خوب ترقی دی، اور اب یہ طریقہ ہر معاشرے اور ہر طبقہ تک پہنچ گیا، غرض یہ طریقہ رہبر انسانیت ﷺ کے تعلیم کردہ اور پسندیدہ طریقہ کے برخلاف ہے۔

کھانے کا سنت طریقہ

کھانے کا سنت طریقہ یہ ہے کہ جوتے اتار کر، بنا کسی چیز کا سہارا لگائے تواضع کے ساتھ زمین پر بیٹھ کر، دستر خوان بچھا کر، کھانے کی طرف ہمہ تن متوجہ ہوکر،

کھانا کھایا جائے۔ کھڑے ہوکر کھانا پینا سنت کے خلاف اور انگریزوں کا نکالا ہوا حیوانی طریقہ ہے، ہادی عالم ﷺ نے اس مذموم طریقہ سے روکا اور ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا ہے۔ (۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہوکر پانی پینے کو منع فرمایا۔ پھر آپ سے پوچھا گیا کہ کھڑے ہوکر کھانے کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا وہ تو اس سے بھی زیادہ برا ہے۔ (ترمذی)

(۲) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کھڑے ہوکر پینے سے سختی کے ساتھ ڈانٹا۔ (مسلم شریف)

(۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے کھڑے ہوکر پینے سے منع فرمایا، حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا اور کھڑے ہوکر کھانا کیسا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ کھڑے ہوکر کھانا تو اس سے بھی زیادہ برا اور اس سے بھی زیادہ خبیث ہے۔ (مسلم شریف)

(۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص کھڑے ہوکر نہ پیئے، اگر کسی نے بھول سے کھڑے ہوکر پی لیا تو اسے چاہئے کہ وہ قے کر ڈالے۔ (مشکوٰۃ شریف)

حضرت ملا علی قاری اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ تم میں سے کوئی کھڑے ہوکر نہ پیئے، اگر کوئی پی بھی لے تو تکلف کے ساتھ قے کر دے۔ (مرقاۃ)

صاحب مظاہر حق لکھتے ہیں کہ اس حدیث کی صراحت کے مطابق اگر کسی شخص نے بھول سے کھڑے ہوکر پانی پیا ہے تو اس کے لئے مستحب ہے کہ وہ قے کر ڈالے۔ (مظاہر حق، ج:۵، ص:۱۳۱)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ’’جب بھول کر پینے میں قے کرنے کا حکم ہے تو قصداً پینے میں بدرجہ اولیٰ یہ حکم ہوگا۔ (اشعۃ اللمعات، ج:۳، ص:۵۲۲)

(۵) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ایک آدمی کو دیکھا جو کھڑے ہوکر پانی پی رہا تھا، آپ نے فرمایا قے کردو! اس نے پوچھا حضور کس وجہ سے، آپ نے فرمایا کہ کیا تم اس کو پسند کروگے کہ تمہارے ساتھ بلی پیئے، اس نے کہا نہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس سے زیادہ برے شیطان نے تیرے ساتھ پیا ہے۔ (فتح الملہم)

ان روایات سے کھڑے ہوکر کھانے پینے کی قباحت (برائی) کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

مولانا تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں کہ کھڑے ہوکر پینا تو مکروہ تنزیہی ہے لیکن کھڑے ہوکر کھانا مکروہ تحریمی اور ناجائز ہے، اس لئے کہ کھڑے ہوکر کھانے کو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بھی زیادہ خبیث (فتیج) اور برا طریقہ فرمایا ہے۔
(اصلاحی خطبات، ج:۵،ص:۲۳۸)

ترمذی کی شرح انتھاب المنن میں ہے کہ کھڑے ہوکر پینے کی طرح، کھڑے ہوکر کھانا بھی مکروہ ہے اور کھڑے ہوکر کھانے کی کراہت کھڑے ہوکر پینے سے بڑھ کر ہے۔ (ج:۱،ص:۲۳۴)

مولانا سیف اللہ رحمانی آنحضرت ﷺ کا عمل نقل کرتے ہیں کہ کھڑا ہونا تو درکنار پیچھے یا آگے کی جانب ٹیک لگا کر یا بائیں ہاتھ کا سہارا لے کر کھانا بھی آپ ﷺ نے پسند نہیں فرمایا۔ (حلال وحرام،ص:۱۱۰)

مولانا یوسف صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ ''کھانے کا سنت طریقہ یہ ہے دسترخوان بچھا کر بیٹھ کر کھایا جائے ہمارے یہاں تقریبات میں کھڑے ہوکر کھانے کا جو رواج چل نکلا ہے یہ سنت کے خلاف مغربی اقوام کی ایجاد کردہ بدعت ہے''۔ (آپ کے مسائل، ج:۷،ص:۱۷۶)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد تقی صاحب فرماتے ہیں کہ کھڑے ہوکر کھانے کا باقاعدہ اہتمام کرنا کسی طرح جائز نہیں، آج کل کی دعوتوں میں کھڑے ہوکر کھانے کا طریقہ عام ہوتا جارہا ہے اس سے بچنا چاہئے، اس لئے کہ یہ انسانوں کا طریقہ نہیں بلکہ جانوروں کا طریقہ ہے۔ (اصلاحی خطبات، ج:۵،ص:۲۳۹)

مفسر قرآن مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں کہ ''یہ تو چرنے کا طریقہ ہے، کھانے کا یہ طریقہ نہیں ہے۔ کبھی ادھر سے چرلیا، کبھی اُدھر سے چرلیا'' اور پھر اس طریقہ میں بے تہذیبی بھی ہے۔ ناشائستگی بھی ہے۔ اور مہمانوں کی بے عزتی بھی۔
(اصلاحی خطبات، ج:۵،ص:۲۳۹)

صاحب شمائل کبریٰ لکھتے ہیں کہ یہ (کھڑے ہوکر اور چل کر کھانا) جانوروں کا طریقہ ہے نہ کہ انسانوں کا یہی وجہ ہے کہ جانوروں کے افعال سے جانوروں کے اخلاق پیدا ہورہے ہیں ایسی دعوتوں میں شرکت خلافِ سنت اور مکروہ ہے۔
(شمائل کبریٰ، ج:۱،ص:۸۶)

کھڑے ہوکر کھانے پینے کے طبی نقصانات

یہ تو کھڑے ہوکر کھانے پینے کا شرعی حکم تھا اب اس کے طبی اور سائنسی نقصانات بھی ملاحظہ فرمائیں۔

مشہور سائنسداں اور ماہر اغذیہ ڈاکٹر بلن کیور آف اٹلی نے کھڑے ہوکر کھانے پر کئی قسم کی بیماریوں کے پیدا ہونے کا امکان ظاہر کیا ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں ''کہ کھڑے ہوکر غذا نہ کھاؤ ایسا کرنے سے تم دل اور تلی کے مرض میں مبتلا ہوجاؤ گے، بیٹھ کر کھاؤ اور کم کھاؤ، کیونکہ کھڑے ہوکر کھانا نفسیاتی امراض پیدا کرتا ہے اور اس سے ایک مرض ایسا پیدا ہوتا ہے کہ جس میں آدمی کو اپنوں کی پہچان ختم ہوجاتی ہے۔''
(سنت نبوی اور جدید سائنس، ج:۱،ص:۱۰۳)

مختصر یہ کہ

(۱) کھڑے ہوکر کھانا پینا اللہ کے نبیؐ کو سخت ناپسند ہے۔(۲) کھڑے ہوکر کھانا مکروہ تحریمی اور ناجائز ہے۔(۳) کھڑے ہوکر کھانا خبیث اور برا طریقہ ہے۔(۴) کھڑے ہوکر کھانے پینے پر قے کرنے کا حکم ہے۔(۵) کھڑے ہوکر کھانا شیطان کے ساتھ کھانے کے مانند ہے۔(۶) کھڑے ہوکر کھانا جانوروں اور چوپایوں کا طریقہ ہے۔(۷) کھڑے ہوکر کھانا بدتہذیبی اور ناشائستگی ہے۔(۸) کھڑے ہوکر کھلانے میں مہمان کی بے عزتی ہے۔(۹) کھڑے ہوکر کھانے سے انسانوں میں جانوروں کے اخلاق پیدا ہوتے ہیں۔(۱۰) کھڑے ہوکر کھانے میں طبعی اعتبار سے مضرت اوراس سے کئی طرح کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔

قوتِ فکر وعمل پہلے فنا ہوتی ہے
پھر کسی قوم کی شوکت پہ زوال آتا ہے

☆☆☆

حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ

دمشق اور اردن کے بعد لشکر اسلام نے حمص کا علاقہ فتح کیا تو امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عباس رضی اللہ عنہ بن غنم کو وہاں کا گورنر مقرر کیا۔ کچھ عرصہ بعد وہ فوت ہوگئے۔تو امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے حضرت سعید رضی اللہ عنہ بن عامر کو طلب کیا۔ یہ غزوہ خیبر سے قبل مسلمان ہوگئے تھے،اور ہجرت کے بعد مدینہ آکر غزوۂ خیبر میں شریک ہوئے تھے۔زہد وتقویٰ اور فقر ودرویشی میں ممتاز تھے۔امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی طلبی پر حاضر ہوئے تو امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔سعید رضی اللہ عنہ! میں تمہیں گورنر بنا کر حمص بھیجنا چاہتا ہوں۔ وہاں جانے کی تیاری کرو۔حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے منت سماجت کے انداز میں کہا۔امیر المومنین رضی اللہ عنہ! اس کام کے لئے کسی دوسرے آدمی کو منتخب فرمالیجئے مجھے مجبور نہ کیجئے۔

جب کافی بحث وتمحیص کے بعد بھی حضرت سعید رضی اللہ عنہ نہ مانے تو امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے غصہ میں فرمایا۔

مجھ کو تم لوگوں نے خلافت کا بارگراں سونپ دیا لیکن جب میں تم سے اس معاملے میں کچھ مدد لینا چاہتا ہوں تو تم دامن بچاتے ہو۔

آخر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے بے حد اصرار پر حضرت سعید رضی اللہ عنہ مان گئے اور حمص کی گورنری کا منصب قبول فرمالیا۔ جب حمص روانہ ہونے لگے تو امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ میں تمہاری کچھ تنخواہ بھی مقرر کردوں؟

عرض کیا۔ بیت المال سے جو خرچہ مجھے ملتا ہے۔ وہ بہت کافی ہے۔ گورنری کی تنخواہ لے کر میں کیا کروں گا۔

کچھ عرصہ گزرنے کے بعد حمص سے کچھ لوگ مدینہ منورہ میں آئے۔ یہ حمص کے ذمہ دار لوگ تھے۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے انہیں بلایا اور کہا۔ تمہارے شہر میں جو نادار اور حاجت مند لوگ ہیں ان کے ناموں کی ایک فہرست بنا کر مجھے دو تاکہ ان لوگوں نے اس حکم کی تعمیل کی اور ضرورت مندوں کی فہرست امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کی۔ فہرست میں سب سے پہلا نام سعید رضی اللہ عنہ بن عامر کا تھا۔

امیرلمومنین رضی اللہ عنہ نے حیرت سے پوچھا، یہ سعید رضی اللہ عنہ بن عامر کون ہیں؟

لوگوں نے کہا امیر المومنین رضی اللہ عنہ! یہ ہمارے گورنر ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان سے زیادہ غریب ہمارے پورے حمص میں کوئی نہیں۔ کئی کئی دن گزر جاتے ہیں ان کے گھر میں چولہا گرم نہیں ہوتا۔ یہ سن کر امیر المومنین رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ اتنا روئے کہ داڑھی مبارک تر ہوگئی۔ پھر بیت المال سے ایک ہزار دینار کی تھیلی منگوائی اور ان لوگوں کے حوالے کرتے ہوئے کہا:

اپنے گورنر سعید رضی اللہ عنہ بن عامر کو میرا اسلام کہنا اور کہنا کہ یہ رقم امیر المومنین نے خاص طور پر تمہارے لئے بھجوائی ہے۔ اس سے اپنی ذاتی ضروریات پوری کریں۔

وفد نے واپس آکر تھیلی حضرت سعید رضی اللہ عنہ بن عامر کے حوالے کی اور امیر المومنین رضی اللہ عنہ کا پیغام پہنچایا۔ ایک ہزار دینار کا نام سنتے ہی حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے تھیلی پرے پھینک دی اور بلند آواز سے ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' اس طرح پڑھا

جیسے کوئی بہت بڑی آفت ان پر آن پڑی ہو۔ انا للہ کی آواز سن کر ان کی اہلیہ بھاگی ہوئی آئیں اور پوچھا کیا ہوا؟ فرمایا بہت بڑا حادثہ ہوگیا۔ اہلیہ نے پوچھا کیا امیر المومنین رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوگیا؟ فرمایا اس سے بھی بڑی آفت ٹوٹ پڑی ہے۔ پوچھا کیا مسلمان کسی بڑی جنگ میں پھنس گئے ہیں؟ فرمایا: دنیا میرے گھر میں داخل ہوگئی ہے۔ یہ بات سن کر ان کی اہلیہ بھی گھبرا گئیں۔ بولیں جیسے بھی ہو اس سے چھٹکارا پاؤ۔ اہلیہ کا یہ جواب سن کر حضرت سعید رضی اللہ عنہ بن عامر نے انہیں امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی طرف سے آنے والی تھیلی کا واقعہ سنایا اور کہا کہ اس معاملے میں تم میری مدد کرو۔

اہلیہ بولیں! ہاں میں تمہاری مدد کروں گی۔

حضرت سعید رضی اللہ عنہ بن عامر تو حسب معمول رات کو عبادت میں مشغول رہے، لیکن ان کی اہلیہ ایک پل نہ سو سکیں۔ وہ رات بھر اللہ سے دعا کرتی رہیں کہ یا اللہ دیناروں کی یہ تھیلی جلد از جلد اصل مستحقین تک پہنچ جائے۔

اگلی صبح وہ نماز سے فارغ ہوئیں تو باہر گلی میں شور سنائی دیا۔ معلوم ہوا کہ اسلامی لشکر جہاد کے لئے روانہ ہو رہا ہے۔ انہوں نے فوراً اپنے شوہر سعید رضی اللہ عنہ بن عامر کو دیناروں کی تھیلی دیتے ہوئے کہا اٹھو اور یہ تھیلی امیر لشکر کے حوالے کر دو۔ تاکہ وہ اسے مجاہدین کی ضرورت میں خرچ کرلیں۔

ابھی اس واقعہ کو زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خود شام کے حالات کا جائزہ لینے کیلئے وہاں تشریف لائے۔ اس زمانے میں سربراہ مملکت کو اپنی حفاظت کے لئے فوج یا پولیس کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔ ان کے اچھے کاموں کی وجہ سے لوگ ان سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ ویسے بھی انہیں اپنے استقبال کیلئے لوگوں کو جمع کرنے کا شوق نہ تھا۔ اس لئے وہ اطلاع دیئے بغیر لوگوں کے حالات معلوم کرنے کیلئے دوسرے صوبوں اور شہروں میں پہنچ جاتے تھے۔

حمص کے لوگوں کو امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی آمد کی اطلاع ہوئی۔ وہ سلام کیلئے حاضر ہوئے۔امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے حاضرین سے پوچھا کہ تمہارے گورنر صاحب کا کیا حال ہے؟ یہ پوچھنا تھا کہ بعض لوگ تو جیسے پھٹ پڑے، لگے گورنر کی شکایتیں کرنے۔امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے سب کی شکایات نوٹ کرلیں اور حکم دیا کہ سعید بن عامر رضی اللہ عنہ کو فوراً بلایا جائے تا کہ وہ ان شکایات کا جواب دیں۔

تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ حضرت سعید رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ایک ہاتھ میں عصا تھا اور دوسرے ہاتھ میں ایک پیالہ۔انہیں دیکھ کر امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور دعا کی اے اللہ! سعید بن عامر رضی اللہ عنہ کے بارے میں میرا جو تصور ہے وہ غلط نہ ہو۔ مجھے رسول اللہ ﷺ کے اس بلند مرتبہ صحابی پر بڑا اعتماد ہے۔سعید بن عامرؓ قریب آئے تو امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے پوچھا۔کیا تمہارے پاس بس اسی قدر سامان ہے؟ عرض کیا امیر المومنین رضی اللہ عنہ اس سے زیادہ سامان کی مجھے کیا ضرورت ہے؟

پیالہ میں کھاتا ہوں اور عصا کے ساتھ زادراہ لٹکاتا ہوں۔امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہاں چند لوگ تمہاری شکایت کرتے ہیں تم ان کی شکایت کا جواب دو پھر حمص کے ان چند لوگوں نے پہلی شکایت یہ کی کہ گورنر سورج نکلنے کے بعد گھر سے باہر نکلتے ہیں۔اس سے پہلے ہم ان تک اپنی کوئی بات نہیں پہنچا سکتے۔ یہ سن کر امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے حضرت سعید رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا یہ بات درست ہے۔

امیر المومنین رضی اللہ عنہ! حضرت سعید رضی اللہ عنہ بولے میں یہ بات بیان نہیں کرنا چاہتا تھا،لیکن اب صورت حال ایسی آن پڑی ہے کہ بیان کرنے پر مجبور ہوں۔ بات یہ کہ میرے پاس کوئی خادم نہیں ہے۔ بیوی بوڑھی اور بیمار ہے اس لئے ہر صبح اٹھ کر مجھے گھر والوں کے لئے آٹا گوندھنا پڑتا ہے۔پھر ان کے لئے روٹی پکاتا ہوں اس کے بعد وضو کر کے لوگوں کی خدمت کے لئے مسجد میں آجاتا ہوں۔

دوسری شکایت لوگوں نے کی کہ یہ رات کے پچھلے پہر ہماری کوئی شکایت نہیں سنتے۔

امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے حضرت سعید رضی اللہ عنہ سے پوچھا: اس کا کیا جواب ہے۔

حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ بات بھی اب مجبوراً بتانی پڑے گی۔

یا امیر المومنین رضی اللہ عنہ میں نے تمام دن لوگوں کی خدمت کے لئے وقف کر رکھا ہے اور رات اپنے رب کی عبادت کے لئے۔

تیسری شکایت لوگوں نے بیان کی کہ مہینہ میں ایک دن ایسا ضرور آتا ہے کہ یہ دن کا بیشتر حصہ ہم سے نہیں ملتے۔اس کے جواب میں حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے کہا۔

بات یہ ہے کہ میرے جسم پر جو کپڑے ہیں۔ان کے علاوہ میرے پاس اور کوئی کپڑا نہیں ہے مہینہ میں ایک مرتبہ خود ان کپڑوں کو دھوتا ہوں پھر ان کے سوکھنے کا انتظار کرتا ہوں۔اس سے مجھے باہر آنے میں تاخیر ہو جاتی ہے۔

چوتھی شکایت یہ کی کہ کبھی کبھی یہ بیٹھے بیٹھے بے ہوش ہو جاتے ہیں اور اہل مجلس سے بے خبر ہو جاتے ہیں۔

اس بارے میں جواب عرض کرتے ہیں۔

بات یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں جب کفار مکہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ بن عدی کو سولی پر لٹکا کر ان کے ایک ایک عضو کاٹ رہے تھے، میں اس وقت وہاں موجود تھا۔ عقبہ بن حارث ان سے پوچھتا تھا کہ اے ابن عدی رضی اللہ عنہ! کیا تم یہ پسند کرو گے کہ تمہاری جگہ محمد ﷺ ہوں اور تم چھوٹ جاؤ۔ یہ سن کر حضرت خبیب رضی اللہ عنہ جواب دیتے تھے کہ اللہ کی قسم مجھے تو یہ بھی گوارا نہیں کہ محمد ﷺ کو ذرا سا کانٹا بھی چبھے اور میں گھر میں اپنے بیوی بچوں میں بیٹھوں۔ میری تو پہلی اور آخری خواہش یہی ہے کہ محمد ﷺ پر قربان ہو جاؤں۔

امیر المومنین رضی اللہ عنہ! مجھے زندگی میں جب بھی وہ منظر یاد آتا ہے میں بے قرار ہوجاتا ہوں۔ مجھے بار بار یہ خیال ستاتا ہے کہ میں نے اس وقت خبیب رضی اللہ عنہ کی مدد کیوں نہ کی۔ اس جرم میں اللہ تعالیٰ مجھے کبھی معاف نہ کرے گا۔ یہ خیال آتے ہی مجھ پر بے ہوشی طاری ہوجاتی ہے۔

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور اتنا روئے کہ داڑھی مبارک تر ہوگئی۔ جب ذرا سنبھلے تو فرمایا۔ یا اللہ تیرا شکر ہے کہ سعید رضی اللہ عنہ بن عامر کے بارے میں میرا اعتماد مجروح نہیں ہوا۔ (سیر الصحابہ جلد دوم، از معین الدین ندوی)

☆☆☆

حشر و نشر

’’قیامت کے دن لوگوں کو ایسی زمین پر جمع کیا جائے گا، جو بالکل صاف ایک دم سفید ہوگی، گویا وہ آٹے کی ٹکیا ہے اس پر کسی کا کوئی نشان نہ ہوگا‘‘۔

دنیا میں جرائم پیشہ لوگ جنگلوں، غاروں، پہاڑوں اور گھروں میں چھپ جاتے ہیں، لیکن وہ اللہ اور اس کے کارندوں (فرشتوں) کی نظر سے کہیں نہیں جاسکتے۔ انسان کہیں بھی چھپ کر بیٹھے ملک الموت وہیں پہنچ کر اس کی روح قبض کرلیتا ہے اور جہاں اللہ کا حکم ہوتا ہے، روح کو وہیں جانا پڑتا ہے، لیکن جب کائنات دوبارہ بنائی جائے گی، زمین کی از سرِ نو تخلیق ہوگی اور سارے انسان زندہ ہوکر زمین پر جمع ہوں گے، تاکہ وہ اللہ کے حضور کھڑے ہوکر اپنے اعمال کا جواب دیں تو چھپنے کی یہ جگہیں بھی انسان کو میسر نہ آئیں گی، اس وقت زمین بالکل سپاٹ ہوگی، اس میں کوئی جنگل، کوئی پہاڑ، کوئی غار، کوئی گھر اور کوئی نشیب وفراز نہ ہوگا۔ قرآن مجید میں ہے:

’’وَیَوۡمَ نُسَیِّرُ الۡجِبَالَ وَتَرَی الۡاَرۡضَ بَارِزَۃً وَّحَشَرۡنَاھُمۡ فَلَمۡ نُغَادِرۡ مِنۡھُمۡ اَحَداً‘‘۔ (سورہ الکہف:۴۷)

”اور وہ دن جب ہم پہاڑوں کو (زمین سے) ہٹا دیں گے اور تم زمین کو بالکل سپاٹ چٹیل میدان دیکھو گے اور ہم ان (انسانوں) کو جمع کریں گے تو ان میں سے کسی کو نہ چھوڑیں گے“۔

پہاڑ دھول بن کر اڑ جائیں گے

”وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنسِفُهَا رَبِّىْ نَسْفًا فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا. لَا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَا اَمْتًا“۔ (سورہ طٰہٰ:۱۰۵-۱۰۷) ”اور لوگ تم سے پہاڑوں کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہو: میرا رب انہیں دھول بنا کر اڑا دے گا۔ اور زمین کو ایسا ہموار چٹیل میدان بنا دے گا۔ کہ تم اس میں کوئی نشیب و فراز نہ دیکھو گے“۔

حدیث میں قرآن مجید کے اسی مفہوم کو دوسرے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے، منشا یہ ہے کہ سب انسانوں کو اللہ کی عدالت میں حاضر ہونا پڑے گا، کوئی مجرم چھپ کر کہیں نہ جا سکے گا، کیوں کہ چھپنے کی کوئی جگہ موجود نہ ہوگی، نہ کسی کا کوئی گھر ہوگا، نہ کسی صاحب امارت و ثروت کا کوئی نشان ہوگا۔

قیامت کے دن ہر شخص برہنہ ہوگا

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ يُحْشَرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلاً قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ جَمِيْعًا يَنْظُرُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ فَقَالَ يَا عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَلْاَمْرُ اَشَدُّ مِنْ اَنْ يَّنْظُرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ. (صحیح البخاری، صحیح مسلم)

”عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: قیامت کے روز لوگ ننگے پیر، ننگے بدن اور بے ختنہ (اٹھائے اور) جمع کئے جائیں

گے۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا مرد اور عورتیں سب (اس حالت میں اٹھائے اور جمع کئے جائیں گے اور وہ) ایک دوسرے کو دیکھتے ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: معاملہ اتنا شدید ہوگا کہ کوئی کسی کو نہ دیکھے گا“۔

حدیث میں دو باتیں واضح کی گئی ہیں، ایک یہ کہ لوگ فطری حالت پر پیدا ہوں گے، جس طرح ہر شخص ننگا اور بے ختنہ پیدا ہوتا ہے، اسی طرح آخرت میں سب لوگ ننگے اور بے ختنہ اٹھیں گے، نہ کسی کے پاس کپڑے ہوں گے اور نہ جوتے۔ فرق صرف اتنا ہوگا کہ انسان بچہ پیدا ہوتا ہے۔ اور قیامت کے روز وہ جوان اٹھے گا۔ قرآن مجید میں ہے: **كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ.** (الانبیاء:۱۰۴)

”جیسا ہم نے پہلی بار پیدا کیا، ہم دوبارہ پیدا کریں گے“۔

اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ جس طرح پہلی بار انسان کو پیدا کرنے میں وقت نہ ہوئی تھی، اسی طرح دوبارہ اسے پیدا کرنے میں دقت نہ ہوگی، دوسرا مطلب یہ ہے کہ دوسری تخلیق پہلی تخلیق کے مشابہ ہوگی۔ حدیث میں دوسری بات یہ بتائی گئی ہے کہ لوگ میدان حشر کے شدائد اور حساب و کتاب کے خوف سے اس قدر بدحواس ہوں گے کہ وہ ایک دوسرے کو دیکھ نہ رہے ہوں گے۔ قرآن مجید میں ہے:

انسانوں کو اپنا ہوش نہ ہوگا

”اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ. مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ وَاَفْئِدَتُهُمْ هَوَآءٌ“۔ (ابراہیم:۴۲-۴۳)

”وہ ان (ظالموں کی سزا) کو اس دن تک کے لئے موخر کر رہا ہے، جب کہ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ وہ سر اٹھائے بھاگے چلے جا رہے ہوں گے، ان کی پلک جھپک نہ رہی ہوگی، اور دل اڑے جاتے ہوں گے“۔

اس بدحواسی کے عالم میں جب کہ انسان کو اپنا ہوش نہ ہوگا،
دوسروں کووہ کیا دیکھے گا!

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّكُمْ مَحْشُوْرُوْنَ حُفَاةً عُرَاةً غُرْ لًا ثُمَّ قَرَءَ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُهٗ، وَعْداً عَلَیْنَا اِنَّا كُنَّا فَاعِلِیْنَ. وَاَوَّلُ مَنْ یُّكْسٰی یَوْمَ الْقِیَامَةِ اِبْرَاهِیْمُ وَاِنْ نَاساً مِّنْ اَصْحَابِیْ یُوْخَذُبِهِمْ ذَاتَ الشِّمَالِ فَاَقُوْلُ اَصْحَابِیْ فَیَقُوْلُ اِنَّهُمْ لَنْ یَّزَالُوا مُرْتَدِیْنَ عَلٰی اَعْقَابِهِمْ مُذْفَارَقْتَهُمْ فَاَقُوْلُ كَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ وَكُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْداً مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ اِلٰی قَوْلِهِ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْم. (صحیح البخاری، صحیح مسلم، جامع الترمذی)

”ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: تم (قیامت کے روز ننگے پیر، ننگے بدن اور بے ختنہ اٹھائے اور جمع کئے جاؤ گے، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: ”كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُهٗ، وَعْداً عَلَیْنَا اِنَّا كُنَّا فَاعِلِیْنَ.“ ۔(انبیاء: ۱۰۴) ”جیسا کہ ہم نے پہلی بار پیدا کیا، ہم دوبارہ پیدا کریں گے۔ یہ (ہمارا) وعدہ ہے جو ہمارے ذمے ہے، ہم ضرور کر کے رہیں گے“۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا

پھر آپ نے فرمایا کہ قیامت کے روز سے پہلے (نبی) ابراہیم کو کپڑے پہنائے جائیں گے اور میرے ساتھیوں میں سے کچھ لوگوں کو بائیں طرف (جہنم میں لے جانے کے لئے) لے جایا جائے گا تو میں کہوں گا: میرے ساتھی! میرے ساتھی! تو اللہ فرمائے گا: تم جب ان سے جدا ہوئے، یہ الٹے پاؤں پیچھے ہٹے چلے گئے تو میں کہوں گا، جیسے کہ عبد صالح (عیسیٰ مسیح) نے کہا:

”وَكُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْداً مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ وَاَنْتَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ. اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ“ ۔(المائدہ:۱۱۷-۱۱۸)

”اور جب تک ان (اپنے ماننے والوں) میں رہا میں ان کا نگراں تھا، جب تو نے مجھے اٹھالیا تو تو ہی ان پر نگراں تھا اور تو ہر شئے پر نگراں ہے۔ اگر تو انہیں عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو تو زبردست اور حکمت والا ہے“۔

اس حدیث میں ایک بات تو وہی بیان کی گئی ہے، جو پچھلی حدیث میں بیان کی گئی تھی۔ یعنی قیامت کے روز لوگ اپنی فطری حالت میں اٹھیں گے۔ دوسری بات یہ واضح کی گئی ہے کہ اللہ کے مقرب بندے اس دن اللہ کے عطا کردہ کپڑوں میں ملبوس ہونگے اور ان میں سب سے پہلے ابراہیم علیہ السلام کی جامہ پوشی کی جائے گی، وہ بے شمار انسانوں کے پیشوا، بہت سے نبیوں کے جدامجد اور اللہ کے خلیل ہیں۔

سارے معاملات اللہ کے ہاتھ میں

ایک اور بات جو اس حدیث سے معلوم ہوتی ہے یہ ہے کہ بعض افراد کو جنہیں نبی ﷺ اپنا ساتھی سمجھیں گے، جہنم میں ڈالے جانے والوں میں شامل کیا جائے گا۔ نبی ﷺ میرے ساتھی! میرے ساتھی! کہہ کر انہیں بچانا چاہیں گے، اس وقت اللہ تعالیٰ یہ انکشاف فرمائے گا کہ اے محمد! تمہارے انتقال کے بعد یہ دین کے تقاضے پورا کرنے کے معاملے میں پیچھے ہٹتے چلے گئے۔ اس کے بعد نبی ﷺ انہیں بچانے کے لئے کچھ نہ کر سکیں گے اور معاملے کو اللہ کے حوالے کر دیں گے اور آخرت میں معاملات سارے کے سارے اللہ ہی کے ہاتھ میں ہوں گے بھی۔

اس مفہوم کی ایک اور حدیث ہے اور وہ یہ ہے:

حوضِ کوثر

اِنِّیْ فَرَطُکُمْ عَلَی الْحَوْضِ. مَنْ مَرَّ عَلَیَّ شَرِبَ وَمَنْ شَرِبَ لَمْ یَظْمَأْ اَبَدًا. لَیَرِدَنَّ عَلَیَّ اَقْوَامٌ اَعْرِفُھُمْ وَیَعْرِفُوْنَنِیْ ثُمَّ یُحَالُ بَیْنِیْ وَبَیْنَھُمْ فَاَقُوْلُ اِنَّھُمْ مِنِّی فَیُقَالُ اِنَّکَ لَا تَدْرِیْ اَحْدَثُوْا بَعْدَکَ فَاَقُوْلُ سُحْقًا سُحْقًا لِمَنْ غَیَّرَ بَعْدِیْ. (صحیح البخاری، صحیح مسلم) ”میں تم سے پہلے حوض (کوثر) پر جا رہا ہوں، جو (قیامت میں) میرے پاس گزرے گا (حوض سے) پئے گا اور جو (اس میں سے) پئے گا کبھی پیاسا نہ ہوگا تو میرے پاس (حوض کوثر پر) کچھ ایسے لوگ آئیں گے، جن کو میں پہچانتا ہوں گا اور جو مجھے پہچانتے ہوں گے، پھر انہیں میرے پاس سے ہٹا دیا جائے تو میں کہوں گا کہ وہ میرے لوگ ہیں تو (مجھ سے) کہا جائے گا، تمہیں نہیں معلوم انہوں نے تمہارے بعد (دین میں) کیا کیا نئی باتیں پیدا کیں تو میں کہوں گا، ہلاکت ہو ان کے لئے جنہوں نے میرے بعد ((دین میں) تبدیلی کی“۔

یہ دونوں حدیثیں دل ہلا دینے والی ہیں۔ ان سے واضح ہوتا ہے کہ دین کے اتباع اور اقامت کے کام میں کوئی شخص اپنا حصہ ادا نہ کرے تو رسول اللہؐ کی صحبت بھی اسے اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتی، ان احادیث سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ کوئی شخص آگے بڑھ کر پیچھے ہٹ جائے یا بن کر بعد میں بگڑ جائے تو وہ بھی اللہ کے عذاب سے نہیں بچ سکتا۔ سابقہ اطاعت بعد کی نافرمانی کیلئے کفارہ نہیں بن سکتی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال ہوگا

قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز عیسیٰ مسیح علیہ السلام سے دریافت فرمائے گا: ”اے عیسیٰ بن مریم! کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا: مجھے اور میری

ماں کو اللہ کے سوا اپنا خدا بنا لو“۔ عیسیٰ مسیح اس کے جواب میں شرک سے اپنی برأت کا اعلان کرتے ہوئے فرمائیں گے کہ میں نے لوگوں کو توحید ہی کی دعوت دی تھی، پھر اللہ کے حضور عرض کریں گے: ”میں جب تک ان (اپنے ماننے والوں) میں رہا ان کا نگراں تھا، جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو تو ہی ان پر نگراں تھا اور تو ہر شے پر نگراں ہے۔ اگر تو انہیں عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور انہیں بخش دے تو زبردست اور حکمت والا ہے“۔ (سورہ المائدہ: ۱۱۷-۱۱۸)

قیامت میں جب نبی ﷺ پر یہ منکشف ہوگا کہ آپ کے کچھ ساتھی آپ کے بعد دین کے تقاضے پورے کرنے کے معاملے میں پیچھے ہٹتے چلے گئے تو آپ یہی الفاظ اللہ کے حضور دہرائیں گے۔

دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ ایسے افراد کے حق میں بد دعا فرمائیں گے، جنہوں نے آپ کے بعد اللہ کے دین میں کچھ کمی بیشی کی ہوگی۔ اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ دین میں کمی بیشی کا معاملہ انتہائی شدید ہے اور ایسا شخص اللہ کے رسول ﷺ کی شفاعت کے بجائے آپ کی بددعا کا مستحق ہے۔

تمام صحابہ عادل وثقہ ہیں

اہل سنت کا مسلمہ ہے: اَلصَّحَابَۃُ کُلُّھُمْ عَدُوْلٌ۔ صحابہ سب کے سب عادل وثقہ ہیں، یہ مسلمہ بہ ظاہر ان احادیث سے ٹکراتا ہے۔ یا تو یہ مسلمہ غلط ہے یا یہ احادیث مشتبہ ہیں۔ مسلمہ کو غلط ماننے کی صورت میں ایک عظیم دقت پیش آتی ہے اور وہ یہ کہ نہ صرف احادیث کا سارا ذخیرہ بلکہ پورا دین مشتبہ ہو جاتا ہے، کیوں کہ احادیث ہی نہیں، پورا دین صحابہ کرام کے ذریعے منتقل ہوا ہے، رہیں یہ دونوں حدیثیں تو وہ سند صحیح سے مروی ہیں اور انہیں مشتبہ قرار دینے کی گنجائش نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلمہ بھی صحیح ہے اور احادیث بھی صحیح ہیں، البتہ احادیث کا مطلب وہ نہیں ہے، جو ظاہر الفاظ سے سمجھ میں آتا ہے، مسلمہ کا مطلب، جیسا کہ محققین نے صراحت کی ہے، یہ ہے کہ صحابہ کرام دین کو منتقل کرنے کے معاملے میں ثقہ ہیں، وہ نبی ﷺ کی طرف جھوٹ منسوب نہیں کر سکتے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بشری کمزوری کے تحت ان سے چھوٹے بڑے کسی گناہ کا صدور نہیں ہوسکتا۔ قرآن مجید، صحیح احادیث اور تاریخ کے مستند مآخذ سے یہ ثابت ہے کہ خود دورِ نبوی میں متعدد صحابہ کرام سے چھوٹی بڑی غلطیاں ہوئیں۔ یہیں نہیں، بعض جرائم کے سلسلے میں ان پر شرعی حدود کا نفاذ بھی ہوا، جن میں چوری، زنا اور قذف کی سزائیں بھی شامل ہیں۔ دورِ نبوی کے بعد بھی اس طرح کے واقعات حدیث اور تاریخ کے مستند ذخیروں میں محفوظ ہیں۔ صحابہ کرام اپنی بلند ترین عظمتوں کے باوجود انسان ہی تھے۔ ان سے غلطیوں کا صدور ہوسکتا تھا اور کبھی کبھی ہو بھی جاتا تھا، پھر صحابہ کرام میں درجات کا اختلاف بھی تھا، کچھ اصحاب اللہ کے رسول ﷺ کی صحبت میں زیادہ رہے تھے، اس لئے انہیں تربیت کے زیادہ مواقع ملے تھے۔ کچھ کو آپ کی صحبت و تربیت کم میسر آئی تھی، ایسے صحابی بھی تھے، جو آپ سے ایک یا دو بار ہی ملاقات کر سکے تھے۔ پھر جانی و مالی قربانیوں اور صلاحیت و کردار کے لحاظ سے بھی ان کے درجات مختلف تھے۔

منافقین کا ذکر

ہوسکتا ہے کہ احادیث میں ان افراد کا ذکر ہو، جو مسلمان شمار ہوتے تھے، مگر فی الواقع منافق تھے۔ ان میں ایسے بھی تھے جن کا نفاق خود نبی ﷺ پر واضح نہ تھا۔ قرآن مجید میں ہے: ''وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُوْنَ وَمِنْ اَهْلِ

الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ ''۔ (التوبہ:۱۰۱) ''اور تمہارے اردگرد جو بدو ہیں ان میں اور اہل مدینہ میں سے کچھ منافق ہیں، یہ لوگ نفاق پر اڑے ہوئے ہیں تم انہیں نہیں جانتے، ہم انہیں جانتے ہیں''۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان افراد کی طرف اشارہ ہو، جو دورِ نبوی میں مسلمان تھے، مگر آپ کے انتقال کے بعد مرتد ہو گئے تھے، یا زکوٰۃ کی فرضیت یا بیت المال میں اس کی ادائیگی کے منکر ہو گئے تھے، ان مرتدین سے صحابہ کرام نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں جنگ کی تھی، ان میں سے کچھ نے توبہ کر کے مخلصانہ ایمان کی راہ اختیار کر لی تھی اور کچھ کفر کی حالت میں مارے گئے۔

چہرے کے بل چلایا جائے گا

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَجُلاً قَالَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْشَرُ الْكَافِرُ عَلَى وَجْهِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ اَلَيْسَ الَّذِىْ اَمْشَاهُ عَلَى الرِّجْلَيْنِ فِى الدُّنْيَا قَادِرٌ عَلَى اَنْ يُّمْشِيَه عَلَى وَجْهِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (صحیح البخاری، صحیح مسلم)

''انس سے مروی ہے کہ ایک شخص نے کہا: اے اللہ کے نبی! قیامت کے روز کافر کو اس کے چہرے کے بل کیسے اٹھایا اور جمع کیا جائے گا؟ (چہرے کے بل کیسے چلایا جائے گا) آپ نے فرمایا: جس ہستی نے اسے دنیا میں دو پاؤں کے بل چلایا، کیا وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ قیامت کے دن اسے اس کے منہ کے بل چلائے؟''۔

قرآن مجید میں ہے:

''وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ''۔

''اور ہم انہیں قیامت کے روز ان کے چہرے کے بل اٹھائیں گے، وہ اندھے، گونگے اور بہرے ہوں گے''۔ (سورہ الاسراء:۹۷)

یہی بات سورۃ الفرقان آیت ۳۴ میں بھی فرمائی گئی ہے۔ حدیث میں ان ہی آیات سے متعلق ایک سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ کافر قیامت کے روز منہ کے بل کیسے چلائے جائیں گے، کیوں کہ دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ اپنے پیروں کے بل چلتے ہیں۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ انسان پیروں کے بل اللہ کے قانون اور اس کے حکم کے تحت چلتے ہیں، اسی اللہ کا حکم جب ہوگا کہ کافر لوگ چہرے کے بل چلیں تو وہ چہرے کے بل چلنے لگیں گے۔ جس طرح اللہ پاؤں کو یہ طاقت بخش سکتا ہے کہ انسان اسکے بل چلے، اسی طرح وہ چہرے کو بھی یہ طاقت بخش سکتا ہے کہ انسان اس کے بل چلے، اصل چیز اللہ کا حکم اور اس کی قدرت ہے نہ کہ چہرہ اور پاؤں۔

چلنے سے متعلق مثالیں

چلنے کے سلسلے میں ہم دنیا میں مختلف انداز دیکھتے ہیں۔ بہت سے حشرات الارض پیٹ کے بل چلتے ہیں، کچھ جاندار پیروں سے چلتے ہیں، کچھ چار سے اور کچھ بہت سے پیروں سے انسان پیروں سے اور سیدھا کھڑے ہو کر چلتا ہے، ان سب طریقوں کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہتے ہیں، اس لئے ہم ان سے مانوس ہیں۔ چہرے کے بل ہم نے انہیں چلتے نہیں دیکھا، اس لئے ہمیں یہ چیز عجیب سی معلوم ہوتی ہے، بالکل اسی طرح جیسے کسی جاندار نے کبھی انسان کو نہ دیکھا ہو، جب وہ پہلی بار انسان کو دیکھے گا کہ وہ سیدھا کھڑے ہو کر دو پیروں کے بل چل رہا ہے تو اسے یہ بات عجیب معلوم ہوگی۔ پیروں میں چلنے کی، آنکھوں میں دیکھنے کی اور کانوں میں سننے کی طاقت اللہ نے رکھی ہے، اسی لئے ہم ان سے چلتے، دیکھتے اور سنتے ہیں۔ بعض جاندار آنکھوں اور کانوں سے نہیں، اپنی کھال اور دوسرے اعضا سے دیکھتے، سنتے ہیں، یہ سب کچھ اللہ کے حکم سے ہوتا ہے۔ آپ سے آپ نہیں ہو جاتا، وہی اللہ

کافر کو قیامت کے روز حکم دے گا کہ وہ منہ کے بل چلے اور منہ کے بل چلنے لگے گا۔

قیامت کے دن بعض سر کے بل چلیں گے

یہ بات کہ کافر کو قیامت کے روز منہ کے بل کیوں چلایا جائے گا اور اسے اندھا بہرہ اور گونگا کیوں اٹھایا جائے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آخرت کی جزا دنیا میں انسان کے رویے کے عین مطابق ہوگی، کافر دنیا میں اپنی آنکھوں سے اللہ کی قدرت وحکمت کے آثار نہیں دیکھتا، کانوں سے حق کی آواز نہیں سنتا، منہ سے حق بات نہیں کہتا، دماغ سے سوچ سمجھ کر حق کو قبول نہیں کرتا اور اپنے سر کو، جسے اللہ نے بلندی اور بزرگی بخشی ہے، غیر اللہ کے آگے جھکاتا ہے۔ فی الحقیقت وہ دنیا میں بھی اندھا، بہرا اور گونگا ہے اور اس کا سر اوپر کے بجائے نیچے کو ہے۔ اگر چہ بہ ظاہر وہ ہمیں اس کے برعکس نظر آتا ہے۔ آخرت میں یہ ظاہر فریب پردہ اٹھ جائے گا اور اندھا، بہرہ اور گونگا انسان اپنے حقیقی روپ میں لوگوں کے سامنے آجائے گا اور اس کا سر اوپر کے بجائے نیچے کی طرف ہوگا اور وہ اس سے چل رہا ہوگا۔

☆☆☆

سائل اور حاجت مندوں کے حقوق

ارشادِ ربانی ہے:

’’جن کے مالوں میں مانگنے والوں اور محروم لوگوں کیلئے حق ہے‘‘۔(الذاریات:۱)

مسافر دورانِ سفر لٹ جائے، کمائی یا کھیتی پر کوئی اچانک افتاد پڑ جائے، اچانک کسی حادثہ یا بیماری سے مستقل معذوری کی صورت بن جائے وغیرہ وغیرہ غرض اس طرح کے کئی پہلوؤں میں ایک انسان مفلس، مجبور محتاج اور ضرورت مند بن کر سوال کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔قرآن مجید میں ایسے سائل کو انکار کرنے سے منع فرمایا گیا ہے:۔ارشادِ ربانی ہے:’’اور تو سوال کرنیوالے کو جھڑکا نہ کرو‘‘۔(الضحیٰ)

اس طرح کوئی بھی ضرورت مند مدد کا خواستگار، خواہ وہ جسمانی، مالی یا علمی مجبوری کے ہاتھوں سوال کرنے پر مجبور ہو گیا ہو تو وہ سائل ہے اور اس کو انکار کرنے یا جھڑکنے سے منع فرمایا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ نے مدد کی ایک صورت یہ بھی بتائی ہے کہ آپ اس کی کسی دوسرے سے سفارش کر دیں تو یہ بھی کافی ہے۔ارشادِ ربانی ہے:

’’جو نیک بات کی سفارش کرے تو اس کے ثواب میں اس کا بھی حصہ ہو گا اور جو بری بات کی سفارش کرے تو اس کے گناہ میں وہ بھی حصہ پائے گا اور ہر چیز کا نگہبان اللہ ہے‘‘۔(النساء:۱۱)

آنحضرت ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے۔’’جو شخص اپنے بھائی کی حاجت پوری کرنے میں لگا رہے گا تو خدا اس کی ضرورت پوری کرنے میں لگا رہے گا۔اور جو کسی مسلمان کی کوئی مصیبت کو دور کرے گا تو اللہ قیامت کے روز قیامت کی مصیبتوں میں سے اس کی کوئی مصیبت دور کرے گا‘‘۔(صحیح بخاری ومسلم)

ایک دوسری روایت میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے۔’’اللہ اپنے بندہ کی مدد میں اس وقت تک رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں رہتا ہے‘‘۔(ترمذی)

صحیح بخاری میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کے پاس کوئی سائل یا حاجت مند آتا تو آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرماتے کہ:

’’تم سفارش کرو تو تمہیں بھی ثواب ملے گا‘‘۔

ایک دفعہ ارشاد ہوا کہ’’اگر کچھ اور نہ ہو سکے تو بے کس حاجت مند کی مدد ہی کیا کرو۔کسی بھولے بھٹکے ہوئے کو راہ لگانا، راستہ میں پڑی ضرر رساں کوئی چیز یا کانٹا ہٹانا بھی خداوند تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا کام ہے۔وہ ذات ایسے کام کی قدر کرتی ہے اور اس کا گناہ معاف کر دیتی ہے‘‘۔

اللہ تعالیٰ سوال فرمائیں گے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک اور فرمان مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا اے آدم علیہ السلام کے بیٹے! میں بیمار ہوا تو تو نے میری عیادت نہ کی۔انسان حیران ہو کر کہے گا کہ اے میرے رب! تو تو رب العلمین ہے میں تیری کس طرح عیادت کرتا۔پھر خدا تعالیٰ فرمائے گا کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا تو تو نے اس کی عیادت نہ کی۔پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے ابن آدم علیہ السلام! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تو تو نے مجھے کھانا نہ دیا۔تو انسان کہے گا

اے میرے رب! میں تجھے کس طرح کھانا کھلاتا جب کہ تو رب العلمین ہے۔ خدا تعالیٰ فرمائے گا کہ کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرا فلاں بندہ بھوکا تھا اگر تو اسے کھانا دیتا تو اسے میرے پاس پاتا۔ اے آدم علیہ السلام کے بیٹے! میں نے تجھ سے پانی مانگا تو تو نے مجھے پانی نہ پلایا۔ انسان کہے گا اے میرے رب! میں تجھے کس طرح پانی پلاتا جب کہ تو رب العلمین ہے۔ خدا تعالیٰ فرمائے گا کہ میرے فلاں بندہ نے تجھ سے پانی مانگا مگر تو نے اسے پانی نہ پلایا کیا تجھے معلوم نہیں کہ اگر تو اسے پانی پلاتا تو اسے میرے پاس پاتا۔ (صحیح مسلم)

غریبی اور حقارت اتنی قابل حقارت نہیں جتنی کہ اہل دنیا نے اسے مذموم سمجھ لیا ہے۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ میں جنت کے دروازے پر کھڑا ہوا تو دیکھا کہ داخل ہونے والے زیادہ مسکین اور غریب لوگ ہیں۔ (صحیح مسلم)

جنت کے بادشاہ لوگ

اسی طرح ایک دوسری روایت حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ ”کیا میں تمہیں یہ نہ بتاؤں کہ جنت کے بادشاہ کون ہوں گے۔ میں نے عرض کیا کہ کیوں نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ (جنت کا بادشاہ) (وہ شخص (ہوگا) جو کمزور ہے۔ لوگ اسے کمزور سمجھتے ہیں وہ پرانے کپڑے پہنے ہوئے ہے کوئی اس کی پرواہ نہیں کرتا۔ (مگر اللہ تعالیٰ کی نگاہوں میں اس کا وہ رتبہ ہے کہ) اگر وہ خدا کے بھروسے پر قسم کھالے تو خدا اسے سچا کر دیتا ہے“۔ (ابن ماجہ)

حضرت سہیل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول کریم ﷺ کے پاس سے گزرا۔ آپ ﷺ نے (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) سے فرمایا: ”تم اس شخص کے بارے

میں کیا کہتے ہو؟“ (یعنی تمہارا کیا خیال ہے کہ یہ شخص کیسا ہے) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اس قابل ہے کہ اگر نکاح کا پیغام دے تو اس سے نکاح کیا جائے اور اگر سفارش کرے تو اس کی سفارش قبول کی جائے اور اگر بات کرے تو اس کی بات پر غور کیا جائے۔ حضرت سہیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تو پھر حضور ﷺ خاموش ہوگئے، اسی دوران غریب مسلمانوں میں سے ایک شخص گزرا تو حضور ﷺ نے پوچھا: ”بھلا اس کے بارے میں کیا کہتے ہو؟“ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یہ (تو معمولی آدمی ہے اور) اس قابل ہے کہ اگر نکاح کا پیغام دے تو اس کے ساتھ نکاح نہ کیا جائے۔ اگر سفارش کرے تو اس کی سفارش قبول نہ کی جائے اور اگر بات کرے تو اسے غور سے نہ سنا جائے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر دنیا اس جیسے (امیروں) سے بھری ہوئی ہو تو ان سب سے یہ (غریب) بہتر ہے۔ (صحیح بخاری)

مسکرانا بھی صدقہ ہے

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے اپنے بھائی کے سامنے مسکرانا تمہارے لئے صدقہ ہے اور تمہارا نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا (بھی) صدقہ ہے۔ اور تمہارا کسی ایسے شخص کو ایسی سرزمین میں راستہ بتا دینا جہاں لوگ راستہ بھول جاتے ہوں، تمہارے لئے صدقہ ہے، اور تمہارا کسی ایسے شخص کی مدد کرنا جس کی بصارت خراب ہو (یعنی نابینا یا کمزور نگاہ والا ہو) تمہارے لئے صدقہ ہے۔ اور تمہارا راستے سے پتھر ہٹانا کانٹا ہٹانا یا ہڈی وغیرہ کا ہٹا دینا بھی تمہارے لئے صدقہ ہے اور تمہارا اپنا ڈول ڈال کر اپنے بھائی کے لئے پانی نکال کر اپنے بھائی کے ڈول میں ڈال دینا بھی تمہارے لئے صدقہ ہے۔ (ترمذی)

حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ بھوکے کو کھانا کھلاؤ، بیمار کی بیمار پرستی کرواور قیدی کو رہائی دلاؤ۔(ابوداؤد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا ﷺ نے (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مخاطب کرکے) فرمایا کہ آج تم میں سے کون روزہ دار ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آج تم میں سے کون جنازے کے ساتھ گیا ہے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں (گیا ہوں) آپ ﷺ نے فرمایا کہ آج تم میں سے کس نے کسی مسکین کو کھانا کھلایا؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں نے (کھانا کھلایا ہے) حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ آج تم میں سے کس نے کسی مریض کی عیادت کی ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں نے کی ہے۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص میں یہ تمام باتیں جمع ہوگئیں وہ جنت میں جائے گا''۔(صحیح مسلم)

غرض معاشرے کے محروم محتاج اور مصائب کے شکار افراد اس بات کا حق رکھتے ہیں کہ دوسرے لوگ حسب استطاعت ان کے غم والم اور احتیاج کے وقت ان کی مدد کریں کیونکہ اسی میں انسانی معاشرے کیلئے برکت ورحمت اور حیات ہے۔

☆☆☆

بحمد اللہ تعالیٰ

''دعوتِ فکر وعمل'' تمام ہوئی۔

محمد عثمان حبان دلدار قاسمی

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ.

مصنف کی دیگر کتب

۱	انوار السالکین	
۲	سفرنامہ جنوبی ہند تا جنوبی افریقہ	
۳	خوابوں کی تعبیر اوران کی حقیقت	(اول، دوم) اردو
۴	خوابوں کی تعبیر اوران کی حقیقت	(اول، دوم) ہندی
۵	خوابوں کی تعبیر اوران کی حقیقت	(اول، دوم) انگلش
۶	خطباتِ حبان برائے دخترانِ اسلام	(اول، دوم، سوم)
۷	خطباتِ حبان برائے دخترانِ اسلام	(چہارم تا دہم زیرطبع)
۸	خطباتِ رحیمی	(اول تا ششم)
۹	خطباتِ رحیمی	(ہفتم تا دہم زیرطبع)
۱۰	سوانح حضرت حاذق الامتؒ	
۱۱	انجمن دیندار مسلمان نہیں؟	
۱۲	پیارے نبی کی پیاری دعائیں	
۱۳	تصوف کی حقیقت	
۱۴	مفتاح الصلوٰۃ	
۱۵	طالبات تقریر کیسے کریں؟	
۱۶	اسرارِ طریقت	(زیرطبع)
۱۷	تفسیری خطباتِ بنگلور	(زیرطبع)
۱۸	مجالسِ رحیمی	(زیرطبع)

☆☆☆